سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۲۹

مرتبہ

سکینہ بیگم

۱۹۴۰ء

رسائل طیبہ

فہرست

(۱) عرض حال — مرتبہ — صفحہ (۵)

(۲) پیش لفظ — از مسز سروجنی نائیڈو — 〃 (۱۱)

٣٢٥١٩
M.A.LIBRARY, A.M.U.
U32519
CHECKED-2003

عرضِ حال

والد مرحوم (ڈاکٹر نواب خدیو جنگ) کو بڑی تمنا تھی کہ والدہ کے مضمونوں کو کتابی شکل میں شایع کریں۔ اس کی ترتیب میں انھوں نے بہت بڑا حصہ لیا تھا اور بڑی محنت بھی کی تھی۔ لیکن یہ سعادت میرے حصے میں تھی وہ کیونکر اسے پورا کرتے۔

مضامین کے اکٹھا کرنے کے بھی بڑی حد تک والد ہی ذمہ دار تھے اور اگر ان کی زندگی کچھ دنوں اور ساتھ دیتی تو ممکن تھا کہ "رسائل طیبہ" کو منظر عام پر آئے ہوئے آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوتا لیکن موت نے مہلت نہ دی اور وہ اس کی حسرت لیتے گئے۔

اس کام کی تکمیل میرا فرض تھا۔ ہر انسان دنیا میں کسی فرض کی ادائیگی کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس کی خلقت کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہوتی ہے۔ والدہ کے مضامین اور ان کے خیالات کی اشاعت کو میں اپنا مقصد حیات تصور کرتی ہوں۔ اسی لئے اپنی نااہلیت کے باوجود مجھ سے جیسے ہو سکا اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ یہ سرمایہ ضایع نہ ہو جائے۔

بیس سال کا عرصہ کچھ تھوڑا عرصہ نہیں ہوتا اس عرصے میں دنیا کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے

یہ کاغذات بھی الٹ پلٹ ہو گئے۔ اکثر مضامین کے کچھ حصے دستیاب نہ ہوسکے۔ بہرحال جو کچھ مل سکا وہ شریک کرلیا گیا۔ بعض مضامین کے بعد میں ملنے سے تسلسل بھی قائم نہ رہ سکا اور کتابت کی یکسانیت بھی باقی نہ رہی۔ لیکن ان تمام خامیوں کا انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں لحاظ رکھا جائے گا۔ سردست یہ امر ہی میرے لئے باعث طمانیت ہے کہ رسائل شایع ہوکر منظرِعام پر آرہے ہیں۔

رسائل طیبہ کسی تعارف کی محتاج نہیں "خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے" اس کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی صداقت رسائل کی ورق گردانی سے آپ ظاہر ہو جائے گی۔

ہر متمدن ملک کے باشندوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے مشاہیر کے حالات زندگی اور ان کے مکاتیب کو قلم بند کرتے ہیں تاکہ ان سے آنے والی نسلیں بہرہ اندوز ہوسکیں۔ ہر ملک میں ایسے افراد کم و بیش پیدا ہوتے ہیں جن کی زندگی اور تعلیم سے بنی نوع انسان ہر زمانے میں مستفید ہوتے ہیں۔ ہندستان کی سرزمین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہاں بھی ایسے افراد کی کمی نہ تھی جو دنیائے ادب کو اپنے کارناموں سے چار چاند لگا دیتے۔ لیکن ہندستان کی خواتین میں خاص کر مسلمان خواتین میں گنتی کی چند ہستیاں ایسی نظر آئیں گی جنھوں نے علم و ادب کے میدان میں قدم رکھ کر اپنی قابلیت اور روشن دماغی کا سکہ بٹھا دیا ہو۔

آسمان علم کے ان چند جگمگاتے ستاروں میں والدہ مرحومہ کا شمار بھی ہوسکتا ہے۔ ان کی ہستی علم و ادب کی دنیا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ وہ بلحاظ قابلیت اپنے زمانے کے اچھے لکھنے والوں میں گنی جاسکتی ہیں۔ ان کی تحریر میں ایک خاص لوچ اور درد بھرا ہے۔ انداز بیان شستہ اور سادہ پایا تھا اس پر صداقت و خلوص نے ان کی تحریروں کو دلنشین اور موثر بنا دیا۔

اپنے زمانے کی شاید واحد مسلم خاتون ہیں جنھوں نے مشرقی علوم کے علاوہ مغربی علوم میں بھی دستگاہ حاصل کی تھی۔ ان کی انگریزی بول چال اور تحریر کی خود انگریز خواتین مداح تھیں دو ایک معزز و تعلیم یافتہ خواتین کو میں نے خود یہ کہتے سنا تھا کہ "ہم کو شرم کرنا چاہیئے کہ ایک مسلم خاتون ہم سے بہتر ہمارے ادب سے واقف ہے"

علم و ادب کا انہیں بس غضب کا شوق تھا کہ ازدواجی زندگی میں منسلک ہونے پر بھی انھوں نے تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا۔ چنانچہ شادی کے پندرہ برس بعد انہوں نے بی۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ کتب بینی کا اس درجہ ذوق تھا کہ بیماری میں بھی کتاب ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی، ان کی معلومات وسیع اور خیالات پختہ تھے۔ پاکیزہ خیالات، اسلام پرستی، نیک دلی اور قوم و ملت کا پاس ان کے خصوصیات تھے۔

وہ ایک سچی مسلمان اور عاشق اسلام تھیں۔ مذہب و ملت کی محبت و عظمت اور اس کا سچا درد و جوش ان کی رگ رگ میں موجزن تھا۔ مسلمانوں کی ابتر حالت ان کے دردمند دل کے لئے ایک ناسور تھا۔

ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ظاہری دکھاوے یا نام و نمود کی خاطر کوئی کام نہ کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی گفتگو اور تقریروں میں صداقت و خلوص کی وجہ سے وہ کشش ہوتی کہ دوسروں کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہ رہتی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے جوش اور عقیدت بھرے جذبات اور خیالات کا اظہار کریں اور دوسرے ان کے ہم زبان نہ ہو جائیں۔

ان کی روشن خیالی، عالی دماغی اور بلند حوصلگی کی وہی داد دے سکتے ہیں جو ان سے

واقف تھے۔ اِن خصوصیات کا ثبوت رسائل کے اوراق میں ملتا ہے۔ اور ان کی جیتی جاگتی دلیل انجمن خواتین اسلام موجود ہے۔

خواتین حیدرآباد کے لئے ان کی ہستی مشعل راہ تھی۔ اپنی صنف کی بہبودی اور ان کی ترقی کے لئے وہ ہر وقت کوشاں رہتیں۔ اس ضمن میں انھوں نے جن امور کی تحریک کی تھی اور جن بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا تھا آج تقریباً بیس پچیس سال بعد کانفرنسوں میں قراردادوں کی صورت میں پیش ہو رہے ہیں جن سے ان کی دوراندیشی اور پیش بینی کا ثبوت ملتا ہے۔

آج کل کے ترقی یافتہ زمانے میں بھی ایسی تجویزیں عموماً کانفرنسوں ہی کی زیب و زینت بن کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن آفریں ہے ان کے دماغ اور ان کے جذبۂ عمل کو کہ اس زمانے میں بھی اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور ایک بڑی حد تک کامیاب رہیں۔

محبوبیہ اسکول کے قیام میں انھوں نے بڑا حصہ لیا تھا جس سے اب بھی ہمارے یہاں کی لڑکیاں مستفید ہو رہی ہیں۔ اسی طرح انجمن کے مدارس قائم کرکے انھوں نے غریبوں کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا۔ اس زمانے کی سماجی فضا نے بھی ان سے بہت کچھ رنگ پایا تھا۔ چنانچہ ایک ایسی مشترکہ انجمن کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے جس میں ہر مذہب و ملت کی خواتین شریک ہو سکیں اور تبادلۂ خیالات سے فائدہ اٹھا سکیں انھوں نے حیدرآباد لیڈیز ایسوسی ایشن کی بنا ۱۹۰۳ء میں ڈالی تھی۔ اور ایک عرصے تک معتمد کا کام بھی انجام دیتی رہیں۔

اس کے بعد مسلم خواتین کے لئے ایک مخصوص انجمن ۱۹۱۰ء میں انجمن خواتین اسلام کے نام سے قائم کی جس کا مقصد مسلم خواتین میں یکجہتی، میل جول اور رواداری پیدا کرنا تھا۔ ساتھ ہی

اس کا ایک تعلیمی پہلو بھی تھا -

انجمن کے ماہانہ جلسوں میں اسلام اور اس کے اوامر و نواہی - اسلام کی تعلیم' بانی اسلام کے سوانح حیات' اور' ترک رسومات جیسے مضامین پڑھے جاتے جن سے خواتین کے خوابیدہ جذبات کو ابھارنا اور اصول اسلام سے آشنا کرنا یا کرانا مقصود تھا۔ غریبوں اور ناداروں کی امداد اور ان کے بچوں کی تعلیم کا بیڑا بھی اس انجمن نے اپنے سر لیا تھا۔ اور اسی ضمن میں کئی مدرسے بھی کھولے گئے۔ یہی انجمن اب میری بہن معصومہ بیگم کے زیر صدارت اپنا کام خاموشی کے ساتھ انجام دے رہی ہے -

ان اوراق میں اکثر ایسے مضامین ملیں گے جو اسی انجمن کے ماہانہ جلسوں میں پڑھے گئے -

ناشکر گذاری ہوگی اگر اس ضمن میں محترمی مولوی الیاس برنی صاحب اور محترمی ڈاکٹر زور صاحب کی پُر خلوص اعانت اور دلچسپی کا ذکر نہ کیا جائے - اول الذکر نے والد کو مضامین کی ترتیب میں بڑی مدد دی تھی اور موخر الذکر نے اس کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹایا ان کی اور مولوی حمید الدین صاحب کی خدمت میں میرا مخلصانہ شکریہ پیش ہے کہ اس کی اشاعت و طباعت میں انھوں نے دلچسپی اور اعانت کی - جس کے بغیر شاید ہی یہ کتاب چھپ سکتی - مسز نائیڈو کی ممنون ہوں کہ انھوں نے پیش لفظ لکھ کر حق دوستی ادا کیا -

ہمشیرہ معصومہ بیگم کی بھی مشکور رہوں کہ انھوں نے خطوط اور مضامین کے مہیا کرنے میں میری بڑی مدد کی -

کوہ نور - کریم آباد - جوبلی ہلز

سکینہ بیگم

(ترجمہ)[1]

مجھے طیبہ بیگم سے ہمیشہ قریبی تعلق رہا اور میرے لئے یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ یہ تعلق کبھی کم بھی تھا۔ وہ میری قدیم ترین سہیلیوں میں سے تھیں۔ اور جب تک زندہ تھیں، میرے ساتھ اُن کے ایک عزیز بہن اور پریمی دوست کے سے تعلقات تھے۔ یہی وجہ ہے اُن کی تقریروں، اور تحریروں کے اِس مجموعہ کے لئے جسے اُن کی دوسری دختر سکینہ بیگم نے مُرتب کیا ہے، میں بڑی خوشی کے ساتھ یہ مختصر سا پیش لفظ لکھ رہی ہوں کیونکہ یہ ہمارے زمانے کی ایک ایسی ہندوستانی خاتون کا خراجِ تحسین ہے جو بہت بڑے اِمتیاز کی حامل تھیں۔

طیبہ بیگم نے ایک ایسے گھرانے میں جنم لیا تھا جہاں دولت اور سماجی اثرات کی نسبت لیاقت اور ترقی ونشوونما کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اُن کو ایک طرف تو اپنے لائق اور روشن خیال باپ نواب عماد الملک سے ذہنی برتری، اعلیٰ کردار اور علم کی سچی طلب ورثہ میں ملی تھی تو دوسری طرف اُن کی پیاری اور سلیقہ مند ماں کے بلند حوصلے، دردمند دل اور گہرے جذبات کا اثر بھی اُن پر پڑا تھا۔ اور اپنی ماں کی تربیت میں خانہ سازی کی تمام خوبیاں اُن میں پیدا ہوگئی تھیں۔

ایک قدامت پرست سماج میں جہاں تعلیمِ اُناث، خصوصاً مسلمان لڑکیوں کی تعلیم

[1] اصل انگریزی عبارت ORIGINAL صفحہ ۱۴ پر درج ہے

قابل ملامت نہیں توکم ازکم مابہ النزاع مسئلہ ضرور بنی ہوئی تھی، طیبہ بیگم کو اپنے خاندان میں ایک ایسی ہمت افزا اور موافق فضا ملی جس میں وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ اور اُن کے خاندان نے تعلیم کے لئے خاطر خواہ مواقع بھی پیدا کئے۔ پہلے تو اُن کی تعلیم ایک چھوٹے سے زنانہ مدرسے میں ہوئی جو اب عثمانیہ زنانہ کالج کے درجہ تک پہنچ گیا ہے اور مدرسے کے بعد خود اپنے گھر کے سکون اور فرصت کے لمحات میں اُنھوں نے بڑے اِنہماک کے ساتھ تعلیم کو جاری رکھا اور مشرقی و مغربی علوم میں کافی دستگاہ حاصل کر لی۔

ڈاکٹر خدیو جنگ سے اُن کی شادی ہوئی تو اس کے بعد بھی اُن کے علمی انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اُنھوں نے اسی زمانے میں تعلیمی امتیازات حاصل کئے جب کہ اُن پر خانگی زندگی کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کا بوجھ آپڑا تھا۔ اُن گوناگوں فرائض کے بالوصف جو ایک بیوی اور چاہنے والی دَرد مند ماں بننے کی وجہ سے لاحق تھے، ہر وقت اُن کا جذبۂ خدمت گزاری اُبھرتا ہی گیا اور اُنھوں نے خواتین حیدرآباد کی تعلیمی اور سماجی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔

یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے مرحومہ نے اَن تھک کوششوں اور بڑی سرگرمی سے کام لیا۔ اُنھوں نے انجمن خواتین اسلام قائم کی تھی جو اُن کی صاحبزادی معصومہ بیگم کی بدولت اَب بھی سرگرم عمل ہے۔

لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ طیبہ بیگم کی خدمات صرف اُن کے اپنے مذہب یا فرقے کی عورتوں تک محدود تھیں۔ وہ بہت کشادہ خیال اور وسیع مشرب خاتون تھیں اور ممالک محروسہ کی تمام ترقی پرست تحریکوں میں سب سے زیادہ حصہ لیتی تھیں۔ وہ حیدرآباد لیڈیز ایسوسی ایشن کی، جو کوئی پچیس سال پہلے

"بلگرامی ہاؤز" میں قائم ہوئی، مؤسسین اور ممتاز ارکان میں سے تھیں۔ اِس ایسوسی ایشن میں ہر فرقے اور مذہب کی عورتیں شامل ہیں اور یہ ایک مشترک اِدارہ ہے۔

اس زمانے کی نئی پود کے لئے اُن کی حیثیت ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ اِس لئے مجھے توقع ہے کہ یہ چھوٹی سی کتاب موجودہ نسلوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی اور اِس خاتون کی یاد سے جو عقلِ سلیم کے ساتھ شرافتِ نفس اور شرافتِ طبع سے بھی متصف تھیں، نئی رُوح پھونکے گی مرحومہ کی زندگی اور شخصیت ایک نمونہ ہے جس میں مغربی تعلیم کے محاسن کے ساتھ قدیم مشرقی تہذیب و روایات کے حُسن و وقار اور نصب العین جمع تھے۔

حیدر آباد دکن۔ عیدالفطر ۱۹۳۹ء

سروجنی نائیڈو

FOREWORD

There was never a time that I can recall when I did not know Tyaba Begum intimately. She was one of the earliest of my playmates, and remained to the end of her days, a dearly loved and deeply admired friend and sister. I am happy, therefore in this brief foreword to the volume of her collected Urdu writings and speeches edited by her second daughter, Sakina Begam to pay yet another tribute to one of the most distinguished Indian women of our generation.

Born in a home where scholarship and progress, were accounted of more value than mere wealth and social privilege, Tyaba Begum inherited from her learned and liberal minded father Nawab Imad-ul-Mulk much of his intellectual integrity and independence of character and a genuine passion for knowledge. From her charming and intrepid little mother she inherited her courage and kindliness of heart, her power of devotion, and her notable home-making qualities.

In a conservative society where the education of girls and especially of Muslim girls was an issue for controversity if not for actual scandal, she was afforded by her family ample encouragement and opportunity to pursue her studies peacefully, first in the little Girls'

School which has since developed into the Osmania College for Women, and later in the spacious leisure and seclusion of her own home where she was engrossed in mastering with equal zest and proficiency classics of both East and West.

Her marriage to Dr. Khedive Jung in no way interrupted her resolute pursuit of knowledge. Indeed her higher academic distinctions were secured in the very midst of her domestic preoccupations and responsibilities. Her duties as a wife and an almost too loving and anxious mother seemed but to enrich and expand the scope of her sympathies and activities for the social and educational advancement of the women of Hyderabad.

She was, very rightly, most zealous and untiring in her efforts for Muslim girls and women. She founded the Anjuman-i-Khawatin-i-Islam which is now being carried on efficiently by her daughter Masuma Begum.

But Tyaba Begum's services were byno means limited to the women of her own community and creed. She was a woman of broad views and large interests and always took a leading part in all progressive movements in the State. She was one of the founders and most prominent members of the Hyderabad Ladies Association which was inaugurated in Bilgrami House more than 25 years ago and which is truly cosmopolitan in

its composition including in its member-ship women of all races and faiths.

To the younger generation she is almost a legendary figure. I hope, however that this little book will recreate for their benefit and inspiration, in some measure, the brave and wise and noble mind and spirit of a woman who symbolised in her own life and personality the finest ideals of modern western education and the grave and gracious dignity of old oriental culture and traditions.

Hyderabad-Deccan,
'Id. ul. Fitur 1939.

SAROJINI NAIDU

عکس تحریر طیبہ بیگم صاحبہ مرحومہ (مرشد آباد بیگم)

انسان کی ذات اور اوس کی ہستی نقش بر آب بلکہ خیال و خواب
ہے اوس کو کوئی فخر ذاتی دنیا میں حاصل کرنے کی مہلت نہیں ہے
ہر انسان کا سچا فخر اوسکی قوم و ملت کی عزت و حالت
پر منحصر ہے اگر ہم اون میں ہیں جو قوم و ملت سے بے پروا
جہالت میں غرق تکبر نما بری و تنفر باطنی کے دلدادہ ہیں
تو کوئی ذاتی شہرت و نام آوری ہمکو فائدہ نہیں دیسکتی کسی شخص کا ذاتی
ابدالاباد تک قائم نہیں رہسکتی مگر اوس کا مذہب
اور اوسکی قوم البتہ دنیا میں باقی رہسکتی ہے اسلئے
ہر ذی فہم خدا پرست انسان کی سچی خوشی اور فخر
اپنے مذہب اور قوم کے عروج دیکھنے میں [illegible]

عکس تحریر محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ مرحومہ

مدرسۃ العلوم علی گڈھ کی اِمداد

شنبہ ۲۹ر اگست سنہ ۱۹۰۳ء کو ایک جلسہ علیگڈھ کالج کی امداد کی غرض سے مرحومہ نے اپنے گھر "بلگرامی ہوس" میں کیا تھا جس میں یہ تقریر پڑھی گئی۔ اسی سلسلہ میں "حیدر آباد لیڈیز ایسوسی ایشن" کے قیام کی تجویز بھی مرحومہ نے کی تھی جو آج بھی اسی نام سے قائم ہے۔

اے میری عزیز بہنو!

میں آپ لوگوں کے آج اس موقع پر میری دعوت قبول کرنے اور غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمانے کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور امیدوار ہوں کہ جس قدردانی اور مہربانی سے آپ نے میرے یہاں تکلیف فرمائی اوسی توجہ سے میری استدعا کو بھی سُنیے گا اور غور فرمائیے گا۔

آپ لوگوں نے آخری سالانہ ایجوکیشنل کانفرنس کا حال اخباروں میں پڑھا ہوگا اور ہز ہائنس آغا خاں کا پُر درد و پُر تاثیر مضمون بھی آپ کی نگاہوں سے گزرا ہوگا۔ میں نہیں بیان کر سکتی کہ اوس مضمون کے پڑھنے سے کیا اثر میرے دل پر ہوا۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ ایک ہی امید جو ہماری قوم کے نوجوانوں کے لیے ہے وہ بھی ہماری کم ہمتی کے سبب سے منہدم ہو جائے۔ سارے ہندوستان میں سوا علی گڈھ کے اور کوئی مدرسہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نوجوانوں کی انگریزی کے ساتھ مذہبی اور فارسی عربی کی تعلیم بھی ہو سکے پس جب کہ ہماری ترقی ہمارے مذہب اور

علوم قومی کے ساتھ وابستہ ہے اس لئے کل امیدیں ہماری قوم کی بھی علی گڈھ کالج کے ساتھ وابستہ ہیں پس ہم میں سے ہر متنفس پر لازم ہے کہ حتی الامکان اوس کی مدد کرے لیکن ہر کامیابی کے لیے زر کی ضرورت ہے۔ سید زر لیے ہو مضمون آیۃ کریمہ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون یعنی کوئی کامیابی تم کو نہ حاصل ہوگی جب تک کہ تم جو چیز تم کو عزیز ہے اس میں سے خرچ نہ کرو۔

قومی تنزل کا باعث افراد قوم کی کمزوری اور نااتفاقی ہوا کرتی ہے اور کل خرابیاں اپنے ہاتھوں سے ہوتی ہیں۔ از ماست کہ بر ماست۔ ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم ایک ہی مذہب و وطن کے مجموعہ افراد کو قوم کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ہر فرد مجموعہ کا اچھا ہوگا تو وہ مجموعہ بھی اچھا ہوگا پس کسی ایک شخص کے قوم میں لائق ہونے سے قوم کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ حالت درست ہونے کی اوسی وقت امید ہو سکتی ہے جب کہ ایک بڑا گروہ حب الوطنی اور حمیت مذہبی کے ساتھ متصف ہوا اور وہ حمیت جو ہم کو ایسے افعال سے جو کہ ہماری قوم و مذہب کے شایاں نہ ہوں باز رکھتی ہے۔ اور یہ امور بچپن کی تعلیم و تربیت پر موقوف ہیں۔ ایسی تعلیم کسی سرکاری اسکول و کالج میں ہم کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے سوائے علی گڈھ کالج کے اور کوئی درس گاہ نہیں۔ ہندو پارسی و نصرانی اور دوسری قوموں نے جب کہ اپنے لیے متعدد مدرسے اپنی مرضی کے موافق بنا لیے ہیں ہمارے لیے صرف ایک علیگڈھ کالج ہی ہے جس کا قائم رکھنا منحصر ہمارے اتفاق اور امداد پر منحصر ہے تو ہم کیوں اوس کی بقا اور ترقی کی کوشش میں دریغ کریں۔ ہز ہائنس آغا خاں نوبہاں تک اپنی اسپیچ میں فرمایا ہے کہ آئندہ اسلام کا قیام بھی اسی پر مبنی ہوگا۔

ابتدائے زمانہ میں جب مسلمان معدودے چند تھے اور اسلام کی ترقی اور دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے ضرور ہوا کہ اون سے مقابلہ کیا جائے اور اس میں جان و مال صرف کیا جائے اوس وقت حکم خدا ہوا

قاتلوا فی سبیل اللہ اور سب مسلمان امداد اسلام کو تیار ہو گئے اور جان و مال کو دریغ نہ کیا جس جانفشانی کی برکت سے اسلام کا جھنڈا تھوڑے سے عرصہ میں دنیا کے بڑے حصہ پر اڑنے لگا پس غور فرمائیے کہ اگر اس وقت اہل اسلام متفق اور ایک دل ہو کر حمایت اسلام نہ کرتے تو آج مذہب اسلام کا نام تک نہ باقی رہتا۔

خدا نخواست کہ اسلام در حمایت او ز تیر حادثہ در بارۂ امان ما ند

اب حضرات پھر وہی وقت آپڑا ہے اور اسلام کی پرخطر اور نازک حالت ہو رہی ہے۔ وہ زمانہ زمانۂ طفولیت اسلام تھا جبکہ اسلام بچہ کی طرح گہوارے میں دودھ کو ترستا تھا اور اس وقت اس کا موجد اور حامی آسمانی سرپرستی کو موجود تھا جس کی کوشش سے چند صادق الایمان مسلمانوں نے جن کی گنتی کئی سو سے زیادہ نہ تھی اپنا مال و متاع جان و دل نثار اسلام کیا اور کہا۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیٰمۃ انک لا تخلف المیعاد فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض

اب دیکھئے تو پھر وہی زمانہ آگیا ہے اور حالت اسلام کی پھر نازک ہو گئی ہے اور یہ گویا پیرانہ سالی اور ضعف و ناتوانی کا زمانہ ہے اور اسلام کی حالت حالت نزع سے کچھ کم نہیں۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتی ہوں۔ کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم اس وقت باہم متفق ہو کر اس ضعیف کی اعانت اپنے حتی الامکان کریں اور اسلام کے سوکھے گلے میں ایک ایک قطرہ پانی کا ٹپکائیں جس ایمان کی برکت سے ہم آدمی بنے۔ لات و منات کی پرستش اور وحشیانہ زندگی اور جاہلانہ حرکتوں کو چھوڑ کر توحید و تمیز سیکھی اور تمام عالم کے معلم و ہادی قرار دیے گئے تو کیا اب ہم ناحق شناس اور بے حمیت نہ کہلائیں گے جو اس وقت حمایت و امداد اسلام نہ کریں۔

وہ دین جس نے اعدا کو اخوان بنایا وحوش اور بہائم کو انسان بنایا

درندوں کو غمخوار دوراں بنایا   گڈریوں کو عالم کا سلطان بنایا

وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ   گراں کر دیا اوس کا عالم سے پلہ

اور یہ حمایت و امداد اسلام کیا ہے اور کیونکر ہوسکتی ہے۔ اوس کا ایک ہی طریقہ اب باقی ہے یعنی اعلی تعلیم کی امداد جس کے سبب سے پھر ستارۂ اسلام جو آب خسوف میں ہے چمک اُٹھے گا چپ و راست سے یہ صدا آرہی ہے

کہ کل کون تھے آج کیا ہوگئے تم   ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

ہم کو خواہ مخواہ زمانہ کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ پُرانی لکیر کے فقیر بنکر رہنا ممکن نہیں۔ زمانہ کی متابعت کے لیئے عمدہ تعلیم کی ضرورت ہے اور عمدہ تعلیم کے لیے سرمایہ چاہیئے جیسا کہ ہز ہائنس آغا خاں نے اپنے لکچر میں لکھا ہے کہ اگرچہ کرور مسلمان ایک ایک روپیہ دیں تو چھ کروڑ روپیہ ہوجائیں گے جس کا چھٹا حصہ بھی اگر جمع ہوسکے تو فی الحال اخراجات کالج کے لیے کافی ہوگا۔ بلکہ فوراً ایک قومی یونیورسٹی کی بنا پڑجائے گی۔ پس کون غریب سا غریب مسلمان ایسا ہے کہ اپنے مذہب کے لیئے ایک روپیہ دینے میں دریغ کرے گا اور عزت دنیا و ثواب اخری کے حاصل کرنے میں تاخیر کرے گا۔ جیسا کہ الشریف الرضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اشتر العز بما بیع ؛ فما العز بغالی ؛ بالقصار الصفر ان شئت ؛ والسمر الطوال ؛ لیس بالمغبون عقلا ؛ من شری عزا بمال ؛ انما یدخر المال ؛ لحاجات الرجال ؛ والفتی من جعل الاموال ؛ اثمان المعالی۔ یعنی جس قیمت کو عزت ملے مول لو کہ عزت کسی قیمت کو بھی گراں نہیں ہے۔ مال دیکر اگر حاصل ہو تو حاصل کرو اور اگر جان دیکر ہاتھ آئے تو خریدو جس نے مال کو عزت کی قیمت سمجھا اور مال دیکر عزت مول لی وہ بدعقل نہیں ہے کیونکہ مال تو صرف آدمی کی حاجتوں کے رفع کرنے کے لیے ہے۔ نفس نفیس اوسی شخص کا ہے اور مرد آدمی وہی ہے جو مال کو معالی کی قیمت سمجھتا ہے۔

مردوں اور عورتوں کی تعلیم لازم وملزوم ہے اس لیے جب تک مردوں کے دماغ میں تعلیم کا نور نہ ہو اور جہالت کی گھٹا ان کے دلوں سے دور نہ ہو عورتوں کی تعلیم ہونا ممکن نہیں۔ لڑکی بچپن سے کسی ایک نہ ایک مرد کی دست نگر و محتاج رہتی ہے۔ پہلے پہل سابقہ باپ سے پڑتا ہے اگر بابا جان کا دماغ ہنوز جہالت و تاریکی کے گرداب میں غلطاں و پیچاں ہے تو اماں جان خواہ کیسی ہی روشن خیال کیوں نہ ہوں ان کی ایک نہیں چلتی وہ ہر بات میں یہی جواب دیں گی۔ کیا کہوں بٹیا تمہارے ابا کی مرضی نہیں کہ تمہاری تعلیم ہو۔ میں دو چار لڑکیوں سے واقف ہوں جنہیں تحصیل علم کا کمال ذوق تھا مگر جو کچھ انھوں نے حاصل کیا تھا اپنے بابا جان سے پوشیدہ حاصل کیا تھا۔ اس لیے کہ ان صاحب کی رائے صائب تعلیم نسواں کے خلاف تھی

بچشم و گوش و دہاں آدمی نبا شد شخص   کہ ہست صورت دیوار را ہمیں تمثال

پس جس قوم میں مردوں کا یہ خیال ہو کہ لکھنے پڑھنے کو معیوب سمجھیں تو دا سے بر حال اس قوم کی عورتوں کے میرے نزدیک ایسی حالت میں تعلیم نسواں کی آرزو کرنا بیکار ہے۔ محض بیہودہ بکنا اور خیال باطل باندھنا ہے جب تک مرد آدمی بن لیں اور اعلیٰ التعلیم نہ حاصل کر لیں تب تک عورتوں کے لیے دروازے ترقی و تعلیم کے یوں ہی مقفل و مسدود رہیں گے

ماں باپ کے سایۂ شفقت سے نکل کر میاں کے گھر جانے کی باری آتی ہے اور اگر جاہل مرد سے تعلیم یافتہ عورت کا پالا پڑا تو زندگی بری کٹتی ہے۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی جاہل عورت تعلیم یافتہ مرد سے بیاہی گئی ہے تو چند مدت میں ضرور اس کی تعلیم ہو گئی ہے۔ مگر نا تعلیم یافتہ مرد کو عورت خواہ کیسی ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو راہ پر نہیں لا سکتی۔ اس لیے کل مردوں کی عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دماغی و جسمانی و اخلاقی ضرور ہے۔ جب مرد تعلیم یافتہ ہوں گے تو عورتوں کی تعلیم میں آسانی ہو جائے گی اور انہیں خود آرزو ہو گی کہ کوئی ایسا انتظام کریں کہ مذہبی پابندی کے ساتھ ہماری مونس و ہمدم بھی ہماری ہم خیال اور ہماری ہم زبان بن جائیں کہ باہم لطف زندگی

اٹھائیں اور گفتگو کر سکیں اور اگر انشا و ادب کا مذاق ہم کو ہو تو ہم اپنی بیویوں کو اور بیٹیوں کو سنایا کریں اور وہ اس سے
ہماری طرح حظ اٹھائیں اور نکتہ چینی کر سکیں۔ کیا اچھی اور مبارک ہے وہ زندگی جہاں میاں بیوی ایک دوسرے
کے سچے مددگار اور مونس و غمگسار و ہم خیال ہیں۔ جہاں ہر وقت میاں کو بیوی کی خوشنودی اور بیوی کو میاں
کی خوشنودی منظور و ملحوظ خاطر ہے۔ جب میاں آفس کے کام سے فارغ ہو کر اور بیوی خانہ داری کے امور سے
فرصت پا کر ایک جا بیٹھتے ہیں تو اپنے الجھے ہوئے معاملوں کو ایک دوسرے کی رائے سے سلجھاتے ہیں عقل
لبیں یعنی عن متناو سراتہ ۔ اور اکثر اوقات دنیا کے افکار کو خیرباد کہہ کر علمی مذاق شعر و سخن میں جی لگاتے ہیں
اور شاعرانہ نازک خیالی میں محو ہو کر طارم اعلیٰ کی سیر کر آتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے لیے لازم نہیں کہ اپنے گھر
کی بیویوں سے ہر وقت لڑکی کے واسطے ٹاٹ بافی جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشیہ چھالیہ یا نکچندی لوگی یا جہازی
زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی۔ رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی کا سوال کیا کریں اور جن کے
گھر کی مستورات کی سمجھ صرف رسمی سلوں و نہ علمی مسئلوں کے حل کرنے پر محدود ہے۔ تو نہ تعلیم کے لیے اتفاق لازمی
امر ہے تعلیم کیا بلکہ تمام قوم کی بہبودی کلیتہً اسی پر موقوف ہے کہ ہم میں اتفاق بڑھے اور قومیت کا جذبہ پیدا ہو۔
کل دنیا کی تاریخ یہی سکھا رہی ہے کہ جس جس قوم میں جہاں تک اتحاد بڑھا اسی قدر وہ سرسبز ہوئی اور جب ان میں
نااتفاقی کا بیج پڑا پس اسی وقت سے خزاں کے آثار پیدا ہو گئے۔ پیر مرد کی حکایت تو بچپن میں آپ سب صاحبوں
نے پڑھی ہو گی جس کے چار بیٹے تھے اور ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے۔ ایک روز مرد عاقل نے انھیں جمع کیا اور
کہا کچھ سوکھی لکڑیاں چن لاؤ۔ وہ چن لائے۔ تب اس نے ایک ایک لکڑی ہر بیٹے کو دی اور ان سے کہا اس کو
توڑو ہر ایک نے اپنی اپنی لکڑی بآسانی تمام توڑ دی پھر اس نے سب کو لیکر باندھ دیا اور کہا لو اب تو توڑو۔ ہر چند
چاروں بھائیوں نے باری باری سے زور لگایا اور اس کے توڑنے کی کوشش کی مگر وہ گٹھا نہ ٹوٹا اس وقت

بڈھے باپ نے کہا دیکھو بیٹا اگر ملکر رہوگے اور ایک دوسرے کے شریک حال رہوگے تو سعادت دینی و دنیوی ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے گی اور اگر لڑو اور جھگڑو گے تو سب کے سب ہلاکت کے گرداب میں پھنسوگے۔
یہ ایک چھوٹی سی معمولی حکایت ہے مگر غور کیجئے تو حکمت سے بھری ہوئی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جس تعلیم کو ہم شایع کرنا چاہتے ہیں ضرور ہے کہ وہ وسیع ہو اور علم و عمل دونوں پلّے اس کے برابر ہوں تاکہ علم معیشت کا مددگار بنے۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ علمی لیاقت و کتابی قرائت میں بعض مرد بے نظیر ہیں مگر اصلاح تمدن و معاشرت کی طرف ان کی توجہ نہیں پرانی رسموں کے خواہ وہ نافع ہوں یا مضر پابند رہتے ہیں۔ ایسے حضرات کے بارے میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔
چارپائے بروکتابے چند۔ یا بقول آیۂ کریمہ مثلهم کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ علم بے عمل بے سود محض ہے۔

اب اے میری عزیز بہنو۔ میری یہی آپ لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ میری اس تقریر پر غور کیجئے اور کچھ امداد بالفعل کیجئے اور ماہانہ قدر سے قلیل مدرسۂ علی گڈھ کی امداد اور تعلیم غربا کے نذر کیجئے (یعنی ایک روپیہ ماہانہ) اور اس رقم کو ماہانہ جاری رکھیے۔ تاکہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیے۔ نعم اجر العالمین۔ تھوڑی سی نیکی کا خدا بہت سا بدلا دیتا ہے۔

میں یہ تحریک کرتی ہوں کہ اس موقع پر ہم سب ملکر ایک انجمن قایم کریں جس کا مقصد تعلیم عام اور خاص تعلیم نسواں رہے۔ اور اس کے ممبر ہر سال ایک جلسہ مثل مردانہ ایجوکیشنل کانفرنس کے منعقد کیا کریں اور ترقی تعلیم و اصلاح طرز معاشرت و رسوم کی کوشش کریں۔ دوسرے یہ کہ بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے فیضِ صحبت سے مستفید ہو سکیں۔ اس لئے اس انجمن سے کلب کا فائدہ بھی لینا چاہیے تاکہ مقصد سوشیل انٹرکورس کا حاصل ہو۔ آپس میں اور نیز انگریز و دیگر اقوام کی بی بیوں سے جو تعلیم و تربیت میں ہم پر سبقت رکھتی ہیں

ملنے کے موقع حاصل کریں تاکہ ہمارے اخلاق و تعلیم میں روز افزوں ترقی ہو۔ اور اس انجمن کے جلسے باری باری سے ہر مہینے ہوں تو چند ممبروں کے مکان پر ہوا کریں۔ مصرع ع۔ مخالطہ ہمہ کس باش تا بجہدی خوش۔

میرے نزدیک جو مضامین انگریزی اور دیسی بی بیوں کے مابین ملاقات و روابط بڑھانے پر لکھے جاتے ہیں اور جو مباحثے اس مسئلہ پر ہوا کرتے ہیں عبث ہیں تاوقتیکہ ہم خود آپس میں کوئی سوشیل انٹرکورس کا ذریعہ نہ نکالیں اور سوسائٹی نہ قائم کریں ہماری تو کوئی سوسائٹی ہی نہیں۔ پھر غیر اقوام کی بی بیاں ہماری صحبت میں کیونکر شریک ہوں۔ پہلے ہم اپنی صحبت قائم کرنے کی صورت پیدا کریں پھر اس میں ان کو بھی شامل ہونے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ بہت سی انگلش لیڈیز ہماری صحبت میں داخل ہونے اور ہم سے میل ملاپ بڑھانے کو تیار ہیں اگر ہم بھی ذرا تائید ان کی کریں اور اپنی سوسائٹی قائم کریں اور صفائی اور تعلیم پر غور کریں تو یہ شکایت اگر ہے تو باقی نہ رہے بلکہ جلد دور ہو جائے۔

ہر ایکسلینسی لیڈی کرزن صاحبہ نے بہت توجہ دیسی بی بیوں کی تعلیم و نفع رسانی کی طرف کی ہے اور بہت کچھ ان کے اور انگلش لیڈیز کے درمیان روابط بڑھانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چنانچہ ان کے تھوڑے عرصہ کے قیام میں بہت سی زنانہ پارٹیز جس میں بیگمات اور انگریز، ہندو و پارسی بی بیاں شامل تھیں یہاں ہوئیں اور بمبئی وغیرہ شہروں میں بھی اسی قسم کی پارٹیاں دی گئیں اور زنانے کلب قائم ہوئے ہیں اور ہندوستانی عورتوں کے نفع کے لئے دائی ہاسپٹل بھی جناب ممدوحہ کی کوشش سے قائم ہوا ہے۔ حیدرآباد میں جو دائی ہاسپٹل ہے اس کی طرف ہم سب کو توجہ کرنا ہمارا فرض منصبی ہے چونکہ وہ صرف ہمارے شہر کے غریب غربا کے نفع کے لئے قائم ہوا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ہماری انجمن کو کامیابی کلی حاصل ہوگی اور علی گڑھ کالج کی امداد قرار واقعی ہو جانے کی کیونکہ ان ایام سعادت فرجام میں کچھ تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے کہ سالگرہ ہمایوں اعلیٰحضرت

حضور پرنور محبوب علی شاہ ہم سبھوں نے منائی ہے۔

خدایا حشر تک رکھنا دکن کی عروستاں قایم ــ رہے جب تک فلک قایم زمیں قایم زماں قایم

رہیں یارب حضور بندہ پرور جاوداں قایم ــ رہے باغ دکن کا یا خدا یہ باغباں قایم

اس کی برکت سے ہمارے دامن لعل و گہر سے پُر ہو جائیں تو کچھ عجب نہیں ہے یہ تقریب خود آپ کے ہاتھوں کو جود و سخا سکھائے گی۔

اب اے میری عزیز بہنو۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں میں نے آپ لوگوں کی بہت تضیع اوقات اور سامعہ خراشی کی اور بہت تکلیف دی۔ معاف فرمائیے گا۔ میری یہی دعا ہے کہ خدا آپ سب کے مطالب پورے کرے اور ہمارے درمیان اتفاق، اتحاد اور محبت دن دونی رات چوگنی بڑھے۔ ربنا اغفر لنا ذنوبنا وآتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وتوفنا مع الابرار۔

تہنیتِ تمغہ

مسز کیسن واکر کے مکان پر ۱۹۰۳ء میں ایک جلسہ ہوا تھا جس میں مسز ہمایوں مرزا کو ان کے ایک ناول کی تصنیف پر تمغہ دیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ تقریر کی گئی تھی۔

میری عزیز بہنو!

مسز واکر صاحبہ کی خواہش ہے کہ میں آپ لوگوں کے روبرو چند لفظوں میں بیان کروں کہ صغرا بیگم مسز ہمایوں مرزا کو جو آج تمغہ دیا گیا اس کا کیا باعث ہے۔

دو سال کا عرصہ ہوا کہ مسز ہمایوں مرزا نے ایک دلچسپ ناول تصنیف کیا جس میں عورتوں کے جاہل رکھنے کے نقصانات اور ان کے بُرے نتائج کو کہانی کے پیرایہ میں بیان کیا۔

ناول نویسی ایک ایسا کام ہے جس کی ضرورت آج کل بے انتہا محسوس ہو رہی ہے۔ ہمارے یہاں کے قصے جن لچر اور خرافات مضامین پر مبنی ہیں محتاج بیان نہیں جن کے پڑھنے سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں اور بجائے اس کے کہ کوئی معلومات اُن کے پڑھنے سے بڑھیں یا کوئی اخلاقی یا تمدنی فائدہ حاصل ہو صریحاً مخرب عادات و اخلاق ہیں۔ امیر حمزہ کی داستان، فسانہ عجائب اور اس طرح کی کل تصانیف صرف مبالغہ کا ایک پہاڑ ہیں اور جو صفتیں کہ ایک ناول میں آج کل کے مذاق کے موافق مرغوب ہیں وہ سب ان میں سوائے عبارت آرائی کے مفقود ہیں۔

ہماری اردو زبان ہی نہیں بلکہ عربی و فارسی کا بھی یہی حال ہے عربی زبان میں تواریخ و تفاسیر تو بے شمار ہیں اور اشعار و قصائد بھی بے نظیر ہیں مگر قصہ کی کتابوں کے جگہ صرف ایسی کتابیں ملتی ہیں جیسے مقاماتِ حریری و مقامات بدلیعی عنترہ وغیرہ مگر اب اس طرف توجہہ ہو رہی ہے "دکونٹ دی مونٹی کرسٹو" کا ترجمہ عربی میں ہوا ہے اور میرا فضل حسین صاحب کے صاحبزادے نے "ماسٹر ان ریڈی کا ترجمہ انگریزی سے سلیس عربی میں کیا ہے۔

فارسی میں بھی اب نئی طرز کی کتابیں قصہ کی قسم سے لکھی جا رہی ہیں۔ اردو میں بھی بہت سے ترجمے انگریزی ناولوں کے ہو رہے ہیں، جیسے گولڈ اسمتھ کی "وکر آف ویک فیلڈ" کا ترجمہ۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ اردو زبان میں اکثر ایسی ہی کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں جن کو خود معزز انگریز پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ کاش ایسی کتابوں کا ترجمہ ہو جیسے "ڈیوڈ کاپر فیلڈ" ہے۔ البتہ اردو میں مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کی کتابیں قابل تعریف ہیں "مزاج دار بہو" سے سب گھروں کی بہو بیٹیاں واقف ہیں ماما عظمت کے ہتکنڈے کس کو نہیں رجھاتے مثلاً بیچارے بہ سبب ترس کھاتے ہیں۔

برخلاف ہماری ایشیائی زبانوں کے یوروپین زبانوں نے اس فن کو کمال پر پہنچا دیا ہے انگریزی ناول ایک خزانۂ بے بہا ہیں اور کل علوم و فنون کا معدن جن کے پڑھنے سے نہ صرف علمی بلکہ اخلاقی فائدہ بے شمار ہے اور دلچسپ پیرایہ میں ہونے کی وجہہ سے ان کا پڑھنا بھی بار خاطر نہیں گزرتا۔

اسکاٹس کے ناول مڈل ایجز کی تاریخ سے بڑھ کر کام دیتے ہیں اور اس زمانے کا ایک سچا فوٹو ہیں جس سے وہاں کی طرز معاشرت، رسومات، توہمات و تعصبات کل چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔ ڈکنس تھیکرے، لارڈ لٹن، سب اپنے اپنے رنگ میں نرالے ہیں۔ اور اس فن کے ماہر ہیں جن کے مقابلہ میں ہم اپنی زبان میں کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔

یہہ مرد ناولسٹ ہیں مگر عورتوں میں بھی دیکھئے تو بعض ایسی ہیں کہ مردوں کو بھی مات کردیا ہے اوراگرچہ وہ دوسری قوم کی ہیں مگر بوجہہ ہم جنسیت ہم کو بھی ان کے کمال پر فخر کرنے کا موقع ہے۔ مثلاً وہ فاضل بے بدل جس کا لوہا مرد مصنف باکمال بھی مانتے ہیں یعنی جارج الیٹ جن کی تصانیف انگلش لٹریچر کا ایک بے بہا خزانہ ہیں۔ اور جن کی ہر کتاب ایک گوہر نایاب ہے رامبولاکے تے ناول کی مصنفہ ایک عورت ہے جس کی عظمت وشان کے آگے عقل حیران رہ جاتی ہے اوراسکے آگے ناول نویسی کے ماہروں کو بھی سر تسلیم خم کرنا ہوتا ہے۔

اسی طرح برٹ اسیمر مسز ہمفری وارڈ کی کتاب ہوش ربا ہے جس کی جادو بیانی نکتہ سنجی اور دوربینی قابل تحسین ہے۔

شارلٹ برانٹی بھی اس مندر کی ایک تیسری دیوی ہیں جن کی نفس روح بخش نے جین آیر اور شرلی میں روح پھونکی ہے اور ایک جادو کا پتلا ایسا بناکر کھڑا کردیا ہے کہ انسان کے جذبات کا ڈھانچہ نظر آجاتا ہے اور بے اختیار زبان سے مرحبا نکلی جاتا ہے۔

یہہ کس قدر ہمارے لئے خوشی کا موقع ہے کہ پردہ نشین بی بیاں بھی اس میدان میں قدم رکھیں اور قصہ کے پیرایہ میں اپنے ابنائے جنس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں

اس موقع پر ہم سب مسز ہمایون مرزا کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی توجہہ اس کار خیر کی طرف مبذول رکھیں گی۔

مصیبت زدگانِ طغیانی

مصیبت زدگانِ طغیانی کی امداد میں بمقام بلگرامی ہوس ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا اسی سلسلہ میں یہ تقریر مرحومہ نے کی تھی (۱۹۰۸ء)

جناب صدر صاحبہ انجمن و دیگر حاضرین!

آج جس غرض سے میں نے آپ حضرات کو اس ماہِ صیام میں زحمت دی ہے وہ میرے نیاز نامہ سے آپ کو معلوم ہو چکی ہوگی۔ اس لئے اس کے اعادہ کی اس وقت ضرورت نہیں۔

میری معزز بہنو! وہ محشر انگیز ستم جو رودِ موسیٰ کے سیلاب نے ہم لوگوں کے پیارے وطن حیدرآباد پر ڈھایا بعض خصوصیات و حالات کے لحاظ سے تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فلکِ کج رفتار کے ہاتھوں بڑی بڑی قومیں اور دنیا کے عظیم الشان طبقے چشم زدن میں تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں، اس سے کس کو انکار ہے کہ قومِ لوط بیک وقت غارت کردی گئی۔ طبقۂ یونان آناً فاناً غرق ہو گیا کوہ آتش فشاں نے شہر پومپیائی کو آنِ واحد میں خاک سیاہ کردیا۔ شہر جاوا ابھی ایک جوالا مکھی پہاڑی کی بدولت تاراج ہوا تھا۔ غرض آسمانی آفتوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی کبھی زلزلوں نے شہر فنا و برباد کردئیے سیلاب نے بھی بڑے بڑے شہر ویران و بے چراغ کر دئیے۔ جونپور اور مچھلی بندر کا سیلاب تاریخ ہند کے صفحوں میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا

مگر ۲۳ آبان ۱۳۱۷ف کی شب میں کو حیدرآباد کے خوش و خرم باشندوں کو جس ناگہانی سیلاب کا سامنا کرنا پڑا وہ درحقیقت ایک بے مثال قہرِ خدا تھا۔ حضرت نوحؑ کے طوفان نے ساری دنیا کو غرقاب کردیا۔ مگر

جس صورت کی غارت گری حیدرآباد کو نصیب ہوئی وہ کچھ اور ہی چیز تھی۔

حضرت نوح کے طوفان کے بعد یہ نہیں ہوا تھا کہ بیچاری دکھیاری مائیں نمناک آنکھیں اور غم دیدہ دل لئے ہوئے اپنے اکلوتے بچوں کی لاشیں اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر میں ڈھونڈھتی پھرتی ہوں نہ یہ ہوا تھا کہ کم بخت غمزدہ بہنیں اپنے چہیتے بھائیوں کی میتیں ریت اور مٹی کے تودوں میں تلاش کرتی ہوں نہ یہ کسی نے دیکھا تھا کہ دلدادہ شوہر اپنی پیاری بیبیوں کے جسد کی تلاش میں گرے ہوئے مکانوں کی کڑیاں اور شہتیر، دیوانہ وار حالت میں الگ کر رہے ہوں اور وفادار بیبیاں اپنے بچھڑے شوہروں کی سوگواری میں دنیا کو آتشِ دوزخ سے بدتر سمجھ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہوں۔ یہ بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ کوئی بلا نصیب، کسی عزیز کی لاش عبرتناک حالت میں پاکر سکتہ کے عالم میں کاٹھ بن گیا ہو یہ جگر خراش منظر بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ ننھے ننھے معصوم بچے اپنے والدین کی تلاش میں سرگرداں و پریشاں گلی کوچوں میں بلکتے پھرتے ہوں۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا بے خانماں ہوکر ایک لقمۂ نان کے لئے دربدر مارے پھرتے ہوں

وہ پری پیکر شہر جو نین ہفتوں کے پہلے ہند میں "عروس البلاد" مشہور تھا آج اس کی نوچی کھسوٹی حالت کسی اہلِ دل سے دیکھی نہیں جاتی۔ جن مقامات پر خوشنما اور سر بفلک عمارتیں کھڑی نظر آتی تھیں آج وہاں اینٹوں اور پتھروں کے تودے اور انبار دکھائی دیتے ہیں۔ جن سڑکوں پر وہ چہل پہل تھی کہ راتیں شب برات معلوم ہوتی تھیں وہاں وہ ہُو کا عالم ہے کہ پناہ بخدا! وہ محل سرائیں جو عشرت کدہ تھیں اب عبرت کدہ بن گئی ہیں اور زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں :۔

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں مٹا ہوا سا نشان سر مزار ہوں میں

وہ گنجان بسے ہوئے محلے جو رونقِ حیدرآباد تھے کفِ دست میدان بن گئے ہیں جن پر نظر پڑنے سے دل ہل جاتا ہے،

ہجہ متہ کو آتا ہے۔ میرے قلم میں یہہ قدرت کہاں جو تباہ شدہ مقامات کی اصلی حالت کا سچا منظر دکھائے۔ ں کے لئے اعلیٰ درجے کے مصور کے پنسل اور باکمال شاعر کے قلم کی ضرورت ہے۔

یں اب کہاں تک مرثیہ خوانی کروں۔ حاضرین اکتا گئے ہوں گے۔ خلاصہ یہہ ہے کہ حیدرآباد کی اہی بڑی سخت اور اندوہناک ہے۔ آزمائش انسانی ہمدردی کا اس سے بڑھ کر اور کون موقع ہو سکتا ہے؟ صوصاً ہوا خواہانِ ملک کے لئے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست … در پریشان حالی و درماندگی

یکن زبانی جمع خرچ بنانے اور سوکھی ہمدردی جتانے سے اِس وقت کام نہیں چلتا اور نہ اس سے سچی حب الوطنی اور ا پرستی ثابت ہو سکتی ہے۔ حیدرآباد کے باشندے ہیں، کیا عورت کیا مرد، اگر ذرا بھی انسانیت ہے تو ان پر اپنے ائے ولی نعم کی خوشنودی اور اپنے تباہی زدہ بھائی بہنوں کی دستگیری لازم و واجب ہے۔ پس جان توڑ کے ایسی اد اور کوشش کریں کہ شہر از سر نو خوبصورتی و استواری کے ساتھ جلد آباد ہو اور رعایا سرسبز ہو، تاکہ غم غلط ہو اور ہمارے عایا پرور، عدل گستر، ہر دلعزیز، بادشاہ کا دل شاد ہو اور چار دانگ عالم میں ہماری حب الوطنی اور لیاقت کا ڈنکا جے۔ بیش قرار آمدنی والوں کو چاہئے کہ کم سے کم پانچواں حصہ اپنی ماہانہ آمدنی میں سے آبادیٔ شہر کے لئے تا تکمیل بادی وقف کر دیں۔

میری معزز بہنو! ہر انسان کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کے ساتھ زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ ں وقت کے مصیبت زدہ اشخاص تین ہفتے پیشتر کن خوشگوار حالتوں میں پر لطف زندگی بسر کر رہے تھے۔ ور آج ان کی بے انتہا تکالیف کا اندازہ کرنا محال ہے۔ پس بخیالِ خوفِ خدا اور لازمۂ ہمدردیِ انسانی، اِن صیبت زدوں کی امداد جس طرح اور جہاں تک ممکن ہو کرنی چاہئے۔ خوفِ خدا عجب چیز ہے۔ جب ہم لوگ اس کو

فراموش کر بیٹھے تو دنیا کی بداعمالیوں میں گرفتار ہو گئے جس کا نتیجہ یہہ بھگتنا پڑا کہ قہر خدا بشکلِ طغیانی نازل ہوا ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو　　　گندم از گندم بروید جو ز جو

یہہ طغیانی نہ تھی تنبیہ الغافلین تھی۔ آئندہ کے لئے ہم کو ہوشیار ہو جانا چاہئے بقولِ سعدی علیہ الرحمۃ

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر　　　زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

جہاں تک ممکن ہو نیکی کرنی چاہئے۔ اس سے بہتر اور کیا نیکی ہو گی کہ ہم لوگ اپنی مصیبت زدہ قوم کے کام آئیں۔

آج یہہ جلسہ اِسی غرض سے میں نے منعقد کیا ہے کہ قوم و ملک کی امداد کی تدابیر پر غور کریں۔

کُل مہذب ممالک یعنی یورپ و امریکہ میں عورتوں کا طبقہ ایسے گاڑھے وقتوں میں سب سے پہلے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔ پس ہم لوگوں کو بھی بلحاظ خُذ ما صفا دعَ ما کدِر ان کی تقلید کرنا چاہئے۔

اب سوال یہہ ہے کہ کس طریقہ سے ہم لوگ اظہار ہمدردی کریں۔ میرے خیال ناقص میں یہہ بات آتی ہے کہ جس بہن سے جو ہو سکے خواہ زرِ نقد یا ملبوسات اس کار خیر میں دے۔

مصیبت زدگانِ حیدرآباد

"بغرض اظہار ہمدردی و برائے امداد مصیبت زدگانِ رود موسیٰ چند معزز خواتین شہر بروز شنبہ بتاریخ ۱۵ آذر ۱۳۱۸ف مطابق اکتوبر ۱۹۰۸ء ہمایون مرزا صاحب بارسٹرایٹ لا کے مکان ہمایون منزل پر شام کے پانچ بجے جمع ہوئیں اور ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں حاضرین نے بالاتفاق بلا رسیدوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کی اور سب نے بخوشی چندہ دیا۔ مسز خدیو جنگ نے یہہ اسپیچ نہایت صاف و پُر درد لہجہ میں بیان فرمائی"۔ مشیر دکن ۵ شوال ۱۳۲۶ھ

یا الٰہی یہہ مینہہ ہے یا طوفاں — غرق ہونے لگا تمام جہاں

ہر طرف سوجھتا ہے عالم آب — آب پر ہے جہان مثل حباب

کوئی دن مینہ کی جو یہہ شدت ہے — سارا عالم غریق آفت ہے

خانماں سب کے ہو گئے مسمار — کشتیوں پر سبھوں کا ہے گھر بار

اے میری عزیز بہنو! اے میری خدا ترس رحمدل سخی بہنو! رود موسیٰ کی طغیانی نے چشم زدن میں حیدرآباد عروس البلاد فرخندہ بنیاد کے گلزار نسخنہ کو الٹ کر خشت و خاشاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اس پیارے شہر کو جس کی محبت ہمارے رگ رگ میں بسی ہوئی ہے اور جس کی واہ واہ شہروں شہروں میں ہو رہی ہے کس کی نظر بد نے اثر کیا۔ جو خوش نصیب ندی کے کنارہ سے دور رہتے تھے ان کو اس روز کی آفت کی کچھ خبر نہ تھی جس دن رود موسیٰ اژدہا بن کر اپنے اطراف و جوانب کے محلوں کو نگل رہی تھی ہر تڑاقے اور آواز کے ساتھ

کسی عزیز یا دوست کا مکان مسمار ہو رہا تھا۔ مائیں بچوں اور بچے ماؤں سے بچھڑے ہوئے تھے۔ پردہ دار بے پردہ پھر رہے تھے۔ کہیں جائے پناہ نہ ملتی تھی۔ اُس طرف کے رہنے والے جو بلائے ناگہانی میں پھنسے ہوئے تھے انھیں کے دل اس روز کی مصیبت سے کچھ خوب واقف ہیں "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"۔ جب کہ ایک آن واحد میں مفلس رہ گئے تمام عمر کی گرستی وہ بھی عسرت اور محنت کی جوڑی ہوئی چشم زدن میں نیست و نابود ہو گئی۔ بعض باقی ماندہ ایسے بھی ہیں کہ حسرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی بہہ گئے ہوتے مفلسی سے بچتے بھلے آدمی ہیں کہیں مانگنے کو جا نہیں سکتے۔ عورتیں ہیں کہ آرزو کرتی ہیں اور کہتی ہیں کاش زمین کا پیوند ہو گئے ہوتے۔ آسمان کی جور و جفا سے تو ہمیشہ کے لئے نجات پا جاتے۔ مفلسی کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتے کہیں مانگنے جا نہیں سکتے کسی کو منہ دکھا نہیں سکتے۔ جھٹکے کا کرایہ تک میسر نہیں کہ کسی ہمدرد کمیٹی کے حضور میں حاضر ہو کر حالِ زار سنائیں۔ یا کسی کے گھر مدد مانگنے جائیں۔ اگرچہ سرکار فیض آثار کی طرف سے کوئی دقیقہ وارستگان کی مدد کا اٹھا نہیں رہا تاہم انسانی ہمدردی اس کی مقتضی ہے کہ ایسے موقع پر ہر فرد اپنا فرض ادا کرے اور اپنی ہمدردی کا اظہار کرے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مصیبت کے موقع پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشم مبارک سے اشک رواں ہوئے۔ اصحاب میں سے کسی نے پوچھا یا حضرت یہہ کیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ ھٰذہٖ رَحْمَۃٌ وَضَعَھَا اللّٰہُ فِی قلوبِ مَن شاء من عبادہٖ وَلا یرحم اللہ من عبادہ الا الرحماء۔ یعنی کسی کی مصیبت پر آبدیدہ ہونا یہہ بھی خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے جس کو وہ صرف اپنے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں جائے دیتا ہے اور خدا بھی صرف اپنے ایسے ہی بندوں کو لائق رحم سمجھتا ہے جو خود اپنے ابنائے جنس کی حالت پر ترس کھاتے ہیں۔ پس اے عصمت مآب و پردہ نشین خاتونو! ایسے موقع پر اظہار ہمدردی کرو جس سے یہہ ثابت ہو جائے کہ پردہ نشینی سے ہماری انسانیت و رحمت و ہمدردی میں

کچھ فرق نہیں آتا نہ ہماری روحانیت سلب ہو جاتی ہے اور نہ ہم کو عام خیال کے موافق پہائم محض بنا دیتی ہے اگر ایک ایک کرتا آپ سئیں تو کتنے کرتے سل جائیں اور کتنے ننگے بچوں کے تن ڈھپ جائیں۔ یہ یاد رہے کہ عید الفطر قریب ہے بہت سے عید منانے والوں کو تو موسی بہالے گئی اور باقی ماندہ بوجہ تہی دستی اپنے ننھے بچوں کا دل خوش کرنے سے محروم رہیں گے ہم سب اپنے اپنے بچوں کے کپڑے سی رہے ہیں اور وہ بیچارے جو ہر طرح سے ہمارے برابر ہیں منہ دیکھتے رہیں گے پس اگر آپ لوگ زحمت اٹھا کر کچھ سلائی غربا کے لئے سیئیں تو اس محنت کے اجر میں منعم حقیقی آپ کے ہاتھوں کی طاقت اور آنکھوں کے نور کو زیادہ کرے۔ ہر ٹیبہ جو آپ کسی غریب کے لئے خرچ کرتے ہیں خدا کے گھر اس کا دہ چند ثواب آپ کے لئے جمع ہوتا ہے۔ مَن جَاءَ بِالحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشرُ اَمثَالِھَا ذرہ برابر نیکی بھی برباد نہیں جاتی وَاِن کَانَ مِثقَالَ حَبَّۃٍ مِّن خَردَلٍ اَتَینَا بِھَا وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِینَ ہیں اب کہاں تک آپ کی سمع خراشی کروں صرف اتنا اور کہنا چاہتی ہوں کہ مسز ہمایوں مرزا کی ہمت کو میں صد آفرین کرتی ہوں کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے خیالوں کو بالائے طاق رکھ کر اس برے وقت میں غربا پروری کا طریقہ نکالا۔ میں حاضرین محفل کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ صاحبوں نے تشریف لا کر معزز پردہ نشین خواتین کے نام کو بے درد و بے حمیت ہونے کے عار سے بچا لیا بقول سعدی علیہ الرحمتہ۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

تو کز محنتِ دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی بنی آدم کو ایک دوسرے سے وہ تعلق ہے جو انسان کے جسم کے ہر عضو کو کل جسم کے ساتھ ہے اس لئے کہ

ان کی پیدائش ایک ہی جد سے ہے۔ جب اتفاقِ زمانہ سے کسی عضو میں انسان کے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو کل اعضا اور تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ اے انسان اگر تو دوسروں کی مصیبت و غم سے بے خبر ہے اور اس کی تکالیف سے تجھے تکلیف نہیں پہنچتی تو تو دائرہ انسانیت سے خارج ہے اور تجھ کو آدمی نہ کہنا چاہئیے پس اے عزیز بہنو میری یہہ دعا ہے کہ کل حاضرین مجلس کو اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اور ہمیشہ نیکی کی توفیق دے۔ اور ہمارے اس شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کو ہر آشوب و بلائے ناگہانی سے محفوظ و مصئون رکھے اور ہمارا کریم النفس شہر یار دریادل اپنی رعایا کے ساتھ شفقت پدری رکھنے والا بادشاہ فلک رفعت قمر طلعت خدا کا ابر رحمت ہے۔ بشر صورت ملک سیرت جو خود صانع کی قدرت ہے اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے ناخدا میر محبوب علی بادشاہ جو فرماتے ہیں۔

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے

جن کی ذات خجستہ صفات رحم پرور عدل گستر فی الحال اس مصرع کی مصداق ہے۔

گر نوح اس سفینہ پر تمہاری ذات ہے شاہا

اپنی رعایا کے سر پر سلامت رہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دعوتِ انجمنِ خواتینِ اسلام

حیدرآباد لیڈیز اسوسی ایشن کے قیام کے بعد مرحومہ نے ایک خالص اسلامی انجمن کے قیام کی تحریک کی جو کامیاب ہوئی اور اب تک یہہ انجمن موجود ہے۔ اس کے آغاز کے وقت حسب ذیل تقریر کی تھی۔

آج عید کا دن ہے اس لئے ہیں اس کو مبارک دن سمجھ کر آج انجمن خواتین اسلام کی طرف سے آپ سب کو دعوت دیتی ہوں اور اس کے عمدہ مقصد پر غور و فکر کرنے کی اور اس کو حتی الامکان پھیلانے کی رائے دیتی ہوں۔ انسان کی زندگی کئی قسموں پر منقسم ہے ایک تو اس کی جسمانی زندگی ہے جس کے نشو نما کے لئے اس کو غذا، ہوا اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تینوں چیزوں کے بغیر کوئی انسان جی نہیں سکتا اور ان تینوں کے مہیا کرنے کے لئے اپنی تمام قوت کو خرچ کرنا اور تلاش معاش میں اپنی کل عمر عزیز بسر کرتا ہے۔ مگر یہہ آپ خیال کیجئے کہ ہوا، غذا و پانی کی ضرورت صرف ہم کو نہیں بلکہ حیوان، چرند، پرند، درند سب کو ہے۔ اگر انسان بغیر اس کے جی نہیں سکتا تو یہہ کب جی سکتے ہیں، ہر جانور کی اسی میں کٹتی ہے کہ کیونکر وہ چارا تلاش کرے، چھوٹی چیونٹی سے لے کر شیر تک کی یہی حالت ہے پھر کونسی وہ چیز ہے جو انسان و حیوان کے درمیان ما بہ الافتراق ہوسکتی ہے۔ وہ میری عزیز بہنو ہماری روحانی زندگی ہے اس لئے انسان ذی روح کہلاتا ہے۔ کھانے سے جانور کو تشفی ہو جاتی ہے مگر انسان کو نہیں ہوتی۔ تمام خواہشات جسمانی کے پورا ہونے سے جانور خوش ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی۔ مگر انسان کے دل و دماغ میں خدا نے اپنی خواہش کو ودیعت کیا ہے اور روحانی جذبات کو بھی پیدا کر دیا ہے جو انسان اس ملک کی طرف توجہہ نہیں کرتے

وہ بہت جلد مثل بہائم کے ہو جاتے ہیں اور روحانیت ان کی روز بروز کم ہوتے ہوتے مفقود ہو جاتی ہے اور جو اس روحانیت کو بڑھاتے ہیں۔ وہ اہل شہود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ جیسا اس عارف کامل علیہ الف الف تحیۃ والسلام نے فرمایا۔ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً سنی۔ اگر مجھ میں اور ذات باری تعالیٰ میں جو پردہ حائل ہے وہ اٹھ بھی جائے تو میں اس کے جمال کو بچشم خود بھی مشاہدہ کر لوں تو میرا یقین جو اس وقت مجھے ہے بغیر اس کے مشاہدہ کئے ہوئے ایک ذرّہ برابر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ آج کل جہاں بہت سے اسباب دنیا کی لذتوں کے موجود اور مہیا ہیں۔ روحانی غذا کے طالب بہت کم نظر آتے ہیں۔ غذائے روح بھی ہم کو بغیر کوشش کے حاصل نہیں ہو سکتی علامہ بہاء الدین فرماتے ہیں جَهَدَ المرءُ فی الدُّنیا شَدِیدٌ ولیس ینال مِنها مَا یُرِیدُ فکیف ینال فی الاخرۃ مَرامَه و کم لجَهد لمطلبها قَلَامَه جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا جس کے حاصل کرنے پر انسان مرتا ہے مگر اپنے مطلب کا لاکھواں حصہ نہیں پاتا تو پھر آخرت میں کیا پا سکتا ہے جس کے لئے وہ شمہ برابر بھی کوشش نہیں کرتا علم و فضل کا اکتساب اگرچہ عمدہ چیز ہے مگر جب تک کہ اس کے ساتھ روحانیت نہو۔ ”چار پائے بروکتابے چند“ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ یا طوق زرین ہمہ در گردن خرمی بینم کا مصداق بنتا ہے۔ انسان جس وقت حرص دنیا میں پڑ جاتا ہے اور اس کا خیال شب و روز اس میں لگا رہتا ہے کہ کیونکر اپنی دولت کو بڑھاؤں کسی طرح خواہ سچ جھوٹ ریاکاری جس طرح ممکن ہو اپنی شان و شوکت کو بڑھاؤں تو اس کی روحانیت بالکل مفقود ہو جاتی ہے روحانیت کی قوت اسی وقت انسان حاصل کر سکتا ہے جب اس کے دل میں ہر وقت خدائے وحدہٗ لاشریک کا ڈر اور محبت سایر و وافر رہے اور وہ اپنے ابنائے جنس کے فائدہ کو بھی اپنا فائدہ سمجھے راست کردار اور راست گفتار رہے کسی کام کو اس نظر سے نہ دیکھے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ بلکہ

خدا کے نزدیک وہ امر مستحسن ہوگا۔ یا تبلیغ اور اپنی عمر کا کچھ حصہ للّٰہ کام کرنے میں صرف کرے اگریز بیبیوں کو دیکھئے کہ جن کی تقلید کے اس قدر ہم دلدادہ ہو رہے ہیں وہ امیر سے امیر اور معزز سے معزز کیوں نہ ہوں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ اپنے مذہب کے غربا کی بھلائی میں خرچ کرتی ہیں بیماروں کی غذا تیار کر کے خود ہی جاکر ان کو ہاتھوں سے کھلاتی ہیں اور ان کو انجیل پڑھ کر سناتی ہیں اور زرِ کثیر ان کی بہبودی میں خرچ کرتی ہیں۔ غربا کے جھونپڑوں میں جاتی ہیں اور تیمارداری کرتی ہیں۔ ہر نماز کے بعد گرجا میں تھیلی پھرائی جاتی ہے جس میں ہر شخص جو کچھ اس سے ہو سکے دیتا ہے اور یہ روپیہ غیر ممالک میں لوگوں کو عیسائی کرنے میں خرچ کیا جاتا ہے۔ زنانہ مشن کی کمیٹی کے لوگ سی پروکر سامان بھیجتے ہیں اس کا روپیہ ہندوستان کے لوگوں کے عیسائی کرنے میں خرچ کرتے ہیں علاوہ اس کے متمول لوگ آئے دن زرِ کثیر کا چندہ اسی کام کے لئے جمع کیا کرتے ہیں۔ اسی سال ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے چالیس ہزار مسلمان کو عیسائی کیا ہے اور بارہ لاکھ انجیلیں مسلمانوں میں مصر و بلادِ عثمانی وغیرہ میں تقسیم کی ہیں۔ یہاں جو لوگ ہیں وہ بھی اپنے وقت کو عمدہ کاموں میں خرچ کرتے ہیں غریبوں کو سینا پرونا پڑھنا سکھاتے ہیں۔ اور ان کے بچے بچے کا خیال رکھتے ہیں۔ اب بھٹکنے والے آباؤں کی حالت کی درستی کے لئے بڑا انتظام ہو رہا ہے۔ دو لڑکیاں جن سے میں واقف ہوں انھوں نے اچھی ماہواریں چھوڑ کر اپنے کو اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے کہ وہ پردہ نشین لوگوں کی حالت کو درست کریں۔ ہمارے مکان کے پیچھے جو بنگ من کرسچین اسوسی ایشن ہے اس میں گزشتہ ہفتہ ایک شخص ابٹ نامی نے لکچر دیا تھا اور پردہ نشین لوگوں کی ضروریات پر اپنے ہم مذہبوں کی توجہ کو مبذول کیا تھا اس انجمن نے جس کا نام "ینگ من کرسچین اسوسی ایشن" ہے عجب کمال کا کام کیا ہے جگہ جگہ پر ایسے مکانات ہیں جہاں ہر ہفتہ لکچر ہوا کرتے ہیں اور نیک ہدایت سامعین کو دی جاتی ہے اس کے علاوہ ان کے مکان دوسرے ریل اسٹیشن پر موجود ملیں

مثل بنلگری وغیرہ ۔ یوروپین لیڈیز نے ورک شاپ قائم کئے ہیں جہاں ان سے سینا سلوا کران کو مزدوری دی جاتی ہے تاکہ بھیک نہ مانگیں اور جس وقت یہہ سینے میں مشغول ہوتی ہیں ان کو انجیل پڑھا کر سنائی جاتی ہے میرا یہہ کہنا ہے کہ جب ہم ان کے تہذیب کے اس قدر دلدادہ ہیں تو ان کی اچھی باتیں کیوں نہیں سیکھتے ۔ بیدار مغز جفاکش غربا کے لئے ہر طرح مدد کرنے والے اور اپنے مذہب کی ہر طرح اشاعت کرنے والے کیوں نہیں بنتے؟ ہمارے غربا کی جو کس مپرسی کی حالت ہے اس سے سب واقف ہیں پھر کیوں ہم ایک ایسے انجمن کی ترقی کے خواہاں نہ ہوں جس کی بدولت ہم آپس میں ملیں بھی اور غربا کا بھی بھلا کریں ۔ ان کی تعلیم کے طرف توجہہ کریں اور چاہ ضلالت سے بچائیں ان کو مذہب سکھائیں ۔ ایک شخص کل بیان کر رہے تھے کہ ان کی بی بی بیمار تھیں اور ان کے علاج کے لئے وہ والٹیر گئے وہاں ان کی بی بی نے دیکھا کہ بہت سے لڑکے ہندؤں نے جو پتوں میں کھا کر پھینکا ہے اس کو چاٹ رہے ہیں جب انھوں نے ان سے جا کر پوچھا تمہارا نام کیا ہے تو کسی نے کہا محمد سالی کسی نے کہا علی اس سے یہہ سمجھیں کہ یہہ بچے مسلمان ہیں انھوں نے ان کو کپڑا منگا کر پہنایا کیونکہ وہ بالکل برہنہ تھے ۔ ایک دفعہ یہہ واقعہ انھوں نے بیان کیا کہ کسی خدمت گار نے ان سے کہا مجھ کو چھٹی دیجئے میں امام حسینؑ کی نذر کرنے جاتا ہوں ۔ انھوں نے کہا امام حسینؑ کون تھے ۔ اس نے کہا آپ کو معلوم ہے پھر کیوں پوچھتے ہیں ۔ تو اس پر انھوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ دیکھوں تم کو بھی معلوم ہے ۔ اس پر اس خدمت گار نے کہا امام حسینؑ اللہ ہیں ۔ یہاں بھی اکثر گاؤں کے مسلمان اور وھیڑوں میں فرق اتنا سا ہوتا ہے کہ ان کے مکان مٹی کے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے مکان پر چونے کا نشان ہوتا ہے حسنؑ حسینؑ کو "ہشتا" "اوشنا" کہتے ہیں ۔ ایک مولوی صاحب لمبے تھے وہ گاؤں میں آئے مسجد میں داخل ہوتے وقت ان کا سر مسجد کے دروازے سے لگ گیا ۔ ان کے بعد سے ہر شخص جو جاتا تھا اپنا سر دروازے سے لگا دیتا تھا اور

بچوں کو گودیں لے کر دروازے سے سر لگا دیتے تھے کہ اس جگہ مولوی صاحب کا سر لگ چکا تھا۔

اس سے آپ سمجھ سکتی ہیں کہ کس قدر یہہ امر ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ آپ کی رائے کے موافق دینیات کا مدرسہ بن گیا ہے اور غریبوں کی لڑکیاں اس میں شامل ہیں۔ جن کو سیپاروں کی ضرورت ہے اور اب تک تیس روپے بہم ہو چکے ہیں اس لئے کہ میری عزیز دوست رشید فاطمہؒ بیگم صاحبہ اور ان کی ساس نے چار روپے مہینہ کے حساب سے دو مہینے کے آٹھ روپے بھیجے ہیں اور میرے دس روپے اور جناب مجل خداداد بیگ صاحب کے پانچ روپے اور ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کی بیگم صاحبہ کے سات روپے ملا کر تیس روپے ہوئے جن میں سے استانی کی تنخواہ پانچ روپے گئی۔ کتابیں آئی نہیں اب منگوائی جائیں گی، سر آدم جی پیر بھائی کی بیوہ کے لئے بھی ایک تار تعزیت بھیجا گیا جس میں دس آنے کمپنی خرچ ہوئے۔

اب ایک دفعہ پھر میں اس انجمن کے مقاصد کو بیان کر دیتی ہوں۔ کہ اس میں سوائے مسلمان ممبروں کے کوئی نہیں شامل ہوگا اس کا روپیہ غربا کی تعلیم میں خرچ ہوگا۔ اس کی انجمن مہینے میں دو دفعہ ملے گی۔ ہر ممبر کا فرض ہوگا کہ اس پاک انجمن میں داخل ہو کر اس بات کا قصد کرے کہ ہر مسلمان خواہ وہ کسی ملک کا ہو۔ ہندوستان۔ لکھنو۔ حیدر آباد۔ ترکستان۔ قسطنطنیہ۔ کابل۔ مراکو۔ طرابلس کا وہ ہمارا بھائی ہے۔

پراگندہ ہے گرچہ عالم میں سارا نیلے آسماں کے ہے کنبہ ہمارا

مسلمانوں کا کوئی وطن نہیں سب ایک ہیں ہم لوگوں کو سب کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو مسلمان بنایا اور دین برحق ہم کو سکھایا خدا اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت ہمارے دل میں دے اور ہماری عمر کو نیک کاموں میں خرچ کروائے۔ اور آپس میں اتفاق و اتحاد بڑھائے اور یہہ سال ہمارا خیر و خوبی سے گزرے اور آئندہ سال ہم سب پھر ایسی ہی ہنسی خوشی سے ملیں۔ آمین ثم آمین

امداد خواجہ کمال الدّینؒ

خواجہ صاحب کے مشن کی امداد کے لئے مرحومہ نے یہہ تقریر غالباً ۱۹۱۴ء کے آغاز میں کی تھی اور کافی روپیہ جمع کر کے روانہ کیا تھا۔

پیاری بہنو!

مجھے آپ سب سے پہلا سوال یہہ کرنا ہے کہ آیا آپ مسلمان ہیں یا نہیں۔ ذرا اس سوال کا جواب بعد غور کے دیجئے۔ غالباً یہہ سوال آپ کو بہت ناگوار ہوگا۔ اور اس بات پر غصہ آئیگا کہ کوئی آپ کے مذہب میں شک کرے۔ اور آپ سب کہیں گی "الحمد اللہ ہم مسلمان ہیں"۔ مگر میری پیاری بہنو! اس بات پر غور فرمائیے کہ اسلام ہمارا اب کس قدر باقی رہ گیا ہے اور کن باتوں پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ اور دراصل کیا تھا اور کیا رہ گیا ہے۔ اب تو وہ "مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب" کا مصداق ہے۔ دیہات اور گاؤں میں میں نے سنا ہے مسلمانوں اور غیر اقوام کی یہہ پہچان ہے کہ مسلمان اپنے مکان پر چونا پھیرتے ہیں۔ اور غیر مسلم ویسے ہی رہنے دیتے ہیں۔ اور یہی دونوں میں مابہ الافتراق ہے۔ اسی طرح جو زیادہ شائستہ ہیں ان کے طریق لباس کے فرق سے اسلام پایا جاتا ہے۔ چاہیئے تھا کہ اسلام کی پہچان اس چیز سے ہوتی کہ جہاں مسلمان ہوتے ایک دلی اور سچی اخوت اسلامی سے ان کے دل معمور ہوتے۔ اور ہر وقت اور ہر ساعت ان کو اپنے مذہب کی محبت اور عظمت پیش نظر رہتی۔ ہر وقت ان کو اپنے ہم مذہبوں کی بہبودی کا خیال رہتا مگر صد ہزار افسوس ہے کہ ایسا نہیں بلکہ بدقسمتی سے اس کے برعکس ہے۔ بہت کم مسلمان ایسے ہیں جن کے دل میں

اپنے مذہب کا سچا جوش باقی ہے۔

اکثر تو ایسے ہیں جو اس آیۃ قرآنی کے مصداق ہیں:—

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

یعنی افسوس ہے ہر غیبت خور اور لگائی بجھائی کرنے والے پر جو چغلخوری پیشہ کرکے سرخرو بننا چاہتا ہے اور مال و دولت خوشی خوشی جمع کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا مال ومنال ہمیشہ رہے گا۔ اس کا خیال باطل ہے ہرگز ہرگز نہیں رہے گا۔ بلکہ آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ وہ آگ کیا ہے؟ اور کیسی ہے؟ وہ آگ ایسی ہے کہ لمبے لمبے کھمبوں کے درمیان میں جلتی ہے۔ اور اس میں جو پھینکے جاتے ہیں ان کے سینوں تک چڑھ آتی ہے

جس وقت کوئی مسلمان دوسرے کی برائی کرتا ہے اگر اس کو اس قدر قرآن کے احکام سے واقفیت ہوتی تو فوراً اس کی زبان رک جاتی اور اس کو اس آیت کا خیال آجاتا۔

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

یعنی اپنے بھائی کی غیبت مت کرو۔ کیا تم کو گوارا ہوگا کہ تم اپنے بھائی کا مردہ کھاؤ ہرگز نہیں۔ پھر اس کی غیبت بھی مت کرو کہ یہ اس کا مردہ کھانے کے برابر ہے۔

افسوس ہے کہ اسلام ہمارا صرف نام ہی کو رہ گیا ہے۔ اور ہم کو اپنے مذہب کی محبت کچھ بھی نہیں جس جگہ میں نے مسلمانوں کے دل کی حالت کو اسلام کے بارے میں دریافت کیا ہرگز مذہب کی محبت سے لبریز نہیں پایا۔ بلکہ میرے نزدیک انھوں نے سامری کی طرح ایک سونے کا گوسالہ اپنی پرستش کے لئے بنا لیا ہے اور جب کسی کار خیر کی طرف ان کو ترغیب دی جاتی ہے یا خدا کے وعدہ کو کارِ نیک کی راہ میں سرگرمی کی ہدایت کی جاتی ہے تو

سوائے اِس گوسالۂ زرّین کی بھائیں بھائیں کے اور کوئی آواز ان کے منہ سے اور دل سے نہیں نکلتی جس کسی سے اشاعتِ اسلام کے لئے کہا گیا، خواہ وہ پرانے زمانے کا ہو یا نئی روشنی کا، بلکہ زیادہ تر نئی روشنی کے پروردہ سے، ضرور یہہ جواب ملتا ہے کہ "میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں کیونکر اسلام کی مدد کر سکتی ہوں؟ میں کیا میری بساط کیا؟" نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے" مگر مجھے کامل یقین ہے کہ اگر طوطی ہمت کرکے بولے تو ضرور نقار خانے میں بھی کسی نہ کسی کے کان میں اس کی آواز ضرور پڑ جائے گی اور اپنا اثر دکھا کے رہے گی۔ ہماری مغربی یعنی یوروپین تقلید عجب قسم کی ہے کہ ہم نے کُل ان کے دکھاؤ کی باتیں سیکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ذرا سے پھول پنکھڑی کی تصویر کھینچ لینا، ایک چھوٹی سی غزل گا لینا، پیانو پر ذرا گانا سنا لینا، دو باتیں انگریزی میں کر لینا، اسی پر ہماری نئی تعلیم اور تہذیب کا دار و مدار ہے۔ گویا حقیقی نیکی اور خوبی جو مغربی قوم میں بھری ہوئی ہے اُس کو ہم نہ دیکھ سکے نہ سیکھ سکے۔ ایک ذرا سی بات لے لیجئے۔ یعنی مذہبی پاس اور اس کی اشاعت کا خیال باوجود عام بے تعصبی کے دعوے کے کس قدر ان میں بھرا ہوا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی ہم میں نہیں۔ سچ ہے ہماری وہ مثل ہے کہ "زاغ روشِ کبک دری نی آموخت"

جو صاحب اخبارات کا ملاحظہ کرتے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ اس سال کی رپورٹ میں لکھا ہوا ہے کہ صرف دہلی اور اطراف کے چند شہروں میں باوجود ہزاروں عیسائیوں کی تعداد کے بیس لاکھ ایسے ہیں کہ اس مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ بارہ لاکھ انجیلیں اس سال ممالکِ اسلام میں تقسیم ہوئی ہیں اور مشنریوں کی تعداد لاکھوں ہے جو بڑی تنخواہ پاتے ہیں اور ان کے آرام و آسائش اور ان کے بچوں کی تعلیم کی فکر وہی لوگ رکھتے ہیں جو اُن کو مشنری کے کام پر ہندوستان، ایران، مصر، روم وغیرہ بھیجتے ہیں۔

اور ہم اپنے ایک اکلوتے مشنری کو جس نے اپنا ذاتی روپیہ کُل کا کُل اس کام میں خرچ کر دیا ہے

مدد کر کے یورپ میں نہیں رکھ سکتے۔ "ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا"۔

ایک غریب لڑکی جو بہت کم سن بیوہ ہے اور اپنی روٹی آپ کماتی ہے مجھ سے کہتی تھی کہ جب میں کہیں نوکر ہو جاتی ہوں تو اپنی پہلی تنخواہ اپنے گرجے کو دیتی ہوں۔ ایک دوسری بیوہ سے بیان کرتی تھی کہ ہماری ماں ہم کو میوہ کھانے سے روک دیتی ہیں اور اس بچنے کے میوہ کا روپیہ مشنری کام میں دے دیتی ہیں اور جب کوئی فقیر، عورت یا مرد ہمارے یہاں آتے ہیں تو ہماری ماں ان کو پاس بٹھا کر عیسائیت کی تعلیم کرتی ہیں اور انجیل کی آیتیں زبانی یاد کرواتی ہیں۔ میری ان بہنوں سے جو اشاعت اسلام سے بے پرواہ ہیں اور بری الذمہ ہونے کے لئے طوطی کی مثال دیتی ہیں یہ عرض ہے کہ اپنی حالت کو ان بہترین دین پرور خواتین کے طرز عمل سے ملائیں اور ان سے سبق سیکھیں۔ ایک پیانو بجانا نہ سیکھا نہ سہی۔ ایک گیت گانا نہ سیکھا نہ سہی ایسا نیا تہذیبی ملمع کچھ قابل وقعت نہیں۔ قابل وقعت صرف ہمارا سچا دل ہے جو ہمارے دین، ایمان اور ملت پر ہر طرح تصدق ہونے کو تیار رہے اور اس کی سچی محبت میں سرشار رہے۔ یہی وہ چیز ہو جس کے لئے ہم کو اپنی زندگی عزیز ہو اور اس کے بغیر ہم سب چیزوں کو ہیچ سمجھیں۔ ہر شخص اپنے امکان بھر کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ اگر ہر کوئی اپنے اوپر خدمت اسلام فرض کر لے تو جس قدر اس کے حقیقی امکان سے ممکن ہو کرے تو کس قدر ترقی ہو سکتی ہے۔ مثل مشہور ہے "قطرہ قطرہ بہم شود دریا"۔ یہ کہنا کہ مجھ سے کیا ہو سکتا ہے دلیل کم ہمتی اور کاہلی کی ہے۔ کسی کی کوشش خواہ وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو حقیر نہیں سمجھی جا سکتی۔ وہ ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے گیہوں کے ایک دانہ سے ایک درخت ہوتا ہے جس میں ہزاروں بالیاں لگتی ہیں اور ہزاروں گیہوں پیدا ہوتے ہیں۔ خود اسلام ہی کے پیرو اس زمانہ میں یہ کہہ سکتے ہیں:-

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا ۔۔۔ مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے　　　مٹنا نہیں ہے آساں نام و نشاں ہمارا

ایسے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس قبل کہاں تھے۔ صرف ایک شخص کی کوشش نے گڈریوں کو عالم کا سلطان بنا دیا۔
اس زمانہ کی حالت کو غور کیجئے۔ اس زمانے میں جب محمد ابن عبداللہ پیدا ہوئے عرب کی کیا حالت تھی؟
لڑکیاں زندہ گاڑی جاتی تھیں۔ ان بے گناہ معصوموں کو زندہ تہہ خاک ہونے سے کس نے بچایا؟ کس نے
جاہل عربوں سے یہ سوال کیا کہ اذا الموودۃ سئلت بای ذنب قتلت تو تم کیا جواب دو گے؟

زمانۂ جاہلیت کی تاریکی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نہ تمدن تھا نہ تہذیب قبیلہ قبیلہ کا دشمن تھا۔
رات دن لڑائی رہتی تھی۔ اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔ عورتوں اور مردوں کے عادات و اطوار
خراب تھے۔ اس حالت کو عرب کی، خوب غور کیجئے اور اس جہالت کے زمانہ سے اس دوسری حالت کا مقابلہ
کیجئے جو ایک شخص کے مبارک وجود سے پیدا ہو گئی اور ایسا چراغ ہدایت حضرت نے روشن کیا کہ تمام
یورپ کا سویلائیزیشن (تمدن) جس پر ان کو اس قدر فخر ہے اسی چراغ ہدایت کا ایک شمۂ نور ہے۔
مگر افسوس ہے کہ جس چراغ سے ظلمات برو بحر نے روشنی حاصل کی وہ خود اب جھلملا رہا ہے۔ اس کا تیل اب
قریب الختم ہے اور اس کے پجاری جن کا دماغ کسی زمانہ میں توحید کے نشہ سے پُر تھا اور جن کا دل مذہب
کی محبت سے لبریز تھا اب خود غرضی کے خمار میں مخمور ہیں اور یسقون فی قلوبھم العجل کا مصداق
بن رہے ہیں۔ انسان کی ذات اور اس کی ہستی نقش برآب بلکہ خیال و خواب ہے۔ اس کو کوئی فخر ذاتی
دنیا میں حاصل کرنے کی مہلت نہیں ہے۔ ہر انسان کا سچا فخر اس کی قوم و ملت کی عزت و حالت پر
منحصر ہے۔ اگر ہم ان میں ہیں جو قوم و ملت سے بے پروا، جہالت میں غرق، تکبر ظاہری اور تنفر باطنی
کے دلدادہ ہیں تو کوئی ذاتی شہرت اور نام آوری ہم کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ کسی شخص کی ذات ابد الآباد تک

قائم نہیں رہ سکتی۔ مگر اُس کا مذہب اور اس کی قوم البتہ دنیا میں باقی رہ سکتی ہے۔ اِس لئے ہر ذی فہم خدا پرست انسان کی سچی خوشی اور فخر اپنے مذہب اور قوم کے فروغ دینے میں ہونا چاہیئے۔ اسلام کو کسی ملک کی سرزمین کے ساتھ خصوصیت نہیں۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہمارا مقدس مذہب ہی ایک چیز ہمارے پاس ایسی ہے جس نے ہم کو ایک کر رکھا ہے۔ اور وہی حبل اللہ ایک ہماری ایسی ڈوری ہے جس نے ہم سب کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ اور یہہ کہنے کا مصداق بنایا ہے کہ۔

پراگندہ ہے گرچہ عالم میں سارا   تلے آسماں کے ہے کنبہ ہمارا

کوئی تعلیم و تربیت مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ انسان کے دل میں حبِ قوم و ملت نہ پیدا کرے ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔ واصبحتم بنعمتہ اِخواناً سب فرقوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ہو جائیں تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بینا و بینکم ہم سب کو روش لآ اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ پر جو کل دنیا کے مسلمانوں کا کلمہ اور دین کا جزو اعظم ہے اجتماع کر کے اس کو بدرقہ، عصا اور زادِ راہ بنانا چاہئے اور اس کے پھیلانے میں اور اس کی عظمت کے بڑھانے میں ہم کو ایک دل اور ایک زبان ہو کر کوشش کرنا چاہیئے

غیر مذہب والوں کی حالت پر غور کیجئے کہ اِس کام کے لئے دامے درمے کسی طرح انھیں دریغ نہیں بلکہ جان و دل اِس کارِ خیر کی نذر کر دیتے ہیں دور دراز کا سفر اختیار کر کے، بچوّں بالوں کو چھوڑ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ انگلستان کی ایک خاتون نے اپنا کُل روپیہ اپنے وصیت نامے میں چین کے لوگوں میں عیسائیت پھیلانے کے لئے وقف کر دیا۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو۔

اس سخاوت و ہمت کی داد دیئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ مگر ساتھ ہی یہہ صدمہ ضرور ہوتا ہے کہ ہم اپنے مذہب کی، اور ایسے مذہب کی تبلیغ میں ذرا بھی کوشش نہیں کرتے جس کا سمجھنا اور جس پر عمل کرنا اس قدر آسان ہے جیسے قانونِ قدرت پر عمل درآمد کرنا۔

اسلام کی جو یہہ حالت ہو رہی ہے کہ ادبار کی گھٹا اس پر چھائی ہوئی ہے یہہ بہت بڑی حد تک ہماری غفلت و بے توجہی کا نتیجہ، پاداش اور سزا ہے ہم نے اس مذہب کی کما حقہٗ قدر نہیں کی جس نے ہم کو حیوان سے انسان بنایا اور گڈریوں کو عالم کا سلطان بنایا۔

آپ کو اخبار کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہو گا کہ ایک صاحب جن کا اسم گرامی خواجہ کمال الدین ہے، اپنا ذاتی روپیہ لے کر تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان گئے تھے۔ وہاں سارا روپیہ اپنا انھوں نے اس کام میں خرچ کر دیا۔ ان کے کام کا جاری رہنا ہماری ہمت پر موقوف ہے۔ اگر اس وقت میں ہم اپنی جبلی لاپروائی کو طاق پر رکھ کر پوری ہمت اور یک جہتی سے ان صاحب کی مدد نہ کریں گے تو ایک بہت بڑی منفعت اور نعمت کو جو خدا نے ہمارے ہاتھ کے اس قدر پاس لا کر رکھ دی ہے ہمیشہ کے لئے کھو دیں گے، دوبارہ ایسا لائق صاحب ہمت، جفاکش، نفس کش، ہمہ تن عاشقِ اسلام، اس کام کے لئے ہمیں نصیب نہ ہو گا۔ بلاد مغربیہ جہاں کے لوگ تہذیب کے چراغ ہیں، کل مذاہب کی حقیقت سے واقف ہیں، اور اچھے برے کی تمیز رکھتے ہیں، ان کو کوئی معمولی شخص قائل باسلام نہیں کر سکتا۔ اس کام کے لئے خواجہ صاحب کا ایسا شخص چاہئے۔ ہم سب مسلمانوں کو خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور ان کے دم کو غنیمت سمجھ کر فوری امداد کرنا چاہئے ورنہ وہی خدانخواستہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود" کی مثل ہو گی جو قریب ہمارے سب کاموں کی مثل ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب موصوف کی بدولت آج لارڈ ہڈلے جیسا باوقار نواب ہمارا ہم مذہب اور برادرِ اسلامی ہے اور کئی صاحبِ جاہ و وجاہت لوگوں کو صاحبِ موصوف نے مسلمان کیا ہے ان میں ایک مس صاحبہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے خواجہ صاحب کو دیکھا نہ تھا صرف اُن کے تحریرات کو ریویو میں دیکھ کر مسلمان ہوگئیں اور اب ان کا اسلامی نام فاطمہ ہے اس محترم، صاحبِ ہمت خاتون نے اپنے ہونے والے شوہر سے قطع تعلق کر لیا اِس لئے کہ وہ راغب بہ اسلام نہ تھا۔

پس آپ لوگ غور فرمائیے کہ ایسے لوگ جن کو اپنے دل پر وہ قابو حاصل ہے کہ دنیا کی محبت اور دولت سے اپنے نئے مذہب کی خاطر سے منہ موڑلیں اور کسی کی لعنت و ملامت کی کچھ پروا نہ کریں تو ایسے لوگوں کے صفِ اسلام میں داخل ہونے سے ہم کو کیسی قوت ہوسکتی ہے۔ ہم میں کہاں اب ایسی ہمت باقی رہی۔ ہماری کُل خوبیاں تو اب قصہ کہانیاں ہوگئیں دولت و ثروت کے ساتھ وہ بھی چل بسیں اور ہمارا ساتھ چھوڑ گئیں۔ ہم کو تو اب نون، تیل، لکڑی، کی پڑی رہتی ہے۔ اور رات دن اِسی کی فکر ہے کہ کہیں اسلام کا ساتھ دینے میں ہماری نون، تیل، لکڑی کی مقدار میں فرق نہ آجائے۔ ہم نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں اور نفع ڈھونڈنے میں ان کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہہ نہیں خیال کرتے کہ سب اسی کے یدِ قدرت میں ہے۔ اگر وہی دے تو ہم پائیں گے ورنہ ہیچ۔

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر۔ وھو علی کل شئ قدیر۔

یہہ جرأت اور خلوصِ نیت اب تو مغربی لوگوں ہی کا حصہ ہے۔ جیسے ہماری نئی بہن مس اِنسم

جن کا میں نے ذکر کیا جو اب فاطمہ کے نام سے موسوم ہیں۔ شاباش! کیوں نہ ہو قابلِ تعریف و فخر لڑکی جس نے اپنی دنیوی محبت اور عیش کو مذہب کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ یہ کہنا اگرچہ سخت کلمہ ہے مگر میں کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ہم اپنی سو روپے کی خاطر سے اسلام کے حق میں کلمۂ حق کہنے سے بھی پس و پیش کریں گے۔ یہی فرق ہے ہمارے اور اُن کے درمیان۔

اب ایک اور بی بی کا حال سنئے۔ انھوں نے بھی خواجہ صاحب کی ہدایت سے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اِن خاتون محترمہ کا نام مسز ابراہیم ہے۔ انھوں نے مجھے ایک خط انگلستان سے بھیجا ہے۔ اس میں لکھتی ہیں کہ میری طرف سے میری کل مسلمہ بہنوں کو پیغام دے دیجئے کہ اگر اس وقت وہ خواجہ صاحب کی مدد نہ کر سکیں تو ان کے مذہب کی سُبکی کا باعث ہوگا۔ اِن خاتون کا خط میں بجنسہٖ آپ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتی ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی سرگرمی اپنے مذہب میں کہاں تک ہے۔ اور کہاں تک ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔ مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ اسلام کی آئندہ کی بہبودی اس پر موقوف ہے کہ روشن خیال اور تہذیب یافتہ لوگ اس کو قبول کریں۔ جیسے جاپانی اور یورپین لوگ ہیں جاپان میں بھی ایک مقدس مولوی جن کا نام برکت اللہ صاحب ہے اشاعتِ اسلام کر رہے ہیں اور انھوں نے ایک خاندان کو حلقۂ اسلام میں شامل کر لیا ہے اور اب وہ ایک اسلامیہ کالج وہاں قائم کرنے والے ہیں۔ دراصل اسلام ایسا مذہب ہے جو مغربی لوگوں کے مناسب ہے اِن کی حق بین آنکھیں جب اسلام کے سچے چہرہ کو دیکھیں گی تو ضرور اس پر عاشق ہو جائیں گی مگر ابھی تو اس چہرۂ منور پر ایک کالا پردہ پڑا ہوا ہے جو تعصبانہ دروغ بافی نے ڈال رکھا ہے۔ اور

دوسرے غیر اسلامی رویہ نے اِس پردہ کو اور سخت کر دیا ہے۔ اب اس پردہ کو اسلام کے چہرۂ زیبا سے دور کرنا انشاء اللہ خواجہ صاحب کا کام ہوگا اور وہ اِس حق کو ادا کریں گے بشرطیکہ ہم بھی اُن کا ہاتھ بٹائیں۔ دراصل جس طرح مسلمانوں کو علم و حکمت اور فنون حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ہمارے حق میں ہمارے حکیم نے آگے ہی سے کہہ رکھا ہے کہ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اسی طرح میں کہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ الاسلام ضالۃ المغرب ہے اور جب وہ اسلام کو پائیں گے تو ان کا عروج تہذیب اس وقت نصف النہار پر پہنچ جائے گا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کا دل خوش کن مژدہ ان کو اس وقت سنائی دے گا۔

پس اے میری عزیز بہنو! اسلام کی طرف توجہ کرو۔ اس کی مدد میں کمر ہمت چست کرو اور اس کی عظمت کو اپنی عظمت سمجھو۔ اس کے اوامر پر عمل کرو اور اس کے نواہی سے کوسوں دور بھاگو۔ اشاعتِ اسلام میں جو غفلت ہمارے ہم مذہبوں نے کی ہے اس کے قبیح نتائج بیان کئے جائیں تو ایک دفتر ہوگا اب میں اسی پر ختم کرتی ہوں۔ اور آپ لوگوں سے استدعا کرتی ہوں کہ خواجہ صاحب کے ساتھ ہم نوا ہو کر اُن کے یہہ اشعار پڑھئے۔

اے قومِ من بیا کہ زمین آسمان کنیم	وز نورِ دینِ پاک منور جہاں کنیم
خیزید اے یلاں! کہ نہ ایں وقتِ خفتن است	چوں اہلِ عزم ہمت خود را جواں کنیم
غفلت ہلاکت است کہ ایں وقتِ کار شد	تا کے بہ قیل و قال چنین و چناں کنیم
موسیٰ صفت بہ قوتِ ایماں عصا زنیم	از سنگ بستہ چشمہ صافی رواں کنیم
از آبِ چشم و آہِ سحرگاہ چوں خلیل	ایں آتشِ فرنگ بہ نشکلِ جہاں کنیم

اشاعتِ اسلام یورپ میں

ایڈیٹر صاحبہ "شریف بی بی" کے ایک مضمون کے جواب میں جس میں اس نے خواجہ صاحب کے اسلام کو غیر حقیقی اور غلط اسلام بتلاکر عام مسلمانوں کو ان کے مقدس کام میں چندہ دینے سے روکا تھا یہہ خط مدیر ہمدرد کے نام لکھا گیا۔

سنہ ۱۹۱۴ء

بخدمت ایڈیٹر صاحب۔

جناب من! ان چند سطور کو اگر آپ اپنے گراں قدر حق گو وحق پرست پرچہ ہمدرد میں جو اسم بامسمیٰ ہے جگہ دیں تو میں نہایت خوش ہوں گی۔

اخبار شریف بی بی میں انجمن خواتین اسلام حیدرآباد دکن کی اس ہمدردانہ کاروائی کا تحسین آمیز تذکرہ پڑھ کر جو انھوں نے لینیر باغ میں جلسہ منعقد کرکے اشاعتِ اسلام کے لئے روپیہ جمع کرنے میں ظاہر کی تھی، بہت مسرت حاصل ہوی۔ ہمارے ملک کے اور حصوں میں بھی یہہ کارِ خیر بہ نظرِ استحسان دیکھا گیا۔ اور ہم کو امید ہے کہ بہت جلد اس کا اتباع بھی کیا جائے گا یعنی ہر مقام کی خواتین اپنے مذہب کی اشاعت میں کما حقہٗ سرگرمی ظاہر کرکے فرزندِ کور کے لئے

ایک عمدہ مثال قائم کریں گی۔ مگر یہہ مسرت مبدل بہ ملال ہوگئی جب ان بے موقع سطور پر نظر پڑی

"لیکن حیدرآباد کی بہنوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب کے پیر حکیم مولوی نورالدین صاحب مرحوم عام اہل الرائے کو اپنا سا مسلمان نہیں کہتے تھے۔ اور خواجہ صاحب کا عام مسلمانوں سے چندہ لینا ناپسند کرتے تھے۔ پس بہنوں کو اس کا ضرور انتظام کرنا چاہئے کہ جو روپیہ دیں وہ سچے اسلام کی اشاعت میں خرچ ہو۔"

ان الفاظ کے نظر سے گزرتے ہی ایک تعجب و افسوس کا عالم دل پر چھا گیا اور بے ساختہ منہ سے نکلا کہ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

حکیم نورالدین صاحب مرحوم و مغفور ایک بڑے عالم باعمل تھے جو سب مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ انھوں نے خواجہ صاحب کو غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور وہ اُن کو بھی مسلمان سمجھتے تھے۔ انھوں نے خواجہ صاحب کو کسی کا روپیہ لینے سے منع نہیں فرمایا البتہ حکیم صاحب نے اپنے ایک خط میں جو پیغام صلح میں بھی شائع ہوا تھا۔ خواجہ صاحب کو ہندوستان آنے اور چندہ جمع کرنے کے خلاف رائے دی تھی اور یہہ ایسی رائے ہے۔ کہ اس میں ان کے کل بہی خواہ متفق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کاش کہ ہماری محترمہ بہن نے جہاں یہہ نصیحت کی تھی۔ کہ ہم اپنے چندہ کو سچے اسلام کی اشاعت میں خرچ کریں اس کے ساتھ ہی ہماری ہدایت کے لئے سچے اسلام کی بھی تصریح فرمادتیں۔ کہ شیعوں میں ہے یا سنیوں میں، احمدیوں میں یا غیر احمدیوں میں۔ مقلدین میں یا غیر مقلدین میں یا دراصل یہہ عنقا صفت ہوگیا ہے اور صرف نام ہی نام وہ گیا ہے اور اسلام مسلماناں درگور و مسلمانی درکتاب

کی نوبت آئی ہے۔

جنگ ہفتاد و دوملت ہمہ را عذر بنہ　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیعہ سینوں کو اور سنی شیعہ کو حق پر نہیں سمجھتے۔ پھر اگر بے چارے احمدی بھائیوں نے بھی دونوں کو باطل پر سمجھا، تو کونسی نئی بات کی اگر ہماری معزز ایڈیٹرس مجھ سے سچے اسلام کی تعریف سننا چاہتی ہیں تو میں بلا تامل کہتی ہوں کہ سچے مسلمان لارڈ ہیڈلے اور وہ سب یورپین ہیں جنھوں نے اب اسلام اختیار کیا ہے اور انہی کا مذہب پاک اور سچا اسلام ہے اور اس قسم کا مذہب ہے جو آنحضرت صلعم کے شروع زمانہ میں تھا۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو موجود ہیں۔ جیسی مس لنی رینیم جس نے اپنے عاشق اور ہونے والے شوہر سے اسلام کی خاطر منہ موڑ لیا اور اس دین کی محبت کو جس کو وہ حق سمجھتی تھی کل دنیوی منفعت و محبت پر ترجیح دی یا وہ سچے مسلمان ہیں جن کو برکت صاحب نے خالصۃً للہ اپنی عمر کو وقفِ راہِ خدا کر کے دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔ جیسے حسن حنا تو جو اپنی کوشش کو تمام و کمال اسلام کی رونق و عزت کے برقرار رکھنے میں خرچ کرتا ہے۔ اور کوئی دنیوی خطرہ اس کو صراطِ مستقیم سے منحرف نہیں کرتا۔

پس فرمائیے کہ سچے مسلمان یہ صاحب ہمت ہیں یا ہم جنھیں اسلام فروشی میں عار نہیں ہم دین و مذہب کو علانیہ اپنے چھوٹے سے چھوٹے نفع پر ترجیح نہیں دیتے خیال فرمائیے اور اعتراف کیجئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کوئی مرد و زن مسلمانوں میں ایسا ہوتا جو بطیب خاطر انجمن خدامِ کعبہ کا رکن نہ ہو گیا ہوتا؟

فتوئے کفر جاری کرنے کی جو کہئے۔ تو ہم کسی کے کافر کہنے سے کافر نہیں ہو جاتے نہ
کسی کے مسلمان نہ سمجھنے سے اسلام کے دائرے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی پرواہی کیا۔
کوئی ہم رومن کیتھولک تو ہیں نہیں۔ کہ کسی پوپ کے ماتحت ہوں اور جب پوپ صاحب کے
جی میں آئے ہم کو بنچوں باہر کردیں اور کافر ٹھہرا دیں۔ یا ایھا الذین امنو تعالوا الی کلمۃ سواء
بینا و بینکم۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہنے والے سب مسلمان ہیں اور ایک دوسرے
کے بھائی ہیں اس کے سوا جو جزوی تفریق ہے۔ وہ ہر شخص کی ذاتی رائے پر مبنی ہے
اس سے دوسرے کو بحث نہ ہونی چاہیے۔

میں اپنی کل مسلمان بہنوں اور خصوصاً ایڈیٹر صاحبہ "شریف بی بی" سے ملتجی ہوں۔ کہ وہ
اس تفریق کی بیخ کنی میں سعی کریں اور اس اخوت اسلامی کو جو کبھی ہمارا حصہ تھی پھر جگائیں۔

یہہ قوم و ملت کا حق اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں پر ہے کہ وہ اپنے نیک دل،
پاک خیالات اور سچی محبت کے برقی اثر سے صدہا سال کی جاہلانہ تعصب کی بیڑیوں اور بندوں
کو توڑ دیں۔ اور انہی کے نازک ہاتھ اس کام کے اہل ہیں کہ تفریق کے خاروں کو جو قوم کے پودوں
کے نشو ونما میں سدِ راہ ہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں اور صلح و محبت کا فرشتہ بن کر یک جہتی
کی روح قوم میں پھونک دیں۔

اپنے مذہب وملت کی سچی محبت چاہئیے کہ ہم کو اس کام پر آمادہ کر دے ورنہ
نصیب دشمناں وہ دن دور نہیں جب ہم ان تفرقوں کے ہاتھوں مٹیں گے اور گھر پھونک کر
تماشا دیکھیں گے۔

نظرِ حق بیں و گوشِ ہوش شنوا رکھنے والے غور فرمائیں۔ کہ اگر کسی نے جماعت احمدیہ میں سے کوئی کلمہ نازیبا عام مسلمانوں کی نسبت کہا ہو تو اس میں خواجہ صاحب کا کیا قصور ہے وہ خود تو یہہ اعتقاد نہیں رکھتے اور ہر شخص اپنے ہی اعتقاد کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ خواجہ صاحب تو ایسے پکے اور سچے مسلمان اور اپنے مذہب کی محبت میں اِس طرح سرشار ہیں کہ دل سے بے ساختہ یہہ کلمہ نکلتا ہے کہ کاش دو تین سو ہی مسلمان ایسے اور ہوتے۔ وہ سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور کسی ذاتی فخر و مباہات کے خواہاں نہیں۔ اور کوئی منصف مزاج مسلمان ان کے مذہبی جوش کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے ایسی راہ میں قدم رکھا جس پر چلنے کی کسی اور کو جرأت نہ ہوئی۔ اور ایسے کام کو جس کے شیدائی اسلام مدت سے متمنی تھے مگر اکان کے احاطہ سے خارج تصور کرتے تھے کر دکھایا۔ پس کیا ایسا شخص جس نے اپنی جان و مال سب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وقف کر دیا ہو، اِس قابل نہیں کہ ہم اس کی عظیم خدمت کا احساس کرکے اس کی قدر دانی کا پورا ثبوت دیں۔ مگر نہیں ہم ایسا نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں اِس لئے کہ کسی کی خوبی اور قابلیت کا احساس کرنا زندہ دل قوموں کا حصہ ہے جن میں اب ہمارا شمار نہیں یہہ بھی ایک علامت ہماری قوم کے روز افزوں ادبار کی ہے۔ کہ ہم کبھی کسی موقع کو غنیمت نہیں سمجھتے نہ کسی ایسے شخص کی قدر کرتے ہیں جو ہمارے لئے اپنی جان و مال کو وقف کر دیتا ہے بلکہ الٹا اس کے سدِ راہ بنتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں

یہہ شومئی قسمت کی ایک دلیل ہے کہ ہم کو اپنی بھلائی برائی نہیں سوجھتی اور نہ اپنے خیر خواہ و بدخواہ میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ ہمارے نفس میں سوائے خود پرستی کے کسی چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتا ہے۔

کل حمد و ثنا کا سزاوار ہر شخص اپنے ماسوا کسی کو نہیں سمجھتا جہاں کسی شخص نے کوئی کارنمایاں کیا یا ہمت مردانہ کی داد دی، خلوص نیت سے قوم و دین کی بھلائی چاہی تو خود ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اگر کسی اور قوم میں کوئی شخص ایسا کام کرتا جیسا خواجہ صاحب ہمارے لئے کر رہے ہیں تو اس قوم کا چھوٹا بڑا ایسے شخص کو اپنے لئے سرمایۂ ناز سمجھتا اور اس کی مدد میں بدل و جان کوشاں ہوتا ہم کو مدیرہ "شریف بی بی" سے امید تھی کہ وہ اپنے اخبار کے صفحات کو اس کار خیر کی طرف توجہ دلانے کے لئے صرف کریں گی اور حیدر آباد فرخندہ بنیاد کی عالی ہمت خواتین کی مثال دے کر ہندستان کے دوسرے شہروں کی خواتین کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں گی۔ نہ کہ خود ہم کو بھی متنبہ کریں گی۔ کہ کہاں تک ایسے شخص کی مدد جائز ہے۔ جس کے فرقہ میں سے کسی نے مسلمانوں کو کافر کہا ہو مسلمانوں کا ایک دوسرے پر فتوئے تکفیر جاری کرنا کچھ نئی بات نہیں۔ شیعہ سنّی و دیگر فرقے آئے دن ایک دوسرے کو ایسے ہی دل خوش کن الفاظ سے یاد کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سکھایا تھا کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اس کی عمدہ نظیر قائم کرتے ہیں تو پھر کیوں فرقۂ احمدیہ سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے کو عام مسلمانوں کی روش سے بالاتر ثابت کریں۔ خواجہ صاحب کی مدد تو کسی کا کیا منہ ہے جو کرے گا۔ اور نہ وہ کسی سے مدد چاہتے ہیں۔ مقصد تو اشاعتِ اسلام میں مدد کرنا ہے اور جو کوئی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔ اور خود حسنات میں داخل ہوتا ہے اپنے پر خود احسان کرتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان خود اشاعتِ اسلام میں سدِ راہ بن رہے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قیامت ہے وہی گل کر رہے ہیں شمعِ مذہب کو
جو اپنے آپ کو اِس شمعِ کا پروانہ کہتے ہیں!
اکڑتے ہیں چلا کر گردنِ اسلام پر خنجر
مسلماں دیں کُشی کو ہمتِ مردانہ کہتے ہیں!
جب اپنوں کی یہ حالت ہے کہ بیگانوں سے بدتر ہیں
تو ان کا کیا گلہ کیجیے جنھیں بےگانہ کہتے ہیں
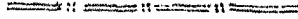
خط بہ مدیر "شریف بی بی"

یہہ خط غالباً ۱۹۱۴ء میں لکھا گیا تھا۔

جناب ہمشیرہ صاحبہ!

تسلیم! شریف بی بی میں آپ نے حیدرآباد کی انجمن خواتین اسلام کے جلسہ امدادی کے متعلق تعریف کے ساتھ جو تنقیہ کا کلمہ فرمایا تھا اس کا جواب میں نے دیا ہے امید ہے کہ آپ میری اس اظہار رائے سے خفا نہ ہوں گی اور برا نہ مانیں گی بلکہ مجھے تو ہی امید ہے کہ میرے ہی ہم خیال بن کر کل اسلام کو ایک سچا سمجھ کر اشاعت اسلام میں مدد فرمائیں گی اگر میری تمام دلیلیں اور معزباشی آپ کو میرے ہم خیال بنانے سے قاصر رہی تو آپ کی اسلامی ہمدردی سے مجھے یہہ امید ضرور ہے کہ آپ اس اسلام کو جس کو غالباً آپ سچّا اسلام کہتی ہیں اور جو نصف سے زیادہ ہندوستانی مسلمانوں کا مذہب ہے اس کی امداد کے لئے تو ضرور آمادہ ہو جائیں گی یعنی مولوی برکت اللہ صاحب کا اسلام جس کی تبلیغ وہ جاپان میں سات آٹھ سال سے کر رہے ہیں مگر بے زر ہونے کی وجہہ سے بے پر ہیں اور اپنے حسب دلخواہ ترقی نہیں کر سکتے ۔

مولوی برکت اللہ صاحب اپنے نامۂ گرامی میں جو میرے نام انہی دنوں جاپان سے آیا ہے فرماتے ہیں (ابھی ہمیں ایک جاپانی صاحب ایک قطعہ زمین دینے والے ہیں تاکہ ہم اس پر ایک مدرسہ بنا کر جاپانی غربا کے بچوں کو اسلامی تعلیم دیں (مجھے امید ہے کہ بارن ہیتلی ہمارے ساتھ اس مدرسۂ اسلامیہ کے متعلق سعی کریں گے) ہمیں ہندوستانی مسلمانوں سے بھی امید ہے کہ اس مدرسہ کے لئے معقول چندہ بھیجیں گے کیونکہ جاپان میں اسلام پھیل جانے سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو تقویت ہوگی

آپ ایک گراں قدر پرچہ کی ایڈیٹرس ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ اس اسلامی کام کے لئے موزوں ہیں بہ نسبت اور کسی شخص کے جو شریف بی بی جیسا ممتاز و موئد آلہ اپنے خیال کی تشہیر کے لئے نہ رکھتا ہو۔ وہ لوگ جو مذہب میں آپ کے ہم خیال ہیں اور خواجہ صاحب کی مدد کرنا نہیں چاہتے ان کے لئے یہہ ایک عمدہ راستہ کھلا ہوا ہے جس پر آپ کی رہبری بہت جلد ان کو جمع کرے گی اور جاپان میں اشاعت اسلام کی دل کھول کر مدد کریں گے وہ اپنی سچی اسلامی ہمدردی کا ثبوت دیں گے اور دامے، درمے، قلمے، سخنے اس قابل توجہ کام میں دریغ نہ کریں گے اور اپنی طبیعتوں کو اس عمارت کے مستحکم کرنے کی طرف آمادہ کریں گے جس کا سنگ بنیاد مولوی برکت اللہ صاحب نے رکھا ہے اور نہ اس عمارت کے مسمار کرنے میں جس کو خواجہ صاحب نے بنا کیا۔

بہن سچ تو یہہ ہے کہ بدبختی بھی کوئی چیز ہے اور ہمارے اس طرح گلے کا

ہار ہو رہی ہے کہ ہم ہزار اتار کر پھینکیں مگر کسی طرح دور نہیں ہوتی۔

ایسے نازک وقت میں لازم تھا کہ سب یک دل، یک زبان ہو کر اس شخص کا ساتھ دیتے جو اسلام کی روشنی کی چمک سے پہلے پہل یورپ کی ظلمت کو دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور مانا میں نے کہ اگر یہہ باچندیں وجوہ غیر ممکن بھی تھا تو کیا مصلحت وقت ایسے موقع پر سکوت اختیار کرنے میں نہ تھی۔ جب ایک عالی خاندان و معزز یورپ کا امیر اسلام کی تعریف میں کہتا ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس میں درحقیقت کوئی فرقہ بندی و اختلاف نہیں وہ کونسی چیز ہے جس نے ہماری آنکھوں پر یوں پردہ ڈال رکھا ہے اور "فی قلوبہم العجل" کا مصداق بنا رکھا ہے

اگر آپ جاپان میں اشاعت اسلام کی مدد کے لئے کمر ہمت چست کریں اور اپنے اخبار کے ذریعہ سے لوگوں کو اس طرف راغب کر کے چندہ کی فہرست کھولیں تو بڑا ہی کار خیر ہوگا زر کثیر آپ جمع کرلیں گی اور مولوی برکت اللہ صاحب کی مدد جس کے وہ مستحق ہیں فرمائیں گی اس کار خیر کی فہرست میں حصول ثواب کے لحاظ سے میں اپنا نام اس فہرست پر لکھے ہوئے دیکھنے کی متمنی ہوں اور چار گینی کا چندہ جاپان میں اسلامی اسکول کے لئے بھیجتی ہوں جس کا ذکر مولوی صاحب نے اپنے خط میں کیا ہے۔

Mohamad Barkatullah Esq

40 Daiachi Akasakc

Tokyo Japan

اشاعتِ اسلام انگلستان میں

اخبار "عصر جدید" کی تعریف سن کر اس کے دیکھنے کا شوق میرے بھی دل میں گدگدایا اور ذہن میں بھی یہی خیال آیا کہ جس رسالہ کا کاتب خواجہ غلام الثقلین کا سا قوم و ملت و مذہب کا بہی خواہ ہو ضرور اس کا رسالہ ایسے نادر و نفع بخش مضامین سے لبریز ہوگا جس کا نظارہ "نضرۃ النعیم" کا مصداق ہوگا۔ اس لئے ایک دوست سے جلد نمبر (۱۲) مورخہ ۲۳ر جولائی ۱۹۱۴ء کا پرچہ حاصل کر کے مطالعہ کے لئے پڑھا۔ پرچہ کھولتے ہی انگلستان میں اشاعتِ اسلام کے عنوان سے ایک مضمون پر نظر پڑی جس میں ناظم نظارۃ المعارف کی عمدہ اپیل جس میں صاحب موصوف نے انگلینڈ میں اشاعتِ اسلام کے لئے تحریک کی ہے اور اس خیر خواہانہ اپیل کی نور الہدیٰ نفیس دربھنگوی نے منتشر میں حسبِ عادتِ مسلمانانِ زمانہ نکتہ چینی کی ہے' کچھ الفاظ نگاہ سے گزرے واقعی مسلمانانِ ہندوستان کی دماغی روشنی اور جو تعلیم کا اثر ان میں ہوا ہے اور جو آئندہ ان سے امید کی جاتی ہے جس قدر محبتِ دین و پاسِ مذہب ان کے دل میں ہے اس کا عمدہ اور صحیح پیمانہ ہے "مضمون نگار صاحب ایسے اشاعتِ اسلام کو جس میں ایک مہذب و

آرام دہ ملک میں رہنے کا موقع مفت ملتا ہے" زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ یعنی مضمون نگار صاحب صرف ایسی ہی جگہ مفت اشاعت اسلام کے لئے رہنے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں گے جو آرام دہ اور مہذب نہ ہو یعنی یا تو صحرائے پُرخار افریقہ یا برفستان جنوبی و شمالی "پول"۔ یورپ کا ہر حصہ مہذب و آرام دہ ہے اور نیز جاپان اور چین کا بھی یہی حال ہے پس لیاقت کے ساتھ نکتہ چینی کرنے والے مضمون نگار نے ان ممالک کو حلقۂ اشاعت اسلام سے نکال دیا۔ اگر کوئی مبلغ اسلام کسی اسلامی انجمن کی طرف سے اخراجات پاکر ایسے ممالک میں رہے تو مضمون نگار اس کو زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ایک عمدہ جگہ سیر و تفریح حاصل کرنے کا مفت ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسی حالت میں زن و فرزند وطن و اقربا سے جدائی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مہذب و آرام دہ ملک میں مفت رہنا کافی ہے کل اقربا کی جدائی و جلاوطنی کا کافی معاوضہ ہو سکتا ہے۔ یہ لیاقت کے ساتھ نکتہ چینی کرنے والے صاحب شاید ہندوستان کو مہذب و آرام دہ ملک نہیں خیال کرتے۔ اور یہاں لاکھوں عیسائی مشنریوں کا مفت قیام بھی بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر یورپ و امریکہ کی دانا و بینا و تیز و روشن نگاہ اور مذہب و ملت کی شیدائی آنکھیں ہرگز اس قیام کو بے وقعتی سے نہیں دیکھتیں بلکہ نہایت احترام و عظمت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں کروڑوں کے صرف گوارا کرتی ہیں، اور کوڑیوں پر رونا نہیں روتیں۔

"وہ اُن لوگوں کو جو وہاں گئے ہیں اسلام سے زیادہ باخبر بھی نہیں سمجھتے"۔

یہہ بھی مرحبا کا مصداق ہے۔

معلوم نہیں کہ ان اصحاب کو جو وطن چھوڑ کر دین کی حمیّت میں اپنے کو عزیزوں سے جدا کر کے اعلان کلمتہ اللہ کے لئے سمندر پار گئے ہیں، مضمون نگار نے ان کی مذہبی معلومات کا امتحان لے لیا تھا جو اُن کی شان میں یہہ الفاظ منہ سے نکالنے کی جرأت کر بیٹھے اگر بغیر معلوم کئے ایسے الفاظ صاحب موصوف نے اُن راہ روانِ جادۂ ایمان کے بارے میں استعمال کئے ہیں تو انھوں نے بے شک خدا کے سب سے بڑے حکم "ظَنَّ الْمُومِنُونَ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا" کی عدول حکمی کی ہے۔ اور اس صورت میں اس تجویز کی سچائی اور ضرورت کا ضرور ثبوت دیا ہے کہ مسلمانوں کے عقائد میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح کرنا اور مسلمانوں کو سچے مسلمان باقی رکھنا ہزار گنا اچھا ہے اس سے کہ چند افراد کو محض فخر و مباہات کے لئے حلقۂ اسلام میں داخل کیا جائے۔ مگر اس کار خیر میں بھی وہی معقول و منطقی دلائل حائل ہو سکتے ہیں جن کو مضمون نگار کی باریک بیں نگاہ نے انگلینڈ میں اشاعت اسلام کی سدِّ راہ سمجھا ہے اور ایسے داعی الی الخیر ہندوستان کے آرام و مہذب ملک میں مفت رہنے سے وقعت کی نگاہوں سے دیکھنے کے قابل کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں بھی شبہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی بڑا طبقہ (اس زمانہ میں جب ہمارے پاس کافی سرمایہ اور اول درجے کے مشنری نہیں ہیں) سچے اسلام کی طرف راغب ہونے اور عقائد کی خرابیوں کو دور کرنے کو تیار ہے یا نہیں۔ نکتہ چیں سخن فہم نے اس جملہ کو لکھ کر کہ "چند افراد کو محض فخر و مباہات کے لئے حلقۂ اسلام میں

داخل کرلیا گیا ہے" اور ایک حکم الٰہی سے اعراض کیا ہے اور مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے کی ضرورت کا ایک دوسرا ثبوت دیا ہے صاحب موصوف نے کس بات سے یہہ ثابت کیا ہے کہ محض فخر و مباہات کے لئے چند افراد کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا گیا ہے" ؟ کیا یہہ چند افراد کوئی فقیر و مفلس تھے کہ کچھ روپیہ دے کر اسلام کا اقرار ان سے ظاہرا کروایا گیا ہے ؟ اور پھر اسے اخباروں میں چھاپ کر فخر و مباہات کی گئی ہے ؟ ان حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے افراد نے نکتہ چیں حضرت کو اپنا رازدار بنا کر اس راز کو انہی کے ایک گوش حق شنو میں پھونک دیا ہے کہ ہم کو فخر و مباہات کے لئے حلقۂ اسلام میں شامل کیا گیا ہے۔ پس اگر ایسا نہیں ہے اور راقم کو اس امر کا وثوق کے ساتھ کوئی علم نہیں تو اس کے ایک برادر مومن پر اتہام لگانا قابل معافی تصور نہیں کیا جاسکتا ؟

اگر مکہ معظمہ میں حضرت صلعم کے زمانہ میں اخباروں کا رواج ہوتا تو ضرور ابولہب کا مضمون بھی اسی طرح کا اس میں شایع ہوتا جس کا عنوان " اشاعت اسلام" ہوتا اور دراصل مضمون اس کا ضد ہوتا اور جس میں وہ یہہ لکھتا کہ محمد صلعم نے علی علیہ السلام کو ابوبکرؓ کو عمرؓ کو اور عثمانؓ کو حلقۂ اسلام میں محض فخر و مباہات کے لئے داخل کرلیا ہے اس سے بہت بہتر ہوتا کہ وہ لات و عزیٰ صفا و ہبل کی طرف مائل کرتے۔ اور ابوجہل اپنے پرچہ میں اس کے ہم نوا بن کر یوں نغمہ سنجی کرتے کہ محمد صلعم کی اپیل پر ابولہب نے نہایت لیاقت کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے۔ ہماری جو رائے اس معاملہ میں ہے ہم

اس کو کسی اور نمبر میں مفصل لکھیں گے۔ بالفعل یہہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہہ جدوجہد اور کسی طرف صرف کی جائے جو محمد اشاعتِ اسلام میں کر رہے ہیں تو بہتر ہوتا۔ دوسرے ہم کو شبہہ ہے کہ عرب کا کوئی بڑا طبقہ اس زمانہ میں اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہے۔ اگر ایسے واقعات جو بے لاگ آدمیوں سے معلوم ہوں، ہمارے اندیشہ کو باطل کردیں تو ہم نہایت خوشی سے بلادِ عرب میں اشاعتِ اسلام کی تائید کے لئے تیار ہوں گے مگر یہہ معاملہ بڑی بڑی دعوتوں اور دعووں اور دھوم دھام کے خطبوں اور کوہ صفا پر چڑھ کر معشر قریش سے خطاب کرنے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ خاموش محنت، علم الاصنام و علم الانساب سے اس کا جواب مل سکتا ہے اور بس۔

اس بات کے معلوم کرنے سے خوشی ہوئی کہ صاحب عصر جدید مسلموں کی تعداد کی اہمیت کا اقبال کرتے ہیں۔ ہزارہا روپیہ خرچ کرکے چند آدمیوں کو مسلمان بنانے کو بھی بہت اچھا فرماتے ہیں مگر پھر یہہ بھی سوال کرتے ہیں کہ آیا اس روپیہ کا اس صیغہ میں بہتر مصرف ممکن نہ تھا؟ کاش اس صیغہ میں اس سے بہتر مصرف کا ذکر بھی فرما دیتے تاکہ پڑھنے والوں کے دل اس چیتاں بوجھنے میں غلطاں و پیچاں نہ ہو جاتے اور حوصلہ مند دل اس صیغہ میں اس سے بہتر کام کی طرف فوراً رجوع ہو جاتے۔

اس میں بھی شبہہ بتاتے ہیں کہ انگلستان کا کوئی بڑا طبقہ اس زمانہ میں دراں حالے کہ ہمارے پاس کافی سرمایہ اور اول درجہ کے مشنری نہیں ہیں، اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہے اس مضمون سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس

کافی سرمایہ اور اول درجے کے مشنری ہوتے تو ایسی حالت و زمانہ میں انگلستان کا بڑا طبقہ اسلام میں داخل ہونے کو تیار ہو جاتا جو بہ غیاب ان ہر دو اشیاء تیار نہیں ہے یہہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ ہمارا سرمایہ اور ہمارے اول درجے کے مشنری انگلستان کے بڑے طبقہ کے خیالات میں کیونکر تبدل و تغیر پیدا کرتے اور کس طرح پر اُن کی موجودگی ہمارے پاس ان کو اسلام قبول کرنے پر تیار کر دیتی جو بوجہ نہ ہونے سرمائے کے اور بوجہ عدم موجودگی مشنری درجۂ اول ظہور میں نہیں آتی ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو کونسی شے ہمارے اسلام دوست بھائی کو کافی سرمائے کے مہیا کرنے کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھ رہی ہے؟ اول درجے کے مشنری وہ خود بن جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہندوستانی ہر ایک شخص سوا اپنے اور کسی کی خوبی دیکھنے سے معذور ہے دوسروں کو اول درجہ کا مشنری کبھی قرار دے ہی نہیں سکتے اور ''ہمچو من دیگرے نیست'' کی توہم اناولاغیری کو اپنے خیال سے دور نہیں کرسکتے۔ اس کار خیر کے لئے سرمایہ جمع کرنے میں سعی کرنے کے لئے بے لاگ آدمیوں کی شہادت کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے اور وہ کونسا اندیشہ ہے جس کو بے لاگ آدمیوں کی شہادت کی ضرورت ہے؟ اگر اندیشہ کا ذکر فرمایا ہوتا تو ایسے اشخاص باوقار جیسے محمد علی صاحب ایڈیٹر ''کامریڈ'' یا ظفر علی خاں صاحب ہیں جو انگلینڈ کی موجودہ مشنری کو ہر طرح لایق اور قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ اور ان کی سعی بلیغ کے سچے گواہ ہیں، اس اندیشہ کو صاحب عصر جدید کے دل سے وہ بخوبی رفع کر دے سکتے ہیں اگر ان ہر دو صاحبان کو بھی بے لاگ سمجھا جائے اور اگر یہہ خیال شروع سے اور بلاوجہ دل میں

ٹھان لیا گیا ہے کہ یہہ سب اصحاب ایک دوسرے کی سی کہتے ہیں اور بے لاگ نہیں سمجھے جاتے تو ایسے سوءظن کا علاج ہی نہیں۔

"یہہ معاملہ بڑے بڑے دعوؤں اور دھوم دھام کے خطوط سے حل نہ ہوگا"۔

یہہ تو ایک صریح حملہ خواجہ صاحب پر ہے ہمارے خواجہ صاحب نے اشاعتِ اسلام کا کام لندن میں کیا شروع کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنا دشمن ہی بنا لیا۔ معلوم نہیں جو عیسائی مشنری یہاں آئے ہیں (اور وہ کلیتہً دوسروں کے خرچ سے) وہ بھی تمام نصاریٰ کو اپنا ایسا ہی دشمن بنا لیتے ہیں اور اسی طرح نشانِ ملامت بنے رہتے ہیں جس طرح خواجہ صاحب بنے ہوئے ہیں یا نہیں۔ کوئی دھوم دھام کے خطوط اور بڑے بڑے دعوؤں کو بیکار بتاتا ہے کوئی مہذب و آرام دہ ملک میں اشاعتِ اسلام کے لئے سکونت پذیر ہونے کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتا کوئی اشاعتِ اسلام کا قائل ہی نہیں۔ موجودہ مسلمانوں کے عقائد کے درست کرنے اور ان کو سچے مسلمان ہی قائم رکھنے کی کوشش کی صلاح دیتا ہے۔ اِن مضامین کے پڑھنے سے اس امر میں تو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہہ صلاح نہایت صائب اور اشد ضروری ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اگر کوئی شخص اپنی عمر کو اسلام کی اشاعت میں ایک مہذب و آرام دہ ملک میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو کسی کا کیا بگڑتا ہے کہ اس شخص کی ذات پر خواہ مخواہ حملے کرکے داخلِ ثواب ہوتا رہے اور دھوم دھام کے خطوط اور بڑے بڑے دعوؤں پر اعتراض کیا کرے میری سمجھ میں نہیں آتا یہہ لکھنا کہ اِس چیز سے نہیں ہوتا اور اس چیز سے نہیں ہوتا وہ نسخہ

کیوں صاف صاف نہیں لکھ دیا جاتا جس سے ہوتا ہے؟ کیا سیمرغ کا انڈا کوہ قاف سے لانے سے ہوتا ہے یا حاتم بادگرد کی خبر لانے سے ہوتا ہے؟ مجھے خیال نہ رہا صاحب موصوف نے تو ترکیب یہاں پر صاف لکھ دی ہے۔ وہ یہہ ہے :-

بہت خاموش محنت، علم الاعداد اور علم النفس والقویٰ سے اس کا جواب مل سکتا ہے اور بس "یہہ عجیب جملہ ہے" "در وجد و حالت آر د پیران پارسا را" کا سزاوار ہے تین چیزیں بتائی گئی ہیں جن سے درست طریقہ پر اشاعت اسلام کا پتہ لگ سکتا ہے ولبس۔ ان کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں اور وہ کونسا طریقہ ہے ذرا غور سے سنئے۔ خاموش محنت نمبر اول یعنی جس میں دھوم دھام کے خطوط نہ لکھے جائیں اور بڑے بڑے دعوے نہ کئے جائیں۔ نہ ووکنگ جیسی خوشنما جگہ پر سکونت کی جائے بلکہ ایک وادیٔ پُر خار اور ریگستان گرم میں جہاں سے دھوم دھام کے خطوط گھر پہنچنے کا موقع تک نہ مل سکے ایسی جگہ پر ایک گم نامی کی حالت میں بالکل خاموش محنت کے ساتھ یعنی اگر کوئی اسلام قبول بھی کرے تو ہرگز اس کا ذکر لبوں سے باہر نہ نکالے تاکہ وطن کے خیر خواہ ملت و مذہب تک کہیں یہہ خبر اڑتے اڑتے نہ پہنچ جائے اور فخر و مباہات کا الزام بے چارے غریب خاموش محنت کے ساتھ کام کرنے والے کے سر نہ ڈال دیا جائے۔ نمبر دوم "علم الاعداد جس سے مراد غالباً STATISTICS ہو گی اس فن میں بھی مہارت حاصل کرے تاکہ نومسلموں کی تعداد کہیں ذہن سے نکل نہ جائے۔ نمبر سوم علم النفوس و القویٰ یا PSYCOLOGY سے بھی واقفیت ضروری بتائی گئی ہے۔ یعنی اس علم کی مدد سے

فوراً خاموش محنت سے کام کرنے والا مشنری اس شخص کو تاڑے گا جو اسلام کی طرف راغب ہو سکتا ہے۔ یہہ امرائس کے قیافہ اور سر کی ساخت ہی سے عیاں ہو جائے گا۔ خاموش محنت کرنے والے کو زیادہ لب جنبانی کی حاجت نہ ہوگی۔

ایک دفعہ پھر اس لطیف، پُر معنی، صاف، عمدہ جملہ کو دہرانا ضروری ہے شاید یہہ لاجواب نسخہ کہیں پڑھنے والوں کے ذہن سے نکل نہ گیا ہو" سن لیجئے صاحبو کہ اشاعت اسلام دھوم دھام کے خطوط اور بڑے بڑے دعووں سے نہیں ہوتی بلکہ خاموش محنت، علم الاعداد، علم النفس والقویٰ سے اس کا جواب مل سکتا ہے وبس

سبحان اللہ کیا خوب فرمایا ہے۔ اس جملہ سے دل میں بھی تصور آتا ہے کہ خاموش محنت علم النفس، علم القویٰ تین دیوتا ہیں جن کے گھر جا کے دستک دے کر اُن سے سوال کیا جاوے تو وہی اس کا جواب دے سکتے ہیں اور بس۔

گر مطرب حریفاں ایں پارسی بخواند　　در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

مگر شکر خدا کہ مولوی صاحب کم سے کم اس قدر اسلام کی مدد کرنے کو اب بھی تیار ہیں کہ بغیر بے لاگ آدمیوں کی تصدیق حاصل کئے بھی اس بات پر آمادہ ہیں کہ ایسے لوگوں کو جن کے پاس سرمایہ کافی و وافی ہے موجودہ تحریک اشاعت اسلام جو لندن میں ہو رہی ہے اس سے نہ روکیں اور یہہ زیادہ تر روپیہ خرچ کرنے والوں کی خاطر سے ہے اس لئے کہ ان کی سعی لاحاصل سے جو لطف ان کو حاصل ہو رہا ہے مولوی صاحب کی فراخ دلی گوارہ نہیں کرتی کہ اس سے ان کو روکا جائے ع آفریں بادبریں ہمت مردانۂ تو

اس طولانی مضمون کے ختم کرنے سے پہلے میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں ایک سچی بات کو پوشیدہ رکھوں اور اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے والے بھائیوں کے گوش گزار نہ کردوں ۔ اے میرے وہ عزیز بھائیو جن کا دل خدا کی محبت سے لبریز ہے ۔ اور اپنے مذہب و وطن کے سچے دوست ہیں ۔ اور جن کا دل کل تعصبات سے پاک اور کل جاہ و حشمت اور نام و نمود کی خواہش سے مبرا ہے اور جو اسلام کی سچی محبت و خیر خواہی سے کلام حق بلاد غربیہ، چین و جاپان میں پہنچانے کے لئے گئے ہیں یا جاتے ہیں ۔ یا وہ جو کعبہ کی خدمت گھر بیٹھے کرنے پر جان دے رہے ہیں آگاہ ہو جائیں کہ وہ اپنے کو جلتی ہوئی دو آگوں کے بیچ میں ڈال رہے ہیں جس کے شعلے اگر ان کو بالکل خاکستر نہ کر ڈالیں تو جھلس تو ضرور ہی دیں گے ۔ ایک تو وہ آگ ہے جو اُن بلاد کی راہ میں پادری وغیرہ کی طرف سے دہکائی جائے گی جہاں وہ اپنا نورِ ایمان چمکائے جاتے ہیں مگر اس آگ کے شعلے اس قدر بلند و خوفناک نہ ہوں گے جس قدر کہ اس دوسری آگ کے شعلے ہوں گے جو عزیز وطن میں ہم مذہب بھائی ان کے بھون ڈالنے کے لئے دہکا دیں گے ۔

یہہ ایسی آگ ہوگی کہ جس کے شعلے سمت در یا ر بھی لپک کر ان کے دامن تک پہنچ جائیں گے ۔ اس لئے کہ یہہ آگ ہیزم بغض و روغن حسد سے مشتعل کی گئی ہے اور ان کے شعلے ان آتش خیز اشیاء کی زیادتی سے شعلہائے دوزخ کی آتش حسد کو بھڑکا سکیں گے ۔ ان سے بچنا "خیال است و محال است و جنوں" ثابت ہوگا

پس اے داعیانِ اسلام و خیرخواہانِ ملت و قوم! قبل اِس وادیٔ پُرخار و خطر میں قدم بڑھانے کے اس امر پر غور فرما لیجئے کہ آیا آپ ان دکھ آگوں کی برداشت کر سکیں گے یا نہیں پھر اِس کارِ خیر کی طرف قدم بڑھائیے ۔

فضول رسموں سے احتراز

جب اہلِ اسلام ہندوستان آئے تو ہندوؤں سے سابقہ پڑا یہاں پہنچ کر مسلمانوں نے دعوتِ اسلام شروع کی اور خلق اللہ کو دائرہ اسلام میں لانے لگے بعض نے سکونت بھی یہیں کی اختیار کی۔ رفتہ رفتہ مسلمانانِ عرب و ہند کی ایک بہت بڑی جماعت ہندوستان میں آباد ہوگئی لیکن ہنوز اہلِ اسلام نے ہندوؤں کے رسم و رواج اختیار نہیں کئے تھے شہنشاہ اکبر کے وقت میں البتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا میل جول بڑھا۔ حتیٰ کہ خاندان شاہی میں دخترانِ راجگان کی شادیاں بھی ہوئیں۔

میرے خیال میں وہی وقت ہے جب کہ رسوم ہند داخل جلسۂ عقدِ مسلمانان ہوئیں، علماء بھی لاپروا ہوگئے انھوں نے یہ خیال کرکے کہ رسموں سے خطبۂ عقد و ایجاب و قبول وغیرہ میں کوئی ہرج نہیں واقع ہوتا رسوم کی کچھ بندش نہ کی۔

رفتہ رفتہ حالت یہ پہنچی کہ مسلمان مستورات رسوم کو شرع شریف پر ترجیح دینے لگیں۔ منجملہ بہت سے رسوم کے چند رسوم قبیح کا ذکر کرتی ہوں جن سے کہ بجز نقصانِ زر، اور تکلیف کے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

مثلاً قرض لے کر شادی کرنا کیا ضرور ہے۔ دولہا دلہن کو کنگنا باندھنا کیا فرض ہے۔ رت جگا کر کے کڑھائی وغیرہ کا نیک دینا کیا ضرور ہے مسند کے نیچے روپیہ رکھ کر نوکروں کو دینا کیا فرض ہے۔ جلوہ دے کر دلہن کا سر ہلانا اور اس ہلانے والی کو روپیہ دینا اور دلہا دلہن کے منہ دیکھتے وقت اس گانے والی کا منہ اندر کرنا اور پھر خوب دار پھیر کے روپیہ لینا کیا ضرور ہے۔ اگر کوئی بی بی شریف ہے اور زیور اس کے پاس کم ہے یا نہیں ہے تو کیا مضائقہ۔ زیور نہ ہونے کی وجہ سے کسی تقریب میں نہ جانا کیا عقل کی بات ہے۔

جب تک پازیب نہ ہوں محفل میں شریک نہ ہونا کیا عقل ہے۔ بھانڈوں اور رنڈیوں کو بلوانا کیا ضرور ہے اور بجز نقصان زر اور گناہ کے کیا حاصل۔ بیچاری لڑکی کو جب تک شادی نہ ہو گھر میں قید رکھنا اس کو صلاح و مشورہ کے قابل نہ سمجھنا کسی کام میں دخل نہ دینے دینا بے کار محض سمجھنا کیا عقل کی بات ہے۔ میں نے بچشم خود یہ رسمیں دیکھی ہیں سب خلاف شرع ہیں اور روپیہ برباد کراتی ہیں۔

ہندستان کے تمام اہل خاندان بی بیوں کو چاہئے کہ اصلاح خیالات اور اصلاح رسوم کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں۔

اے بہنو! سب کو ایک دل ہونا چاہئے اور آزادی سے اپنے خیالوں کو ظاہر کرنا چاہیئے۔ ہم سب کو حق حاصل ہے کہ اپنے خیالات ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کریں اور اس آزادی کی سب قدر کریں جو خدا نے ہر ایک انسان کو قدرتاً عطا کی ہے۔ اے پیاری بہنو! بری اور خلاف شرع رسموں کے چھوڑنے کی بہت زور سے کوشش کرنی چاہیئے۔ آج میری تقریر

صرف اِس بات پر ہے کہ ہم خیال کریں کہ ہم کو کونسی رسمیں ترک کرنی چاہئیں اور کونسی اختیار کرنی چاہئیں۔

غالباً بعض بی بیوں کو میری تحریر و تقریر سطحی اور اجنبی معلوم ہوگی مگر نہیں۔ خدا نے آپ کو دل دیا ہے اور دل بھی کیسا نیک، طبیعت دی ہے کیسی سلیم، تعلیم سے آراستہ کیا ہے۔ وہ کیسی تعلیم سے، نئی اور روشن زمانے کی تعلیم سے۔ کہ جو اوہام پرستیوں اور فضول خلاف شرع رسم و رواج کی کچھ بھی قدر کرنا نہیں سکھاتی۔

اس کا یہ اصول اور گولڈن رول ہے کہ تاریکی سے بچو اور روشنی کا راستہ اختیار کرو تو پھر میرے آج کے خیالات آپ کے سب کے خیالات سے کیسے ہی مختلف اور متغائر کیوں نہ ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ ان سے مکدر نہیں ہوں گی بلکہ ان کو غور سے سن کر مجھ کو میری لغزشوں سے مطلع کریں گی۔ اور جو فکر اس وقت مجھ کو لاحق ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے فکر کا انجام بخیر اور بہتر کرے نہ معلوم ہماری پیاری حاضرین بہنوں کے خیالات ہماری تقلید کرنے والے ہوں گے یا نہیں۔ یہ کچھ خبر نہیں کہ ان کے دل میں کیا سمایا ہوگا بہرحال جائے غور ہے ہمارے والدین اپنے فرائض سے ادا ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے ذمہ جو فرض ہیں اس کی ادائی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ بے شک ہم کو اپنی پرانی فضول رسوم ترک کروانے میں بہت کوشش کرنی پڑے گی۔ مگر ان رسوم کا توڑنا ہی ایک بہت بڑی بہادری کہی جا سکتی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم کہنے کو تو بہادر ہیں لیکن فی الحقیقت پرانے خیالات اور سوسائٹی کے برے رسم و رواج نے ہم کو ایسا بزدل بنا دیا ہے کہ ہم ایک قدم بھی اس کی متابعت سے نکال کر آگے کی طرف نہیں بڑھا سکتے۔ میری اس تمام پریشان تقریر کی بس یہی جان ہے اور یہی روح ہے جو میں آپ سب میں پھونکنا چاہتی ہوں کہ ہم سب کو اپنی اپنی برائی بھلائی پر غور کر کے

رسوم میں ترمیم کرنی چاہئے۔ پیاری بہنو! میں خوش ہوں اپنی اس جرات پر کہ جو آپ کی سب کی عنایت اور خداوند جل شانہٗ کے بھروسہ پر اور اپنی پیاری بہن صدر النساء بیگم صاحبہ کی مدد سے مجھ میں آ گئی ہے۔ میرے دل میں مدت سے یہ خیالات موجزن تھے الحمد للہ کہ آج ان کے اظہار کا موقع ملا اور اب میں اپنی ہر دل عزیز روشن دماغ بہنوں سے امید کرتی ہوں کہ وہ رسم و رواج کے ترک کرنے میں میری مدد کر کے اپنا فرض منصب ادا کریں گی۔

افسوس میری زبان میں نہ وہ اثر ہے نہ وہ لطف تقریر ہے جس سے محفل میں سماں باندھ دوں بہرحال اپنا فرض ادا کرتی ہوں۔ امید ہے کہ حاضرین جلسہ آفریں کریں گے حیدرآباد دکن میں بھی معزز اور لائق مسلمان اپنی قوم سے ان فضول رسوم کے ترک کروانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ ہماری بہن صدر النساء بیگم صاحبہ اس کوشش میں بہت مدد کرتی ہیں کہ شادی اصول شرع شریف کے مطابق کی جائے اور کوئی نامناسب رسم نہ ہوا کرے۔

خطبہ مدیر "معلم النسوان"

جناب مولوی صاحب

ان بہت سے گھروں ہیں جہاں آپ کا رسالہ فیض رساں معلم النسوان تقسیم ہوتا ہے ایک ہمارا بھی گھر ہے اور جیسا کہ بہت سے گھروں میں وہ ناقدری اور بے پرواہی سے ادہر ادہر ڈال دیا جاتا ہے ہمارا بھی گھر کل تک اس غلطی اور بے پرواہی ہیں شامل تھا اکثر متعصب اور ناحق شناس لوگوں کی زبانی اس رسالہ کی توہین اور توبیخ سننے ہیں آئی اور اس کے اثر سے میں نے ایسے بیش بہا جواہر کو پرانے کاغذ کی ٹوکری اور میزوں کے خانوں کے سپرد کر رکھا تھا۔ کل ہیں میز کے خانوں کے سامان کو سنوار کر رکھ رہی تھی کہ حسن اتفاق سے ایک رسالہ بابتہ ماہ رمضان المبارک میرے ہاتھ لگا ہیں اس کو لے کر پڑھنے بیٹھ گئی اس ہیں پہلی چیز جس پر میری نظر پڑی جواب رسالہ مراۃ السجاب تھا جس کے پڑھنے سے مجھے نہایت خوشی ہوئی اور اس وقت آپ کے قابل قدر رسالہ کی اصلی قدر مجھے معلوم ہوئی۔

آپ کے رسالہ معلم النسوان پر یہہ شعر صادق آتا ہے۔

فالعود لولم تفح منہ روائحہ　　لم یحصل فرق بین العود والحطب

اس کے پڑھنے سے اس کے جوہر ظاہر ہو جاتے ہیں کسی کی تعریف اور سفارش کی حاجت نہیں آپ کے جواب کی عقلی دلیل اور منطقی بحث اور انھیں کے مقولوں سے انھیں کو قائل کرنا اور عندالمباحثہ تہذیب کی دائرے سے قدم باہر نہ رکھنا اور آیات قرآن مجید اور احادیث نبوی کو ہر دلیل کے جواز میں پیش کرنا مجھے بہت بھلا معلوم ہوا۔

آپ نے دین اسلام کو ناسمجھ لوگوں کے طوفان وبہتان سے جس کی وجہ سے غیر مذہب والوں کو ہمارے پاک مذہب پر خندہ زنی کا موقع ملتا ہے خوب بچایا اور ان کے خفیف دعوے کہ جن سے ہمارے رہنمائے دین رسول مبین کی ذات مقدس پر پیچ خیالوں اور بدگمانیوں کا الزام لاحق ہوتا ہے خوبی کے ساتھ قوی دلائل سے رد کیا اور جمیع مسلمین کو اپنا ممنون بنایا اور اپنی بیان کی سادگی سے ہم ایسے ان پڑھوں کو بھی فیض پہنچایا۔

اصلاح معاشرت

(تقریر انجمن خواتین اسلام)

میں محل نواب مرزا کاظم علی صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے ایسا عمدہ مکان ہماری انجمن کے جلسوں کے لئے دیا اور خود شامل انجمن ہو کر اس کو رونق بخشی ۔ آپ نہ صرف برائے نام رکن انجمن ہیں بلکہ آپ کو اس کے مقاصد سے دلی ہمدردی ہے ۔ اور آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی برادری کی کل بیبیاں اس میں شامل ہوں اور اس کی کارروائی میں حصہ لیں ۔ آپ انجمن کے جلسوں کے لئے ایک مکان خیرت آباد میں بھی لینا چاہتی ہیں ! خدا آپ کو اس کار خیر کا صلہ عنایت فرمائے ۔ اور دوسری معزز خواتین کو بھی یہی حوصلہ عنایت کرے ۔ پانچ برس آگے جب اس جلسہ کی بناء کی گئی تھی اس وقت چند بیبیاں میرے غریب خانہ پر جمع ہوئی تھیں ۔ انھوں نے مقاصد انجمن کو بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اس کی ضرورت کو بھی تسلیم کیا ۔ مگر دعوے کے ساتھ یہہ بھی فرمایا کہ جناب ! چند جلسے آپ ہی شاید کریں تو کریں ورنہ یہہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ۔ مگر خدا کے فضل سے بیل منڈھے چڑھ بھی گئی اور اس میں خوش نما پھول پھل بھی نکل آئے ۔

حضرات ! دنیا کا یہی دستور رہا ہے ۔ جو کام نیک نیتی سے شروع کیا جاتا ہے جس کے

کرنے والے کو اپنا نام اور فخر و مباہات مقصود نہیں ہوتا، وہ کام ضرور کامیابی اور پائیداری کے ساتھ انجام پاتا ہے۔

اس کی ایک بڑی مثال خود ہمارے سرورِ کائنات ہیں۔ آپ ایسی حالت میں تولد ہوئے کہ سر پر باپ کا سایہ تک نہ تھا۔ پھر ابھی چھ برس کا سن شریف بھی نہ ہوا تھا کہ والدہ سے ہمیشہ کے لئے مفارقت ہوئی۔ دادا عبدالمطلب کی آغوشِ شفقت میں بھی زیادہ دن حضرتؐ رہنے نہ پائے تھے کہ انھوں نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ پھر اپنے چچا ابوطالب کے ظلِ عاطفت میں آئے۔ اسی طرح یتیمی کی حالت میں آپ نے پرورش پائی۔ یہاں تک کہ خدیجۃ الکبریٰ الصدیقۃ الطاہرہؓ سے آپ کا عقد ہوا۔ حضرت خدیجہؓ جیسی بی بی کا نمونہ کبھی میں نے خیالی کتابوں میں پڑھا ہے نہ کہیں اشعار میں دیکھا ہے۔ عمدہ ترین نمونہ بی بی کے لئے، زوجہ کے لئے، اور ماں کے لئے حضرت خدیجہؓ اور آپ کی حسین صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ ہمارے لئے ہمارے پیغمبرؐ کی زندگی میں ایک بہت بڑا نمونہ ہے۔ اور اہل بیتؓ کی زندگی میں ایک بہت بڑی نظیر قائم ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

جب حضرتؐ کی نبوت ہوئی تو آپ کو کافروں نے بہت تنگ کیا یہاں تک کہ حضرتؐ اپنے غلام زید کے ساتھ طائف چلے گئے۔ وہاں جاکر آپ نے وعظ کہنا شروع کیا۔ وہاں کے لوگوں نے وعظ سننا تو درکنار حضرتؐ کو پتھر سے مارا۔ پنڈلی مبارک مجروح ہوگئی۔ خون بہنے لگا زید، حضرتؐ کا ہاتھ پکڑ کر لے گئے ایک درخت کے نیچے ٹھیرے جہاں پر ایک کنواں تھا۔ حضرتؐ کو شدت کی پیاس تھی۔ چاہتے تھے کہ تھوڑا سا پانی پیئیں اور زخموں کو پانی سے دھوئیں

اس اثنا میں مالک آن پہنچا۔ اور اس نے کہا میرے کنوئیں کا پانی پینے سے پہلے مجھے یہہ بتاؤ کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ حضرتؐ نے بلا خوف وخطر کہہ دیا کہ میں محمد رسول اللہ ہوں اور خدا کو واحد و لاشریک جانتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ یہہ سن کر وہ کافر آگ ہوگیا اور "کہا کہ اب معلوم ہوگیا کہ آپ وہی ہیں جو ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں۔ میں تو تم کو پانی پینے نہ دوں گا تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

حضرتؐ نے پیاس کی شدت گوارا کی مگر غلط لفظ حضرتؐ کی زبان سے نہ نکلا۔ یہی صداقت تھی جس نے حضرتؐ کی شان میں خدا سے بھی یہہ کہلوالیا کہ لولاک لما خلقت الافلاک۔ اور یہی صداقت تھی جس نے آپؐ کو دین ودنیا کی بادشاہت عطا فرمائی۔ ما ودعك ربك وما قلی الم یجدك یتیما فاوی ووجدك عائلا فاغنی۔

ثابت قدمی، صداقت، استقلال کے ساتھ کامیابی کا راز پوشیدہ ہے بغیر اس کے کامیابی نہیں ہوسکتی۔

اگر ہمارے مذہب میں عورتوں کو ایک دوسرے سے ملنے یا سفر کرنے کی ممانعت ہوتی تو ہمارے ہادیٔ برحق ہم کو حج کی اجازت نہ دیتے حج جو فرض کیا گیا ہے۔ اس میں یہہ ایک بڑی بات رکھی گئی ہے کہ کل دنیا کے مسلمان ایک دوسرے سے ہر سال آن کر ملیں اور ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کریں۔ آپس میں محبت بڑھے اور تجارت کو بھی فروغ ہو۔ اس لئے یہہ دیکھا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام کوئی قوم نہیں ہے صرف ایک مذہب ہے تاہم اس کے پیرو ایک دوسرے سے دلی محبت اور الفت رکھتے ہیں۔

پراگندہ ہے گرچہ عالم میں سارا   تلے آسماں کے ہے کنبہ ہمارا

حضرتؐ نے کبھی کسی کی دعوت رد نہیں کی یہاں تک کہ یہودیوں کی بھی دعوت قبول کی تھی۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ خدا نے آپؐ کی شان میں فرمایا ہے۔ یعنی اے محمدؐ تمہاری پیدائش بہت بڑے خلق پر ہوئی ہے۔

یہہ غور کرنے کی بات ہے علم جس کی فضیلت اظہر من الشمس ہے اور جس کی عظمت ہمارے مقدس مذہب میں اس قدر ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اور عالم کی صحبت میں بیٹھنے کا بڑا ثواب رکھا گیا ہے وہ بھی بغیر ملے جلے باہر نکلے، تمکیں کو نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی چیز بغیر ایک دوسرے سے سیکھے ہم کو نہیں آتی حتیٰ کہ ایک ادنیٰ چیز پان کی گلوری بنانا ہے وہ بھی ہم کو بغیر سیکھے نہیں آسکتی میں ایک نقل آپ سے بیان کرتی ہوں :۔

ایک طالب علم صاحب اپنی کتابوں میں مستغرق رہتے تھے۔ باہر کی دنیا سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ ایک امیر آدمی جو علم دوست بھی تھے انھوں نے ان طالب علم کی دعوت کی۔ اور بڑی مہربانی تپاک سے ان سے ملے جب کھانے کا وقت آیا تو اپنے مہمان کو میز پر لے گئے۔ اور اپنے ہاتھ سے سوپ کا پیالہ ان کے سامنے رکھا۔ طالب علم بے چارے تو دنیا کے رسم و رواج سے ناواقف تھے۔ انھوں نے جھٹ چمچہ بھر کر سوپ پی لیا۔ اس کا انتظار نہ کیا کہ اور لوگ بھی پینا شروع کریں۔ نہ سوپ کو ٹھنڈا ہونے کی مہلت دی۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ سوپ سب ان کے منہ سے گر کر دسترخوان پر آرہا۔ اور اس میں بدنما دھبے پڑگئے اسی طرح جب میزبان، طالبِ علم کو خوشی خوشی اپنا کتب خانہ دکھانے لے گئے تو انھوں نے

جلدی سے اچک کر الماری کے اوپر سے چند کتابیں اتاریں۔ یہ کتابیں مصنوعی تھیں لکڑی کی بنی ہوئی اور الماری میں جو جائے خالی رہ گئی تھی اس کو بھرنے کے لئے رکھی گئی تھیں۔ قبل اس کے کہ میزبان سے اجازت لیں طالب علم صاحب جو آدابِ مجلس سے لابلد تھے ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے صاحب خانہ کو بڑی ندامت ہوئی۔ اور انھوں نے کان پکڑے کہ پھر ایسے وحشی کو اپنے گھر نہ بلائیں۔

آدابِ مجلس، سلام کرنے کا قاعدہ، نشست برخاست، بغیر لوگوں سے ملے ہوئے اور عمدہ صحبت اٹھائے ہوئے نہیں آتا۔

دوسرے جو شکایت، زنانہ محلات وغیرہ کی، اب سننے میں آتی ہے اس کی وجہ بھی صحبت کی خرابی ہے۔ لونڈیوں، باندیوں، ماماؤں، مغلانیوں کی صحبت میں کونسی اچھی بات آدمی سیکھ سکتا ہے۔ اگر محترم معزز خواتین ایک دوسرے سے ہمیشہ ملتی رہیں تو ضرور ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوں گی اس لئے کہ مجھے قوی امید ہے کہ جو خواتین یہاں موجود ہیں ان کی زبان سے خلافِ تہذیب کلمہ کا نکلنا ناممکن ہے۔ پھر اگر امرا کی بیبیاں ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں تو وہ ملازمین، مصاحبین کی صحبت سے بدرجہا بہتر ہوگی۔ اور بہت کچھ وہ ایک دوسرے سے سیکھ سکیں گی۔ مثلاً کوئی بی بی یہاں نہایت نرم زبان، نیک مزاج، غریب طبیعت، ہوں گی جن سے دوسری جن میں یہ صفت نہیں ہے عبرت حاصل کریں گی۔

بعض خاندان، فخر یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی عورتیں کہیں نہیں جاتیں ان میں کیا فخر کی بات ہے؟ آخر ملنا جلنا تو بحالتِ حیات و زندگی ہی ممکن ہے۔ مرنے کے بعد تو کوئی کسی سے

ل نہیں سکتا۔ جب تک زبان گویا ہے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور ہنس بول کر اپنے دل کو اور دوسرے کے دل کو خوش کرنا چاہیئے۔ بقول حافظ علیہ الرحمتہ۔

غنیمت شمر اے شمع وصل پروانہ   کہ ایں معاملہ تا صبح دم نخواہد ماند

آخر بات کرنا' اور اپنا رازِ دل دوسرے پر ظاہر کرنا' اپنے بیان سے دوسرے کو رلا دینا یا ہنسا دینا' ایک صفت انسان میں ایسی ہے جو جانوروں میں نہیں پائی جاتی ورنہ جو چیز ہم میں ہے وہ کل وحوش و بہائم بھی رکھتے ہیں۔ ان کو بھی بھوک لگتی ہے' نیند آتی ہے' بچے ہوتے ہیں' بچے پرورش کرتے ہیں' غذا کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ یہی ایک بات انسان کو خدائے تعالیٰ نے عطا کی ہے جس سے وہ احسن المخلوقات کہلاتا ہے۔ خلق الانسان وعلمہ البیان

فخر و مباہات تو انسان کو کسی طرح شایاں نہیں۔ خصوصاً مسلمان مرد و زن کے لئے فروتنی' عاجزی' انکساری لازمی ہے موسیٰ ایسے پیغمبر کے ذہن میں جب یہ خیال آیا کہ مجھ سا جاننے والا کوئی اس زمانہ میں نہیں تو ان کو صاف صاف سنا دیا گیا فوق کل ذی علمٍ علیم ہمارے حضرتؐ جن کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک نازل ہوا ہے' جب آپؐ روساءِ قریش کے سمجھانے میں مشغول تھے اس وقت عبداللہ بن ام مکتوم صحابی جو نابینا تھے آئے اور حضرتؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ حضرتؐ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور قریش کے روساء سے باتیں کرتے رہے۔ بلکہ عبداللہ کی مداخلت حضرتؐ کو ناگوار گزری۔ فوراً درگاہِ باری تعالیٰ سے ارشاد ہوا عَبَسَ وَتَوَلّٰی اِنْ جَاءَہُ الْاَعْمٰی۔

عورتیں اور ملازمت

گزشتہ انجمن کے جلسہ میں وقت نہ ہونے کی وجہہ سے میں مسز نائیڈو
کی دو باتوں کا جواب نہ دے سکی۔ ایک تو انھوں نے یہہ فرمایا تھا کہ اگلے زمانہ میں
ہمارے یہاں تعلیم یافتہ خواتین تھیں۔ جیسے نورجہاں بیگم۔ اب میں مسز نائیڈو
سے یہہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا نورجہاں بیگم نے بھی مڈل کا امتحان دیا تھا؟
نورجہاں بیگم کی کیا تعلیم ہوئی ہوگی؟ نورجہاں کے والد غیاث بیگ مع اپنی
بی بی کے ایک کاروان کے ساتھ ہندوستان آرہے تھے۔ قندہار میں نورجہاں
جس کا نام مہرالنساء تھا پیدا ہوئی یہہ ایسے مفلس تھے کہ ان کو بچی کا پالنا
دشوار ہوگیا اور بحالتِ مجبوری دل پر پتھر رکھ کر ماں باپ نے بچی کو وہیں پھینک دیا
لیکن ماں باپ کے پھینکنے سے کیا ہونا تھا؟ یدِ قدرت نے تو اس کی پیشانی پر ازل
سے ہی ہندوستان کی ملکہ ہونا لکھا تھا۔ کسی سوداگر نے اس کو لے لیا۔ اور
حضرت موسیٰ کی طرح نورجہاں بھی دودھ پلانے کے لئے پھر اپنی ماں ہی کو مل گئیں
جب قافلہ دہلی پہنچا تو نورجہاں کے والد کو سوداگروں نے بادشاہ کے

حضور میں حاضر کیا۔ بادشاہ نے فوراً اس کو ایک معقول خدمت پر مقرر کر دیا۔ رفتہ رفتہ نور جہاں کی والدہ مع نور جہاں محل شاہی میں بیگمات کے سلام کو جانے لگیں۔ نور جہاں جو نہایت حسین تھی اور ولایتی خون رگوں میں موجزن تھا تھوڑے دنوں میں شہزادہ سلیم کے ساتھ کھیل کود میں شامل ہو گئی ایک روز شہزادہ صاحب دو کبوتر ہاتھ میں لے کر محل میں آئے۔ کسی کام کی ضرورت ہوئی تو مہر النساء کو کبوتر پکڑوا دئے اور کہا اسی طرح کبوتروں کو پکڑے رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ یہہ کہہ کر یہہ چل وہ چل چلتے پھرتے نظر آئے۔ یہاں ایک کبوتر نور جہاں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شہزادہ فوراً ہی آن پہنچا اور کہا "لائیے میرے کبوتر" حسین، شوخ طبع نے بلا خوف و خطر کہا "آپ کا کبوتر تو پرواز کر گیا" شہزادہ نے متحیر ہو کر پوچھا "کیسے"؟ نور جہاں نے دوسرے کبوتر کو چھوڑ کر کہا "ایسے" یہہ ادا نور جہاں کی جہانگیر کو کچھ ایسی بھائی کہ نور جہاں پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گیا کہ میری شادی نور جہاں سے ہو۔

اکبر بادشاہ کو یہہ بات نہایت ناگوار خاطر گزری کہ ہمارے محل میں جو ہر رعایا کی لڑکی کے لئے ماں باپ کے گھر کے برابر ہے' کوئی لڑکی آئے اور شہزادہ صاحب مچل جائیں کہ میں اسی سے شادی کروں گا۔ یہہ ہماری شان کے شایاں نہ ہوگا۔ اس خیال سے ایک شخص شیر افگن خاں نامی کے ساتھ

نورجہاں کا عقد کر دیا۔ اور اس کو بردوان کی حکومت پر مامور کر کے بھجوا دیا لیکن جب جہاں گیر تخت پر بیٹھا تو اس نے پھر مہرالنساء کی تلاش کی اور اس کے خاوند کو قتل کروا کر اور اس کو اپنے محل میں داخل کر کے اس سے عقد کر لیا۔

الغرض نورجہاں، جہاں گیر کی بیگم بن گئیں۔ اور ہندوستان کی مشہور و معروف ملکہ کہلائیں۔ لیکن ان کی تعلیم اس زمانہ میں کیا ہوئی ہوگی؟ ماں باپ تو مفلس تھے۔ جب عروج پر پہنچے اور بادشاہ کے حضور سے عہدہ کی سرفرازی ہوئی تو چند ہی دنوں میں نورجہاں کی شادی ہو گئی۔ کتابیں اس زمانہ میں کم یاب تھیں۔ انگریزی کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ فارسی تو نورجہاں کی زبان ہی تھی وہ ضرور آتی ہوگی۔ اُردو خود اس زمانہ میں گہوارہ میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ پھر بتایئے کہ نورجہاں کی تعلیم آج کل کے مفہوم سے کس قدر ہوئی ہوگی۔ کوئی مڈل تو پاس نہ کیا ہوگا۔ ہاں بے شک طبیعت دار تھی

اب یہ فرمایئے کہ کیا نورجہاں کی ایسی اور عورتیں اس زمانہ میں نہ ہوں گی۔ پھر کیا اس عدار شہر میں وہی ایک عورت اس شہرت کے قابل تھی؟ نہیں ایسا نہیں ہے اور بھی ضرور ہوں گی۔ مگر انھیں کوئی جہانگیر بادشاہ، ملکہ بنانے والا نہ ملا۔

اب گوشِ ہوش سے سن لیجئے کہ عورت کی عزت بہت کچھ مرد پر

موقوف ہے۔ اس زمانہ میں اور اس زمانہ میں بہت ایسی خاندانی حسین، تعلیم یافتہ سنجیدہ، فہمیدہ خواتین موجود ہیں جن کو قسمت سے نا قدر داں شوہر ملے جو اُن کی قدر کو نہ پہچان سکے۔ اور شمع کافوری کی طرح وہ غریب بیبیاں جل جل کر خاک ہوگئیں۔ اور بہت ایسی بھی ہوں گی جو ہر طرح سے نااہل ہونے پر خوش قسمتی سے ایسے شوہروں کے گلے کی ہار ہوگئی ہیں جو ان کے ساتھ اپنی نباہنے کو گزر کرتے ہیں۔ اور ان کی برائیاں لوگوں میں بھلائیاں مشہور ہیں۔ بس آپ اس سے غور فرماسکتی ہیں کہ عورت کی قدر کس حد تک مرد پر موقوف ہے۔ اور عورتوں کو اپنی زندگی اچھی طرح بسر کرنے کے لئے کس قدر مردوں کو راضی رکھنے کی ضرورت ہے۔

مسز نائیڈو نے جو اپنے گزشتہ لکچر میں فرمایا تھا کہ ہمارے مرد، بوجہ ہمارے ہاں کی عورتوں کے جاہل ہونے کے، یوروپین عورتوں سے شادی کرلیتے ہیں اس کی وجہ میرے نزدیک صرف جہالت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتی کہ ہمارے یہاں کی عورتیں بالکل جاہل ہیں بے شک یورپ میں بڑی بڑی فاضل عورتیں موجود ہیں۔ مگر عموماً عورتیں تو صرف انگریزی میں جو اُن کی مادری زبان ہے بات چیت کرلیتی ہیں۔ اور سینا پرونا بھی جانتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے یہاں کی بیبیاں عموماً اپنی مادری زبان، اردو لکھنا پڑھنا، سینا پرونا جانتی ہیں صورت اکثر ہمارے یہاں کی بیبیوں کی بہتر ہوتی ہے۔ جس چیز کو ہم خوبصورتی سمجھتے ہیں

وہ ان میں کم ہے۔ پھر بھی کیا وجہہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی مرد جب یورپین
لیڈی سے شادی کرتے ہیں تو اُن کے مطیع و فرماں بردار رہتے ہیں اور
اپنے ہم قوموں سے اکثر زندگی بے لطفی کے ساتھ بسر ہوتی ہے؟ اس
کی وجہہ پر غور کرنا ہمارا فرض ہے۔ میرے نزدیک اس کی وجہہ یہہ نہیں
کہ ہم ان سے کسی طرح کم ہیں۔ خوبصورتی اور تعلیم میں کم نہیں، ہاں بیشک
ایک چیز ان میں ایسی ہے جس سے ہم ضرور بے بہرہ ہیں اور وہ آدمی کے
دل کو ہاتھ میں لینے کا ملکہ ہے۔ یہہ فضیلت بے شک ان کو حاصل ہے۔
ہمارے سیدھے سادے عادات اس فن سے ہم کو بالکل ناآشنا
رکھتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر یورپین بی بیاں اپنے مردوں
یا اپنے ہندوستانی شوہروں کو اس خداداد ملکہ کی وجہہ سے بندۂ بے درم
بنا لیتی ہیں۔ مثلاً اگر میاں دفتر سے آئے اور ان کا چائے پینے کا وقت
ہوا تو ایک یورپین لیڈی اُن کے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ ہی
بہت تپاک اور گرمجوشی سے ان کا خیر مقدم کرے گی۔ آگے بڑھ کر کمرے
کے دروازے کے پاس سے ان کو لے گی۔ کچھ ان کے کام کے متعلق دلچسپی
ظاہر کرے گی۔ پھر ان کے ساتھ ہمدردی کرے گی اور کہے گی کہ "تم کس قدر
کام کرتے ہو! اور کسی کو میں نے اتنا کام کرتے نہیں دیکھا"!! بس اس قدر
التفات کا نتیجہ یہہ ہوگا کہ اگر چائے ٹھنڈی بھی ہے تو میاں اس کو شراب طہور

سمجھ کر پی لیں گے اور ہمدردی کے اظہار سے ان کی زبانِ شکایت رک جائے گی۔ برعکس اس کے ہمارے یہاں کی بی بیاں اگرچہ میاں کے سامنے چائے اور میوہ اور دنیا بھر کی کھانے کی چیزیں لاکر موجود رکھیں گی مگر اس تپاک کے ساتھ ان کا خیر مقدم نہیں کرسکتیں بلکہ سادہ دلی سے اکثر کسی نہ کسی کی شکایت لے بیٹھتی ہیں۔ ایسی صورت میں تھکے ہوئے آدمی کو گرم گرم عمدہ چائے بھی زہر معلوم ہوتی ہے۔

اب ہماری طرزِ معاشرت میں ایک نیا منظر نظر آتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ میرے نزدیک وہ یورپین طرزِ معاشرت کا منہ چڑانا ہے۔ اور کوئی نام اس کے واسطے میرے خیال میں نہیں آتا۔ اس زمانہ کی لڑکیاں جو کسی قدر شدید انگریزی پڑھتی ہیں ان کی یہہ آرزو ہو جاتی ہے کہ ناول کے ڈورا (DORA) اور الس (ALICE) کی طرح ہم بھی کسی سے نہ سہی تو اپنے شوہر ہی سے ہر وقت اقرارِ غلامی لیا کریں۔ یورپین طرزِ معاشرت میں جو پسند کرکے شادی کرنے کا طریقہ ہے اور قبل عروسی، مرد و زن میں جو ربط ضبط بیں زیادتی ہوتی ہے وہ بھی شادی کے بعد پھیکی پڑجاتی ہے۔ اس لئے کہ روزمرہ کے کاروبار میں وہ چند روزہ خوش باشی کی روش قائم رکھنا صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ نامرغوب بھی ہے۔ اس بات پر مجھے ایک نقل یاد آئی:-

ایک صاحب اور میم تھے جن کی شادی ہو کر چند ہی مہینے ہوئے تھے۔

صاحب اپنے کاروبار میں ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ بی بی سے وہ برتاؤ جو قبل عروسی تھا، نہ کر سکتے تھے۔ ان دونوں میاں بی بی کی ایک عزیز دوست تھیں جن سے یہ اپنے دردِ دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔ بی بی ان کو اپنا دوست اور میاں اپنا دوست سمجھتے تھے۔ ایک روز بی بی نے ان سے جاکر کہا "آپ جانتی ہیں کہ میں اب زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔ میرا شوہر جو چند مہینے قبل مجھ سے ہر وقت اظہارِ محبت کیا کرتا تھا، جہاں میں جاتی تھی، جاتا تھا، اگر کوئی چیز میرے ہاتھ سے گر جاتی تو فوراً اٹھا کر دیتا، اور مجھے کوئی کام کرنے نہیں دیتا تھا، اب اس کو میری کچھ پروا نہیں" یہ کہہ کر میم صاحب تو چلی آئیں۔ دوسرے وقت صاحب بھی اپنا دردِ دل لے کر اسی دوست کے پاس گئے اور کہنے لگے "دیکھئے میں کس آفت میں گرفتار ہوں۔ جب تھکا ماندہ گھر آتا ہوں تو بی بی کو افسردہ خاطر اور چیں بہ جبیں پاتا ہوں۔ بات بات پر یہی کہتی ہیں کہ تم اتنی جلدی مجھ سے بدل گئے"۔ اس نیک بی بی نے ہنس کر کہا "میں جو کہتی ہوں کر کے دیکھو آپ کی بی بی صاحبہ ٹھیک ہو جائیں گی" انھوں نے کہا "بڑی مہربانی ہو گی بتائیے وہ کیا نسخہ ہے"۔ ان کے دوست نے کہا "تم جس طرح شادی کے آگے کیا کرتے تھے اب بھی ویسا ہی کر کے دیکھو"۔ جب کوئی چیز تمہاری بی بی کے ہاتھ سے گر جائے تو فوراً اٹھانے کو دوڑا کرو۔ جہاں وہ جائیں سایہ کی طرح ساتھ رہو۔ دیکھو چند ہی روز میں خود ہی عاجز ہو جائیں گی" میاں نے ایسا ہی کیا

جب بی بی کنگھی کرتیں میاں بال پکڑ کر کھڑے رہتے۔ جو چیز گرتی دوڑ کر اٹھا دیتے جہاں بی بی جاتیں ساتھ ساتھ رہتے۔ چند دنوں میں بی بی اِس ہر وقت کے ساتھ سے تنگ آگئیں اور گھبرانے لگیں۔ اپنے دل میں کہنے لگیں "یہہ کیا آفت ہے کہ ایک منٹ مجھ کو دم لینے نہیں ملتا"

اکثر لڑکیاں، شادی کے بعد چند روز جو اُن کی آؤ بھگت ہوتی ہے چاہتی ہیں کہ ہمیشہ ویسی ہی رہے۔ اور رات دن ان کی خاطر تواضع ہو۔ یہہ نہیں سمجھتی ہیں کہ میاں کو روٹی کمانے کے افکار ہیں اِس قدر فرصت کہاں نصیب ہوتی ہے کہ گھر میں بیٹھ کر خاطر و مدارات میں وقت صرف کریں۔ شادی کے بعد تو میاں کو اپنے، اور بی بی کو اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اور ہر طرح سے ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ایک دوسرے کے کام میں خلل انداز ہوں۔ اکثر بی بیاں شروع ہی سے ذری ذری سی بات پر روٹھ جانے کو ایک ناز و ادا سمجھتی ہیں اور آئے دن اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑا کرتی ہیں۔ کھانا کھانا چھوڑ دیتی ہیں۔ اِس بات کی خواہش رکھتی ہیں کہ میاں اُن کو منائیں۔ اور خوشامد کر کے کھلائیں پلائیں۔ یہہ حد درجہ کی نادانی کی بات ہے۔ اِس سے ان کی وقعت، شوہر کی نگاہوں میں بہت کم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی بردبار، دانشمند، خاوند ہوا تو وہ اِس خیال سے کہ بات نہ بڑھے بی بی کو خاطر خوشامد کر کے کھلا پلا لیتا ہے۔ مگر جو صاحب اپنے کو اس بات کا

زیادہ مستحق سمجھتے ہیں کہ ان کی خوشامد کی جائے، اور تند مزاج ہوتے ہیں، وہ بی بی کو رنجیدہ دیکھ کر خود بھی بگڑ بیٹھتے ہیں۔ اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ دونوں طرف سے شروع ہو جاتی ہے اور خاصا قصہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی میل بھی کروا دے تو دلوں میں صفائی باقی نہیں رہتی ہر بات پر روٹھنا کوئی بات معشوقانہ نہیں بلکہ ایک نہایت رکیک حرکت ہے۔ اور ہر بات پر کھانا چھوڑ دینا اس سے بھی بدتر بات ہے۔ کھانا چھوڑنا تو آسان ہے لیکن وضعداری اور آن بان تو جب معلوم ہو کہ اس کے بعد پھر نہ کھائیں۔ اگر ایک وقت نہ کھایا اور دوسرے وقت کھا لیا تو پھر کیا رہی؟ اپنی بات تو پوری نہ ہوئی۔ جس چیز سے انکار کیا تھا جب پھر وہی کرنا پڑا تو پھر کیا بات رہی؟ بات تو جب تھی کہ تمام عمر فاقہ کر کے دکھا دیتیں۔ جب یہ ممکن نہیں تو پھر اس فعل عبث سے کیا حاصل ہے؟ ہر فعل عبث ناقص عقلی کی دلیل ہے۔ اور آپ کو تو چاہئے کہ شروع سے دانائی کا سکہ میاں کے قلب پر بٹھائیں۔ دوسرے میری ایسے ناز کرنے والی دلہنو! اور روٹھنے والی بی بیو! کبھی تم کو اس بات کا بھی خیال آتا ہے کہ ہمارے مرد کس جفاکشی سے روٹی کماتے ہیں؟ کتنے ہی بالا دست ان کے سر پر بیٹھتے ہیں جو اُن کے کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔ اور جن میں سے ہر ایک کو راضی رکھے بغیر وہ اپنی ملازمت کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر تمہارے شوہر اس قدر لوگوں کو راضی

رکھنے کی کوشش میں صبح وشام بسر کرتے ہیں تو کیا تم ایک اکیلے شوہر کو راضی نہیں رکھ سکتی ہو۔ کیا یہہ بڑی بات ہے کہ تم ان کی دشواریوں کو یاد رکھ کر ان کی دلجوئی کرو؟

ہمارے یہاں کے لوگ یوروپین طرز معاشرت کے بہت دلدادہ ہو رہے ہیں مگر اسکے مفہوم کو بالکل نہیں سمجھتے۔ اور اسکی حقیقت کو بالکل نہیں جانتے۔ بلکہ برعکس سمجھتے ہیں۔ ہر ایک لڑکی کو یہہ حوصلہ ہو رہا ہے کہ کاش ہم ڈاکٹری سیکھتے! اپنی روٹی آپ کماتے! کاش ہم نرس ہوتے! پانچ روپے روز گھر لاتے! اور جو جی چاہے کرتے! خدا کرے تمہاری خوش نصیبی سے یہہ خیال خوشگوار ایک پُرلطف خواب کی طرح تمہاری نظروں میں پھرا کرے۔ اور کبھی وہ وقت ہندوستان پر نہ آئے کہ اس کی بیٹیاں، مردوں کے میدان میں قدم زن ہوں اور اس زندگی کی سختی اور کڑواہٹ سے ان کے لب کبھی آشنا ہوں۔ روٹی کمانے کی آرزو کرنا آسان ہے۔ یہہ بالکل ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی کم سن بچہ جس کے باپ کو دمہ آتا ہو یا آنکھیں خراب ہوں اور باپ چشمہ لگاتا ہو تو آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے دمہ آتا! کاش میری آنکھیں خراب ہوتیں اور میں چشمہ پہنا کرتا! مگر کون شخص جو اس بچہ کا دوست ہو اس کی اس دعا پر آمین کہہ سکتا ہے؟ بس ہماری لڑکیوں کی روٹی کمانے کی آرزو بھی اس کم سن اور کم فہم بچہ کی سی آرزو ہے۔

اپنے خوش حال شوہر کے زیرِ سایہ رہنے والی بی بیو! اس نعمت کو غنیمت سمجھو۔ خدا تم کو ہمیشہ اسی سایہ میں رکھے۔ اس کی قدر کرو کہ ہندوستان میں یہہ گوشۂ عافیت تم کو نصیب ہے۔ جن شہروں میں عورتیں زیادہ مرد کم ہوتے ہیں وہاں کی عورتیں اس چیز کی قدر سے بخوبی واقف ہیں۔ روٹی کمانے کی آرزو جو آج کل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں کے دل میں پیدا ہو رہی ہے اس کی وجہہ یہہ ہے کہ اس محنت شاقہ سے جس سے روٹی حاصل ہوتی ہے وہ ابھی واقف نہیں ہیں۔ یہہ مصیبت جو ہمارے مردوں کے سر ہے اور جس جفاکشی اور محنت سے وہ روٹی کماتے ہیں اس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ یہہ وہی خوب سمجھ سکتا ہے جس پر خود یہہ بار پڑا ہو۔ دوسرا اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا۔ روٹی کا کمانا واقعی ایک جانکاہ مصیبت ہے۔ ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اترنا شاید آسان ہوگا اس سے کہ تمام عمر کو لہو کے بیل کی طرح آدمی پھرا کرے اور تیس دن کے بعد روپیہ کی صورت نظر آئے۔ مخالف لوگوں کی خوشامد اور رضامندی کا ہر وقت خیال، اس پر بھی ملازمت، مزدوری، کا ملنا دشوار۔ اس کی جستجو میں جو کاہش اور محنت ہوتی ہے اس کو بھی ان ہی لوگوں کا دل جانتا ہے جو اس کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ پس اب یہہ کہو کہ ایسے لوگ جو اپنی عمر کا ہر روز اس محنت میں بسر کرتے ہیں، ہماری پوری ہمدردی کے مستحق ہیں یا اس بات کے کہ جب کچہری سے گھر میں آئیں تو بی بی کو اٹواٹی کھٹواٹی لئے

پڑا دیکھیں اور جس چیز کو وہ مایۂ راحت سمجھتے تھے وہ "بلے گفتم و بہ بلا گرفتار شدم" کی مصداق بن جائے ؟

ملازمت اور روٹی کمانے کے خلاف تقریر کرنے سے میرا مطلب یہ نہیں کہ خدانخواستہ میں آپ لوگوں کے حوصلوں کو پست کرنا چاہتی ہوں ۔ یا تعلیم کے خلاف ہوں ۔ یا اس بات کے خلاف ہوں کہ ہمارے یہاں کی لڑکیاں ڈاکٹری اور نرسنگ سیکھیں ۔ نہیں ہرگز نہیں ۔ سب کچھ سیکھیں مگر ملازمت کو رحمت نہ سمجھیں ۔ بلکہ اگر ضرورت ہو تو ایک مصیبت ناگزیر خیال کریں ۔ ہاں سب سیکھ کر پھر اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ بن جائیں ۔ اور اپنے پیارے بچوں کی صحت کے لئے اس علم کو کام میں لائیں یا غربا کی مدد میں صرف کریں ۔ ہاں کوئی ایسی اہم مصیبت آن پڑے کہ بغیر محنت کئے یا ملازمت اختیار کئے گزر اوقات مشکل ہو تو اس وقت وہ ان کے کام آسکتا ہے ۔ علم و فضل و ہنر کی ہمیشہ جویا رہو ۔ وہ ہمیشہ مفید ثابت ہو گا ۔ کبھی مضر نہیں ہو سکتا ۔ اس کے حاصل کرنے سے تمہاری وقعت تمہارے شوہروں کے دلوں میں بڑھ جائے گی ۔ اور تم بھی ان کی قدر شناسی کی اہل بن جاؤ گی ۔
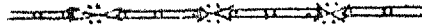
خطبۂ صدارت برہما سماج

حاضرینِ جلسہ ومعزز خواتین :

میں اس قومی مجمع و اراکین برہما سماج کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے اس کی صدارت کا افتخار بخشا۔ اس کی صدارت کو میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں اس لئے کہ یہ سبھا ہندوستان کی نقطۂ دل ہے بلکہ بجائے قلب کے ہے۔ اس لئے اس کے ذریعہ سے بلند خیالات و تہذیب و تمیز کا دوران ملک کے ہر گوشہ میں ہوتا ہے جیسے انسان کے قلب سے مُصفّا خون جسم کی نالیوں میں دوران کر کے فاسد و غلیظ مادّہ کو دُور کر کے مُمدِّ حیات و واسطۂ صحّت ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اُس قوم کا مجمع ہے جو زمانۂ جاہلیت میں جب دوسرے اقوام مثلِ وحوش و بہائم کے زندگی بسر کرتے تھے اور لباس کی جگہ جسم کو رنگا کرتے تھے۔ اس وقت میں یہ تمدّن و تہذیب کے اعلیٰ معیار کو پہنچ گئے تھے۔ آئین جہانبانی و ملک رانی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ علم ہیئت۔ علم ریاضی، فن سپہ گری مثلاً و مارل فلاسفی سب اس قدیم و قابل قدر قوم کے یہاں اپنے کمال پر پہنچ چکے تھے۔ حسن ظاہری و قوت جسمانی بھی قدرت نے انھیں عطا کی تھی۔ اس پر انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاق سے بھی یہ بفضل خدا مزین تھے دیکھو راجچندر جی کو یہ کیسے مطیع و فرمانبردار بیٹے تھے۔ کیسے چاہنے والے بھائی اور کیسے وفادار شوہر اور کیسے

عایا پرست بادشاہ تھے لچھمن کی محبت بھائی کے ساتھ اور سیتا جی کی وفاداری محبت اور حیا یہ انسانیت کی
ل تصویریں ہیں ۔ یہ قصّہ تو مشہور ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر راجہ بسیشم کی فرمانبرداری ہے جس نے اپنے والد
انتو کی خاطر سے تمام عمر شادی نہ کی اور اپنے سوتیلے بھائی بسیتہ وتی کے بیٹے کی پرورش میں اپنی تمام عمر صرف کی۔

یہ تو بہت زمانہ کی بات ہے مگر اب بھی یہ مبارک اور مقدس سرزمین جس کی آغوش میں عجیب فرزند ورش
رش پاتے ہیں اسی قدر مردم خیز ہے ۔ دیکھیئے خود اس بہار کے موجد راجہ رام موہن رائے، کو جن کی ولادت
ولادت ۱۷۷۲ء میں ہوئی تھی اور ۱۸۲۳ء میں آپ نے وفات پائی ۔

یہ ایسے محبان وطن و قوم میں سے تھے جن کے وجود سے آج ہمارے ہندو بھائی بھانت بھانت
اہنی کڑیوں سے آزاد ہو گئے اور ہمارے ساتھ خورد و نوش و شادی بیاہ کے مجاز ہو گئے ۔ یہ عربی، فارسی
نی، عبرانی، انگریزی کے ماہر تھے ۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب موسوم تحفۃ الموحدین لکھی تھی جس کا
چہ عربی میں لکھا ۔ بائبل کا مطالعہ کیا قرآن کریم نظر حق بین سے دیکھا اور وحدانیت کی شراب ارغوانی میں مخمور ہو کر یا ہو کا
لگایا اور اپنے ابنائے وطن کو اصنام پرستی سے بچا کر محمود غزنوی کی طرح بت شکنی کی اور اصنام پرستی کو جڑ سے اکھاڑ کر
دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ہندو بھائی ہمارے ہم نوا ہو کر اللہ اکبر اور لا اِلٰہ اِلّا اللہ کا نعرہ مستانہ لگانے
اور ماسوا اللہ کی پرستش سے متنفر ہو گئے ۔ یہ قلم اسی شجر مبارک کا تھا جس کو مسیح نے فارقلیط کے نام سے اعلان کیا اور
رزمین عرب میں تیرہ سو برس آگے لگایا گیا دلعلو علی کلمۃ لواءبیننا وبینکم کے فرمان کی اطاعت کر کے ہم اور
ے ہندو بھائی اس شعر کے مصداق بن گئے کہ :-

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

راجہ رام موہن رائے پہلے تعلیم یافتہ ہندی تھے جو پائے تخت برطانیہ گئے اور ہمارے بادشاہ دہلی

بہادر شاہ ظفر اعلی اللہ مقامہ کے بھیجے ہوئے گئے اور انھیں کی سرکار سے راجہ کا خطاب پایا۔ انگلستان میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی جہاں انھوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر رسم ستی کی انسداد میں جان توڑ کوشش کی یہ ایک ایسی رسم تھی کہ ہندو ہی کی سرزمین پر اس کا وجود ممکن ہو سکتا تھا۔ ایسی نظیر شوہر پرستی کی کسی سرزمین پر ممکن نہ تھی۔ آپ صاحبوں نے گولڈ اسمتھ کی کتاب لے سٹیزن آف دی ورلڈ (CITIEN OF THE WORLD) میں یہ ظرافت آمیز قصہ تو ضرور پڑھا ہوگا کہ ایک شوہر اپنی زوجہ سے بستر مرگ پر یہ التجا کرتا ہے کہ تاوقتیکہ اس کی قبر خشک نہ ہو جائے وہ دوسری شادی نہ کرے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد وفات شوہر اس نیک بی بی کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ شوہر کی قبر پر جا کر پنکھا کیا کرتی جس سے کچھ نیک نیت اصحاب نے اس بادرقی کو محبت دیرینہ پر محمول کیا مگر حریفان نکتہ فہم و پیران پارسا کا ذہن رسا حقیقت کی اصلیت کو پا گیا اور مطلب دلی کو تاڑ گیا کہ سنگدل شوہر کی آخری وصیت کی ناگزیر پابندی نے دست ہائے نازنین کو اس سختی کا شکار کیا مگر ہفتہ عشرہ کی زحمت نے معشوقہ دل فگار کو بامراد کیا اور ایک دوسرا عاشق جانباز پیدا کیا

اسی طرح ایک اور نقل نظم میں ہے کہ ایک شوہر بستر مرگ پر اپنی پیاری بی بی کو دلاسا دے رہا ہے کہ تم کیوں غم کرتی ہو تمہارے گورے گورے رنگ پر تو سیاہ لباس بھلا معلوم ہوگا۔ غم شوہر وہ نازنین کرے جسے کالا لباس زیب نہ دے۔ ان افسانوں اور حکایتوں کے مقابل رسم ستی ایک ایسی شوہر پرستی کا انکشاف کرتی ہے جس کی مثال دنیا کی کسی جماعت میں نہیں مل سکتی۔ راجہ رام موہن رائے نے یہ رسم بچشم خود اپنے خاندان میں دیکھی تھی۔ اُس زمانہ میں اگرچہ راجہ صاحب کمسن ہی تھے مگر انھوں نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ اگر زندگی باقی ہے تو ضرور اس رسم کو اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس عہد کو انھوں نے انگلینڈ جا کر اپنی سر توڑ کوشش سے پورا کر دکھایا۔ لارڈ ولیم بنٹنگ نے احکام جاری کر دیے کہ یہ رسم بالکل موقوف کر دی جائے۔ ولایت سے واپس آنے کے بعد تصنیف و تالیف و ملکی و قومی کام میں مشغول رہے۔

سنہ ۱۸۲۸ء میں برہماسماج کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تلقین وحدانیت تھی اور جس کا بڑا اصول یہ تھا کہ سب انسان ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھیں۔ اس کی عبادت گاہ میں کسی قسم کی تصویر مورت بت رکھنے کی ممانعت تھی کسی غیر مذہب پر مضحکہ اڑانے یا اُن کے مذہبی امور کی توہین ناجائز قرار دیگئی تھی۔ ہر مذہب وملت کی عمدہ چیزوں کو نظر وقعت سے دیکھنے اور اختیار کرنے کی تاکید کی گئی۔ گناہ کا کوئی کفارہ سوائے توبتہ النصوح کے نہیں۔ پاک زندگی بسر کرنے اور تفکر باری تعالیٰ میں اپنے وجود کو فراموش کرنے سے اس کے دیدار کا حاصل ہونا کسی جاندار کو ایذا نہ دینا وہ کام دنیا میں کرنا جو عنداللہ محبوب وماجور ہوں اور ایسے کاموں سے پرہیز کرنا جو باعث تکلیف بنی نوع ہوں۔ یہ اصول اس سبھا کے قرار دئے گئے اور رفتہ رفتہ بہت سے اہل علم اس میں شامل ہو گئے۔

راجہ صاحب نے ملک کی بہبودی کے لئے بھی بہت سے کام کئے۔ اخبارات جاری کئے اور اُن کی آزادی کے لئے کوششیں کیں۔

آپ کے انتقال کے بعد دورکا ناتھ ٹھاگور اور اُن کے فرزند گرامی دیندرا ناتھ ٹھاگور نے اس سبھا کی سرپرستی کی اور اس کی ترقی میں ساعی رہے۔

کیشب چندرسین اور انند موہن بوس نے اس میں دوسرے فرقے قایم کئے مگر تینوں فرقوں نے ہمیشہ ترقی کی طرف قدم اٹھایا اور تنزل سے اس نئی جماعت کو اپنی ساعی جمیلہ سے بچایا۔

اس برہما سبھا کی تعلیم کی وجہ سے ہندوستانیوں نے علم وفضل کو درجہ کمال پر پہنچایا۔ اس لئے کہ اسی کے سبب سے وہ سفر کرنے اور غیر اقوام کے ساتھ خور ونوش کے مجاز بن گئے اور ساتھ ہی اپنی قومیت اور مذہب کو بھی برقرار رکھا۔

چند ہی روز میں ہندی فصحائے یورپ کے اہل کمال سے داد سخنوری لے لی۔ لال موہن گوش کی فصاحت و

طلاقت لسان کو سنکر اہل انگلینڈ حیران رہ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اور بھی سیکھنے بنگالہ جانا چاہیئے
رومش چندر روت اور گوکھلے اور ایسے بہت سے علما و فضلا محب قوم و وطن اس سبھا کی رونق و زینت ہیں جن سے
ہندوستان کو فخر حاصل ہے ۔

ہماری یہ دعا ہے کہ اس سبھا کو خدا ہمیشہ ترقی دے ۔ اور اتحاد و اتفاق کا بیج جو اس نے بویا ہے وہ
جلد بار آور ہو اور اس کے عمدہ نتیجہ سے ابنائے وطن کو فائدہ پہنچے ۔

برہما سماج کا دوسرا خطبۂ صدارت

میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے مجھے پھر اس سال اپنی صدارت کا شرف بخشا۔ حالانکہ ایسی خواتین آپ لوگوں میں موجود ہیں جو اس اعزاز کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ گذشتہ سال کا کامیاب و رنگین جلسہ اب تک میری نگاہوں میں پھر رہا ہے اور وہ کلمات تحسین جو انھوں نے ہمارے مذہب کے ہادی کے بارے میں کہے تھے اور اسلام کی حقیقت کو ایسے الفاظ میں بیان کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انھوں نے نظر حق بیں سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔

اس سبھا کے ساتھ مجھے ہمدردی ہونے کی یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ یہ تحریک تعصبات کی جڑ کو کاٹتی ہے بلکہ خود ہمارے ایک قرآنی حکم کی پیروی کرتی ہے۔ لانفرق بین احد منهم۔

یعنی سب پیغمبروں کی عزت برابر کرنا اور ہر مذہب کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا۔ اس لئے کہ مذہب اس پیدا کرنے والے کی طرف سے بھیجا جاتا ہے جس کی نظر میں ہم سب گورے کالے بھورے پیلے سب برابر ہیں۔ سب ہی کی ہدایت اس کو برابر منظور ہے کوئی خاص اسرائیلی ہی اس کے منظور نظر نہ تھے اگر ہوتے تو طرفداری یا فیورٹزم کا اطلاق اس پر بھی نعوذ باللہ ہو جاتا۔ مذہب۔ وہ ہادی مذہب، وہ ہے جو رحمۃ للعالمین ہو۔ جس غرض سے دنیا میں ہادی بھیجے گئے اور جو غرض مذہب کی تھی اس کو انسان کی جدال پسند فطرت نے اپنی اصل غرض سے منحرف کر دیا۔ اصول مذہب

چند ہیں وہ اگر غور سے دیکھے جائیں تو اُن ہی عالی احکام کا نام ہے جس کی پابندی سے انسان جامۂ انسانیت سے مزین ہو سکتا ہے اور وحشیانہ روش کو ترک کر کے تمدنی و اخلاقی زندگی بسر کرنے کا اہل بنتا ہے۔

ہر مذہب کی بنا اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے اصول پر مبنی ہے جو ازل سے ابد تک ایک ہی رہے گی اور جس میں تغیر تبدل نہیں ہو سکتا یہ ایسے اصول ہیں جو انسان کی تمدنی و تہذیبی و اخلاقی زندگی کے جزو لاینفک ہیں اور ہر ملک ملت و قوم بلا استثنا اس کی اہمیت قبول کرتی ہے مثلاً کشت و خون جھوٹ، چوری، دغا بازی، قمار بازی، لوٹ مار سے پرہیز کرنا ہمیشہ سچ بولنا، چوری و جھوٹ کو ترک کرنا خیرات کرنا، ابنائے جنس کے ساتھ نیکی کرنا دوسرے کے حق میں وہی پسند کرنا جو انسان اپنے لئے پسند کرتا ہے غرض اسی طرح کے احکام سب مذہبوں میں ہیں کسی خاص مذہب کا حصہ نہیں ہیں جو دوسری باتیں اور کسی مذہب میں شامل ہو جاتی ہے وہ صرف جہالت اور تعصب و توہم وغیرہ سے داخل ہو جاتی ہے۔

میرے نزدیک مذہب کی مثال کپڑے کی ہے جس کی ضرورت کل قوموں کو ہوتی ہے اور ہر انسان کو ہوتی ہے اور ایک ہی ضرورت کیلئے ہر ملک و قوم میں وہ استعمال ہوتا ہے۔ صرف شکل و وضع کا فرق ہوتا ہے کوئی ساڑی پہنتا ہے کوئی ڈریس کوئی کچھ اور وضع اختیار کرتا ہے مگر غرض اس سے ایک ہی ہے۔

مذہبی تعصب ایک ایسی چیز ہے جو ہم کو مذہب کے اصل اصول سے انحراف سکھاتی ہے اور مذہب کے حقیقی غرض سے بالکل متضاد ہے۔

میں یہاں اپنے ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کرتی ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کس درجہ دوسرے مذاہب کی عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ مع چند اصحاب کے بیٹھے ہوئے تھے کہ اس طرف ایک یہودی کا جنازہ نکلا آپ جنازہ کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ لوگوں نے کہا حضرت یہ تو مشرک شخص تھا آپ نے کیوں اس کے جنازہ کی تعظیم کی اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ آپ نے

جواب دیا کہ مشرک تھا تو کیا آخر آدمی تھا اور رُوح رکھتا تھا اسی طرح جب ایک وفد عیسائیوں کا حضرت کے پاس آیا تو آپ نے اپنی مسجد میں اُن کو عبادت کرنے کی اجازت دی۔

قابل تحسین ہے وہ قوم جس کی دماغی قوت نے اس زمانہ کی تہذیب کے موافق اپنے لئے ایک ایسا راستہ نکال لیا ہے جو اصلیت میں اپنے دیرینہ مذہب کو قایم رکھتے ہوئے اس زمانہ کی طرز معاشرت سے بخوبی مستفید ہو سکتی ہے۔ اس قوم کے خاص جوہر استقلال میانہ روی تحمّل جفاکشی بردباری ہیں یہی ہندوستان کے اصلی باشندے ہیں جنھوں نے ہم بدیسی مہمانوں کو بھی اپنی برادری میں شامل کرلیا۔

قرابت راجگان ہند سے اکبر نے جو چاہی — کہ یہ رشتہ عروسی کشور آرائی کا زیور تھا
تو خود فرماندہ جیپور نے شادی کی خواہش کی — گو وہ بھی ایک اچھا صاحب دیہیم و افسر تھا
ولیعہد ممالک اور خود شاہنشہ اکبر — گئے انبیر تلک جو پایہ تخت ملک و کشور تھا
دُلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اِس شان سے لائے — کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا
دُلہن کی پالکی کو اپنے کندھوں پر جو لائے تھے — وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی — کہ جن سے بوستان ہند برسوں تک معطر تھا

یہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی اب بھی قایم ہیں اور اب بھی ہمارے ہندو و برہما سماج بھائی بہنیں ہماری نیکی و بدی میں دل سے شریک ہیں۔ تہذیب اخلاق و علم کے اعلیٰ ترین زینہ پر یہ ہمارے لئے ایک نمونہ ہیں جن کی علو ہمت و وفور حب الوطنی نے مختلف الالوان و مختلف اللسان ابنائے وطن کو ایک شیرازہ میں باندھ کر ایک قوم بنا دیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں فالف بین قلوبکم کی یہ دوسری مثال ہے۔ فاصبحتم بنعمتہ اخوانًا کی تو یا پھر عالم پر آشکار ہو رہی ہے۔

ہر قوم کی حقیقی ترقی اس وقت ظہور پذیر ہوتی ہے جب کہ اس کے فرقۂ اناث میں بھی ترقی کے طرف رجحان پایا جائے۔ ہماری ہندو بہنیں اس طرف بہت کچھ مائل ہیں نہ وہ صرف اپنی مدد آپ کرتی ہیں بلکہ ہماری مدد بھی کرتی ہیں۔ انجمن خواتین اسلام کے ترپ بازار کے مدرسہ میں مسز راج گوپال مولڈنگ سکھایا کرتی تھیں۔ یہ بی بی نہایت لائق تھیں ان کے بے وقت انتقال کا ہم سب کو نہایت رنج ہے ان کی ایک لڑکی بیوہ تھی جس کو وہ ایسے اسکول میں رکھوانا چاہتی تھیں جہاں وہ پڑھے بھی اور پڑھائے بھی۔ مجھے امید ہے کہ اس سبھا کے اراکین اس لڑکی کی امداد ہر طرح پر کریں گے۔

دوسری میری عرض آپ لوگوں سے یہ ہے کہ جو لاوارث چھوکریاں قحط کے زمانہ میں لوگ پال لیتے ہیں ان کو چاہیئے کہ ان میں سے اکثر کو اس کام کے لئے وقف کر دیں۔ وکٹوریہ آر فینج سے لڑکیاں اس کام کے لئے بھیجی جائیں۔ یہاں تک کہ ایک کثیر جماعت ان ٹرینڈ نرسوں کی ہو جائے کہ کم اجرت پر ان کو غرباء بلا سکیں ان کو سب سے پہلے صفائی کی تعلیم دی جائے تاکہ یہ اپنے کام کے پہلے اصول کو آگے ہی سے سیکھ رکھیں۔

اے لیڈیز ہم جو آسودہ حال ہیں یہ فرض ہے کہ ان کی طرف جو ان نعمتوں سے محروم ہیں توجہ کریں اور اپنے حتی الامکان اُن کی مدد کریں۔

آئیے اس مبارک جلسہ کو اس کارِ خیر کے ساتھ ختم کریں کہ یہیں پر اس سوسائٹی کی اور آج ہی سے اس کی بنا شروع ہو جائے۔

انفلوانزا و دیگر امراض کے شیوع کے ایام میں غرباء کو بہت تکلیف ٹرینڈ نرسوں کی مدد نہ ملنے سے ہوتی ہے۔ نیز تولد کے وقت اور بچے کی شروع میں حفاظت کرنے کی ضرورت کے وقت بھی غرباء بہت کس مپرسی کی حالت میں گرفتار ہو کر زچہ و بچہ اکثر اوقات تلف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس سبھا کے ممبران سے

میری خواہش ہے کہ وہ اور ہم سب ملکر ایک سوسائٹی (SERVANT OF THE DECCAN SOCIETY.) کے نام سے بنائیں اور ہماری اُن لڑکیوں کو جو نادار ہوں اور اپنی روٹی آپ کمانا چاہتی ہوں ان کو نرسنگ مڈوفری سکھلادیں۔ یہ فن ہم میں کی لڑکیاں سیکھ کر غربا تک پہنچ کر ان کی مدد کرسکیں اگر کوئی لڑکیاں اس وقت موجود ہوں تو ان کا نام فوراً پیش کیا جاکے اور ایک عرضی ناظم طبابت کے نام بھیج کر ان کو وکٹوریہ ہسپتال میں داخل کرایا جاسے۔ اس کام میں ضرور ہے کہ ہم اور آپ دونوں شامل ہوں یہ ایک ایسا ضروری کام ہے جس کی طرف فوراً توجہ کرنی چاہیئے

یہہ تقریر ۲۶ مارچ ۱۹۱۸ء کو اجلاس کانفرنس خواتین منعقدہ بھوپال میں
کی گئی جس کی صدارت بیگم صاحبہ بھوپال نے فرمائی تھی۔

سرکار عالیہ و معزز خواتین!

میں یہاں پہلے اور دوسرے رزولیوشن کی تائید کرنے کھڑی ہوئی ہوں پہلا رزولیوشن تعلیم کی بابت ہے اس رزولیوشن کی تائید میں مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس رزولیوشن کی تائید آج سے چودہ۱۴ سو برس قبل ہو چکی ہے اور یہہ تائید ایسے زمانہ میں کی گئی ہے کہ جب نہ کوئی اسکول تھا نہ کالج نہ کوئی مغربی اثر تعلیم تھا۔ بلکہ مغرب خود اس وقت قعر مذلت میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت ان پُر زور الفاظ میں سچائی کی روح نے یہہ حکم دنیا کو سنایا تھا کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ۔ آپ حضرات ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ طلب العلم کو آپ نے سنت نہیں فرمایا بلکہ فرض کیا ہے۔ اور صرف مسلمان مرد کے لئے نہیں فرض کیا ہے بلکہ مسلمہ کے لئے بھی اسی قدر فرض سمجھا ہے مگر ہم تو آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ اسلام نے عورت کو پڑھنے لکھنے سے منع کیا ہے یہاں تک کہ عورت کو روح تک

نہیں دی ہے۔ پھر اس غیر ذی روح کے بارے میں طلب العلم کا حکم کیوں آیا۔ کیا یہہ عربی جملہ ہم عورتوں نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔ یا ہمارے تسلی بخشنے والے نالرقلیطا نے ہم کو یہہ مژدہ جاں بخش سنایا ہے اور ایسے زمانہ میں سنایا ہے کہ جب یورپ تک علم سے ناواقف تھا۔

اطلبوا العلم ولو کان فی الصین یہہ بھی آپ ہی کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ دوسری عرض میری یہہ ہے کہ اگر اسلام میں عورت کے لئے جانا آنا۔ گھر سے باہر نکلنا۔ ملنا جلنا۔ سفر کرنا۔ برا سمجھا گیا ہوتا تو حج کا حکم خدا عورتوں کو نہ دیتا۔ اور یہہ خیال کیا جاتا کہ سب مرد آپس میں حج کے زمانہ میں مل لیں تو کافی ہے۔ عورتوں کے جانے کی کیا ضرورت ہے ان کو کسی سے ملنے سے کیا فائدہ ہے۔ مگر خدا و رسول نے ایسا نہیں سمجھا اور ان کو بھی حج کا حکم دیا۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ کے لفظوں کو پھر آپ خواتین سنیئے اور اس پر غور فرمائیے کہ انھیں شاندار الفاظ نے عرب کی سرزمین پر چراغ ہدایت روشن کیا اور ایسا روشن کیا کہ وہ آفتاب کی طرح سے چمک اٹھا اور ساری دنیا نے اس نور کے پرتو سے فائدہ اٹھایا اور اسی کی لو اور نور سے اپنے چراغ روشن کئے۔ بلکہ یہہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کی تہذیب اسی نور کا پرتو ہے اور اسی دریائے علم کی ایک لہر ہے۔

خواتین! ہم کیونکر اس گراں بہا جملہ پر فخر و ناز نہ کریں کہ جس نے ہم کو خیر الامم بنا دیا تھا۔ ہمارے دوسرے ابنائے وطن جو ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں وہ بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی داد دیتے ہیں۔ لیکن اگر عورتوں کو جاہل رکھنے کے لئے من گھڑت مسئلے بنائے جائیں اور ہر عمدہ چیز ان کے لئے بری ٹھہرا دی جائے اور یہہ کہا جائے کہ

پیدا ہونا عورتوں کا مجبوری ہے اور مرنا بُرا نہیں بس یہی ایک چیز ان کے لئے بری نہیں ہے تو اس کا کیا علاج ۔

دوسرے رزولیوشن کی تائید میں بھی میں الفاظ قرآنی کو پیش کرتی ہوں ۔
لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون یعنی کوئی فلاح و خوبی کو تم بغیر روپیہ خرچ کئے حاصل نہیں کر سکتے ۔آپ خود بھی اپنی فلاح و بہبودی کے لئے خرچ کیجئے اور گورنمنٹ سے امداد کی درخواست کیجئے ۔مگر درخواست راستی و نرمی و درست اور صحیح طریقہ سے کی جائے جیسی سرکار عالیہ نے ہدایت کی ہے ۔ورنہ لڑ جھگڑ کر تو کوئی کام دنیا میں نہیں ہو سکتا ۔تیسری بات جس کو میں عرض کرنا چاہتی ہوں وہ یہہ ہے کہ سرکار عالیہ جو اس جلسہ کی بانی ہیں ان کا شکریہ ادا کیا جائے ۔

میں نے سنا تھا کہ جنابہ ممدوح کی محبت اپنی رعایا کے ساتھ بمنزلہ مہر مادری کے ہے اور مہر مادری کی حقیقت سے وہی دل آگاہ ہیں جو اس کا ذائقہ چکھے ہوئے ہوں ۔یہہ ایک ایسی محبت ہے کہ آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور اولاد کے فائدہ کے لئے مال اور جان تک سے دریغ نہیں کرتی ۔آج میں نے اس محبت کا مشاہدہ بچشم خود کرلیا ۔سرکار عالیہ جو کل سے سخت انفلوانزا یعنی زکام و بخار میں مبتلا تھیں نہایت کمزوری کی حالت میں آج اس جلسہ کی صدارت کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لائیں اور اپنے مہمانوں اور رعایا کی خوشنودی کے خیال کو اپنے آرام پر ترجیح دی ۔یہی محبت آپ کے دل کو بے چین کرتی ہے اور ایسے کاموں کی طرف رغبت دلاتی ہے جس میں فرقۂ اناث کی بہبودی ہو ۔جناب عالیہ کو یہی خیال رہتا ہے کہ جو کچھ میرے ہاتھوں سے ہو جائے غنیمت ہے کوئی لڑکی علم سیکھ لے ۔

کوئی ڈاکٹری پڑھ لے۔ کوئی نرسنگ کا کام سیکھ لے تاکہ بوقت ضرورت یہہ علم ان کے کام آئے اور وہ اپنے فرائض کے انجام دینے اور اپنی مدد آپ کرنے کی حیثیت پیدا کرلیں۔

سرکار عالیہ جو آج سب خواتین ہند کی سرتاج ہیں اور ترقی کے میدان میں اپنی کل ہم عصر خواتین سے سبقت لے گئی ہیں آج آپ ہی کے دست مبارک سے اس جلسے کا بھی افتتاح ہو رہا ہے یہہ ایک ایسی مبارک بنیاد آپ کے دست فیض رساں نے ڈالی ہے جو خواتین ہند کے حق میں انشاء اللہ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی اور ایک سوشل زنجیر کے قائم مقام ہوگی۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک ہی محلہ کی بی بیاں جو ایک دوسرے کے ہمسایہ میں عمر بسر کرتی تھیں ایک دوسرے کی صورت سے کبھی آشنا نہ ہوتی تھیں۔ یا اب یہہ وقت آیا ہے کہ تمام ہندوستان کی معزز خواتین بیگم صاحبہ کے سایۂ عاطفت میں آج یہاں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو جلوہ گر ہیں اور اپنے ہم وطن و ہم قوم خواتین سے مل کر اس طرح خوش ہو رہی ہیں جیسے ایک ماں کی بیٹیاں اور سگی بہنیں مدت کی بچھڑی ہوی پھر کسی بڑی تقریب کے بہانے سے میکے میں آنکر ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔

اس ملاقات کا صرف یہی اثر نہیں کہ ایک دوسرے سے ہنس بول کر دو چار روز کاٹ دیں بلکہ وہ یہاں ایک دوسرے سے یہہ مشورہ کرنے آئی ہیں کہ اپنی اولاد کو کیونکر تعلیم دیں اور لڑکیوں کو کس طرح نئی روشنی کی چکاچوند سے بچائیں کونسی عینک ان کی آنکھوں پر لگائیں کہ اس تیز شعاع سے ان کی بینائی ضائع نہ ہو اور اپنی حالت پر قائم رہے۔ اس صلاح و مشورہ سے وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں۔ اور اپنے گھروں کو واپس جاکر

ان عمدہ مشوروں سے فائدہ اٹھائیں اور پھر بشرط حیات آیندہ سال اسی مقام محمود و جائے مسعود پر آنکر اپنا تجربہ ایک دوسرے سے بیان کریں۔

حضرات یہہ جلسہ اس غرض سے منعقد کیا گیا ہے کہ مختلف مقاموں کی تعلیم یافتہ خواتین یہاں سال میں ایک دفعہ ملا کریں۔ اس یک جائی سے ان میں ارتباط و اختلاط بڑھے اور تعلیمی و قومی اغراض کی نسبت ایک دوسرے کی رائے سے مطلع ہوں۔ آج کل بہت اہم مسئلہ جو ہمارے آگے درپیش ہے وہ ہمارے بچوں کی تعلیم ہے یعنی لڑکے لڑکیوں دونوں کی۔ لڑکوں کی تعلیم کی نسبت تو ہمارے مرد سالانہ جلسہ میں بحث کرتے چلے آرہے ہیں جن کا اثر تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے اور لڑکوں کی تعلیم کے طرف توجہہ کی جا رہی ہے۔ مگر میں یہہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ وہ بھی ہنوز بہت کچھ اصلاح و ترقی کی محتاج ہے جس کے متعلق ہم یہہ کہہ کر اپنے دل کو تشفی دے لینے کے عادی ہو گئے ہیں کہ سب کچھ ہوتے ہوتے ہوگا مگر لڑکیوں کی تعلیم جس کی طرف ہماری صدر الصدور جناب سرکار عالیہ مدظلہا العالی نہایت مستعدی کے ساتھ متوجہہ ہیں ہنوز ترقی کے پہلے زینہ تک ہی پہنچی ہے۔ مگر افسوس سخت افسوس اس بات کا ہے کہ پہلے ہی زینہ سے ایسی لغزش واقع ہوئی ہے کہ معلم و تلامذہ سب پھسل کر زینہ کے نیچے اوندھے منہ آگرے ہیں۔ معلوم نہیں آپ حضرات بھی اس امر میں میرے ہم خیال ہیں یا نہیں۔ میرا تجربہ اور میری رائے یہہ ہے کہ اس زمانہ کی تعلیم ہماری لڑکیوں کے لئے کسی قسم سے مفید مطلب نہیں ثابت ہوئی اور ہوتی کس طرح اس نے تو شروع سے نیم ملّا خطرۂ ایمان نیم حکیم خطرۂ جان کی صورت پیدا کرلی جس کی وجہہ سے بہت سے لوگ جو تعلیم کے حامی تھے

اس ناپسندیدہ صورت سے متنفر ہو کر پسپا ہو گئے۔ مگر ابھی تک حکمائے قوم نے یہہ مشخص نہیں کیا
کہ کونسا مرض مہلک ، و متعدی ہے جس کا مقابلہ حکمت و دانش سے نہیں کیا جا سکتا اور
جس کا انسداد ہمارے احاطۂ اختیار سے باہر سمجھا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں دانشوران قوم
و بہی خواہانِ ملک و ملت اس مرض کی موجودگی کے قایل ہیں یا نہیں۔ لیکن میں اتنا تو
کہوں گی کہ بے شک یہہ امر قابل غور ہے اور بغیر اس مرض منحوس کے مقابلہ کئے ہوئے
ہم اس عالی مقام پر نہیں پہنچ سکتے جہاں تک پہنچنا ہمارا نصب العین ہے یہہ مرض میری
رائے میں مغربی تہذیب کی عامیانہ تقلید سے پیدا ہوتا ہے ہماری نوخواندہ خواتین اے
بی سی کے ساتھ فیشن کی ایسی دلدادہ ہو جاتی ہیں کہ ہر رسم قدیم سے تنفر کرنا نئی روشنی کے
لوازمات سے سمجھنے لگتی ہیں۔ مذہبی قیود کی پابندی کو بند غلامی سے کم نہیں خیال کرتیں۔
بڑوں کا لحاظ۔ ساس سسروں کا ادب۔ والدین کی فرمانبرداری۔ مہمانوں کی مہمان داری
قدیم ملازموں سے حسن سلوک سب ان کے خیال میں جاہلانہ طریقے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور آزادی
کی ہوس ان کے دل و دماغ پر ایسی چھا جاتی ہے کہ دوسری چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی
بال بنانا۔ پوڈر لگانا ہاتھ کی گھڑی پہننا ڈرائنگ روم آراستہ کرنا اس میں چاء کی کشتی تین بجے
سے آراستہ کر کے پانچ بجے آنے والی میم صاحبان کے انتظار میں بیٹھے رہنا اور ان کے
تشریف لے جانے کے بعد مس ان ایم احمد اور مس ایم ایم اکبر سے ملاقات کے لئے موٹر میں
دوڑتے پھرنا یہی تہذیب و علم کی غرض اور اس کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی بڑی بوڑھی
والدہ۔ خالہ۔ ساس۔ نند جرات کر کے حرف نصیحت زبان پر لائے تو بیٹی۔ بھانجی۔ بہو۔ بھاوج

ٹکا سا جواب سنا دیں کہ ہم کسی کی مروت نہیں رکھتے جو جی میں آئے گا اور ہمارے نزدیک درست ہے وہی ہم کریں گے چاہے کوئی کچھ ہی کہے۔ بال بنانا، پوڈر لگانا، ہاتھ کی گھڑی پہننا، ڈرائنگ روم آراستہ کرنا، لوگوں سے ملاقات کرنا، کوئی مذموم بات نہیں، نہ ان پر کسی طرح کا اعتراض سمجھ دار آدمی کر سکتا ہے۔ مگر اس کو زندگی کا حاصل مقصد بنانا غلطی ہے۔ میں مغربی تہذیب کے خلاف ہرگز نہیں ہوں اور نہ اس کو برا سمجھتی ہوں۔ مگر بدقسمتی سے ہم لوگ اور ہمارے مرد سب اس کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی کرتے ہیں بلکہ مغربی تہذیب کے جو نقائص ہیں ان کو وہ اختیار کرتے ہیں اور جو اس میں اچھی چیزیں اور قابل اختیار کرنے کے ہیں ان سے گریز کرتے ہیں اور ناحق مغربی تہذیب کے بدنام کنندہ ثابت ہوتے ہیں۔ آپ صاحبین یہہ فرمائیں گی کہ بڑوں کی نافرمانی اور سخت کلامی تو یہہ عیب جاہل عورتوں میں تو بہت اور اکثر پایا جاتا ہے، پھر نو آموز خواتین کی تخصیص کیوں کی گئی۔ اس کا جواب یہہ ہے کہ تعلیم سے امید یہہ تھی کہ ان سب عیبوں کو دور کردیتی اور جب یہہ تعلیم ان اغراض کو پورا نہ کرسکی تو وہ قابل تشفی نہیں خیال کی جاسکتی اور دوسرے طریقے تعلیم کے سوچنے کی ضرورت ہوئی جو ان عیوب کو دور کردیں۔۔

ہندوستانی گھروں میں اکثر یہہ شکایت سننے میں آتی ہے کہ شوہر کا سلوک اپنی زوجہ کے ساتھ برا ہے۔ لڑکی کے لئے رات دن جلنا کڑھنا ہے۔ اب خدا کے فضل سے مردوں میں یہہ حوصلہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی بی بیوں کو آدمی سمجھنے اور ان کے آرام و آسائش کی فکر کرنے لگے ہیں۔ مگر عورتوں میں اب یہہ شکایت نظر آتی ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو تنگ کرتی ہیں

اور ان کی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے سے اپنی اور میاں کی زندگی کو تلخ کر رہی ہیں۔ اپنے
سے زیادہ حیثیت والوں اور مال دار لوگوں کی برابری کرنی چاہتی ہیں۔ سوسائٹی کا چسکا ہے۔
پھرنے اور دعوتیں کرنے کا شوق ہے۔ معاش کم ہے مگر آرزوئیں بہت ہیں پھر کیونکر گزران ہو
شوہر جب کام کاج سے تھک کر گھر آتا ہے تو بی بی کی فرمایش سنتے سنتے دق ہو جاتا ہے اور
گھر سے بیزار ہو کر کہیں اور دل بہلانے کا ذریعہ پیدا کر لیتا ہے۔ یہ شکایت اب بہت عام
ہوتی جاتی ہے اور مرد لوگ نئی تعلیم پر اس کا الزام رکھتے ہیں جو درحقیقت درست نہیں ہے
میری رائے ناقص میں یہ خرابی اس طرز معاشرت سے پیدا ہوتی ہے جو اس زمانہ میں
رائج ہے۔ یعنی ماں باپ کی ناسلموں کی سی حالت جو کسی اصول اور قواعد کے پابند نہیں
ماں باپ کی تربیت اور ان کی طرف سے غفلت بچپن میں لونڈی باندیوں چھوکریوں اور
رذیلوں کی صحبت ان کی بدزبانی اور غیر مہذب الفاظ اور جاہلانہ روش کا اثر بچوں کے
دلوں پر اس طرح ہو جاتا ہے کہ آئندہ کی کچھ تھوڑی بہت تعلیم جس کا خیال ماں باپ کے
دل میں اس خرابی کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس کے اثر کے دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی
اور اس طرح سے تعلیم پر غیر تعلیم یافتہ لوگ الزام رکھتے ہیں۔

دوسری تعلیم جس کا ڈنکا آج ہر گھر میں بج رہا ہے اس کی اصلیت بھی اس سے
زیادہ نہیں کہ کچھ انگریزی بولنا اور پیانو بجانا آجائے اور زیادہ زمانہ بچپن کا اس ظاہری تعلیم
کے حاصل کرنے میں صرف ہوتا ہے یہاں تک کہ لڑکی کا سن سترہ اٹھارہ کا ہو جاتا ہے اور
شادی کر دی جاتی ہے۔

زمانہ تعلیم میں جو انگریزی فارسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں مفید مضامین خانہ داری و پرورش اولاد کے متعلق نہیں ہوتے اس لئے جب یہہ نیا بار اُن کے اوپر پڑتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرنے کے اہل نہیں ثابت ہوتیں نہ مردوں کو اس قدر صبر و حوصلہ ہوتا ہے کہ اس کمی کو صبر و تحمل سے برداشت کر کے اس کے پورا کرنے کی کوشش کریں اور حکمت عملی سے اپنی نئی دلہنوں کی تعلیم کرلیں نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ شروع ہی سال سے ناچاقی کی بنیاد پڑجاتی ہے۔

مکتب میں تو لڑکیاں جیسا میں نے عرض کیا کچھ پیانو بجانا اور انگریزی بول چال سیکھ لیتی ہیں بس وہی ان کی تعلیم سمجھی جاتی ہے یہہ کسی صورت میں زیادہ لکار آمد تو ثابت نہیں ہوتی مگر اصل چیز تربیت بھی ہمارے نصیب سے میسر نہیں ہوتی اور ہو تو کیونکر ہو اور کہاں سے ہو تربیت تو گھر ہی میں بچہ پا سکتا ہے مگر جس وقت اکثر اور عموماً گھروں کا یہہ حال ہے کہ یا تو بی بی کسی کمزور میاں پر حاوی ہوگئی ہیں اور اپنی من مانی حکومت بچوں اور میاں پر کرتی ہیں اور آدھی آمدنی جھاڑ پھونک ٹونہ ٹوٹکے میں جاتی ہے باقی آدھی ارمانوں کے پورا کرنے میں صرف ہوتی ہے آج کسی بچہ کی سالگرہ، کل کان چھیدن پرسوں بسم اللہ ہے۔ گھر کا خرچ ادھار پر چلتا ہے۔ گھر میں آئے دن کی لڑائی رہتی ہے۔ میاں زندگی سے عاجز نظر آتے ہیں۔ بچے ہیں کہ دل ملول کونہ کونہ ماں باپ سے چھپتے پھرتے ہیں۔ ایسے گھر کا کونسا اصول قائم ہو سکتا ہے اور کیا انتظام تربیت ترتیب پا سکتا ہے۔

دوسری صورت جو زیادہ عام ہے وہ یہہ ہے کہ مرد اپنی آمدنی کو خود جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں بی بیوں کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں کہ آمدنی کس قدر ہے اور کیا ہوتی ہے

کچھ تھوڑا بہت روپیہ ضروریات خانگی کے لئے بی بی کو دے دیا گیا اور اس میں یہ امید کی گئی کہ وہ سب کچھ کرلیں۔ بچوں کو تعلیم بھی دے لیں۔ میاں دنیا بھر کی فضول خرچی کرتے رہیں بی بی دمڑی دمڑی جوڑ کر پیسہ کریں اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر عمر کاٹیں۔ بس اس صورت میں کوئی عمدہ صورت گھر کی اور تربیت اولاد کی پیدا نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ایسے گھروں میں گھر والوں کے دل ناخوش طبیعت مضمحل رہتی ہے اور کسی انتظام کی طرف نہ بی بی مائل ہوتی ہیں نہ میاں۔ بچوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ دو ملاؤں میں مرغی حرام۔ بہت سے ایسے گھر بھی ہیں کہ جہاں ایک سے زیادہ زینت محل رونق افروز ہیں پھر وہاں کا تو کیا کہنا ہے رات دن لڑائی بھڑائی میں ہی کٹنا ہے۔ جوتیوں دال بٹتی ہے۔ دنیا و آخرت سب کچھ جلاپے میں فراموش ہو جاتی ہے پھر اولاد کی تعلیم کیونکر ہو۔

اے حضرات ہم کو دنیا میں کسی طرح کی ترقی کرنے یا تعلیم میں سب کی برابری کرنے کی آرزو عبث ہے جب تک ہم اپنی طرز معاشرت اور گھر کی حالت کو پسندیدہ نہ بنائیں۔ بے شک مسلمانوں میں بھی خوش حال گھر ہیں مگر ان کی مثال الشّاذ کالمعدوم کی ہے۔ جب تک ہمارے گھروں میں میاں بی بیوں میں اتحاد محبت نہ ہو گھر کا انتظام دونوں کی رائے سے نہ انجام پائے ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ ہمدرد چاہنے والا مونس غمخوار عاشق جاں نثار نہ ثابت ہو اور جب تک ہم بھی اپنے انگریز بھائیوں کی طرح

Home home sweet sweet home

There's no place like home.

Mid pleasures and places though we may roam
Be it ever so humble there is no place like home
A charm from the skies seems to hallow us there
Which seek thro' the world is ne'er met with
else-where.

کے نعرے خوشگوار نہ لگا سکیں - اور ہوم یعنی گھر کے عیش و آرام کا وہ حظ و مذاق نہ پیدا کرلیں جو ہمارے انگریز بھائی بہنوں کو حاصل ہے - ہماری قوم اور ہماری اولاد کی تعلیم کی بنیاد کسی محکم و استوار اخلاق پائداری پر مبنی نہیں ہوسکتی - ہر قوم کی روحانی اخلاقی تعلیمی ترقی کے لئے صحت کلی قوے کی درستی اور پختگی بھی ضرور ہے بلکہ اس کے بغیر کسی قسم کی ترقی اس دنیا میں ناممکن ہے بلکہ "ایں خیال است و محال است و جنوں" کی مصداق ہے - ابھی اس طرف جیسی چاہیئے ویسی توجہ نہیں کی گئی ہے - بہت سی بیماریاں مثل جذام، طاعون، ہیضہ کے انگلینڈ سے بالکل نکال دی گئی ہیں - اور سائنس نے ان کا مقابلہ کرکے ان تباہ کن دشمنوں سے ملک کو بالکل خالی کردیا ہے اور ابنائے ملک اب ان کے حملوں سے بالکل مصئون و محفوظ ہیں - حالانکہ ہمارا ملک انھیں امراض کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو رہا ہے - وہ قواعد حفظ صحت جس کی پیروی سے دوسری قوموں نے ان موذی امراض کے ہاتھوں سے چھٹکارا پایا ہے ان کو ہم کیوں نہ سیکھیں اور اس روش کو کیوں نہ اختیار کرکے اپنے ملک سے بھی ان امراض کو دور کریں بلکہ کیوں یہہ قاعدہ کلیہ نہ بنالیا جائے کہ کوئی متنفس مرد وزن تاوقتے کہ صحت کلی کا صداقت نامہ پیش نہ کرسکے

کتخدائی کا مجاز نہ سمجھا جائے اور فرقہ اناث کو ناگفتہ بہ تکالیف و مصیبت سے نجات دی جائے۔

ایک واقعہ اس قسم کی شادی کا میری نگاہوں سے بھی گذرا ہے کہ ایک شخص جو مرض دق میں مبتلا تھا اس کی والدہ اور دادی نے اسی حالت میں اس کی شادی کر دی اور جس روز عروس جو سولہ برس کی تھی دولھا کے گھر بیاہ کر اتری اسی دن دولھا کا انتقال ہو گیا۔ اس لڑکی نے عقد ثانی سے انکار کیا اور تمام عمر بیوہ بن کر کاٹی۔

"بریں عقل و دانش بباید گریست"

اس قسم کا ایک واقعہ کلکتہ میں بھی گذرا ہے جہاں ایک کمسن لڑکی مائیوں بٹھائی گئی۔ جس کمرہ میں اس لڑکی کو بٹھایا تھا وہ نہایت چھوٹا اور تاریک تھا اس میں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہ تھا اس پر عزیز و اقربا ہر وقت وہاں لڑکی کے پاس جمع رہتے تھے اس بندش اور تاریکی سے لڑکی کو بخار آ گیا جس کا کچھ خیال نہ کیا گیا۔ اور رسم کے بموجب برات کی رات حمام بھی دیا گیا۔ پھر وہ کل رسمیں ادا کی گئیں جو برات کی رات کو کی جاتی ہیں لڑکی سر جھکائے سہرے اور کپڑوں کے دباؤ میں بیٹھی رہی اور شرم و لحاظ کے سبب سے اُف نہ کیا بعد جلوہ کے دولھا دلہن کو گود میں اٹھا کر لے گیا۔ گھر میں جب دلہن کو اتارا گیا تو دلہن کو مردہ پایا اور ایک معصوم کی جان رسم کے دیوتا پر چڑھا دی گئی اور عورتوں نے جان جائے مگر رسم نہ جائے کی مثل پوری کر کے دکھا دی۔

اصول صحت سے ناواقفیت اور اصول صحت سے لاپروائی قابل واگزاشت و قابل معافی نہیں ہے۔ جیسے کوئی قانونی ارتکاب جرم میں لاعلمی سزا سے نہیں بچا سکتی۔

اسی طرح خدا کے مقرر کردہ قانون کا توڑنے والا بھی سزا سے چھوٹ نہیں سکتا۔ خدا کی ترازوئے عدل اس دنیا میں ایسی لگی ہوئی ہے کہ اس میں سرمو فرق نہیں ہوتا۔ جو محنت کرتا ہے وہ صلہ پاتا ہے اور اس کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور جو کاہلی اور سستی میں بسر کرتا ہے وہ محروم رہ جاتا ہے اس کو نہیں ملتا ہے

بس اب ثروت ہے مردوزن کا حصہ اے تن آسانو گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہتریاں عیش کرتے تھے

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی انسان کو اس قدر ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے حفظ صحت وصفائی کی پابند قومیں بیماریوں سے آزاد رہتی ہیں اور اپنے وقت کو عمدہ کاموں اور تحصیل علوم سائنس وصنعت وحرفت انواع واقسام کے ایجادات میں صرف کرتی ہیں لکیر کی فقیر قومیں جو زمانہ کے رفتار کے ساتھ نہیں چل سکتیں وہ پیچھے رہ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا نام قوموں کی فہرست سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے ایسی قوموں کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جنہوں نے مغربی تہذیب سے فائدہ کلی اٹھایا اور ان کے ان ایجادات وعلوم وفنون سے بہرہ ور ہو کر سربرآوردہ قوموں کی فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔ سائنس کی تکمیل کی نئی ایجادات کیں تجارت میں حیرت انگیز ترقی کی۔ اس کے ساتھ ہی اپنی قومیت حمیت حب الوطنی اپنی پوشاک اپنے طریقے سب قائم رکھے اور اس میں صفائی وستھرائی اور نفاست ونزاکت پیدا کی۔ نہ ہماری طرح ظاہر کے فریفتہ بوٹ شوز ونکٹائی کھانے کے گھنٹے کی آواز مس ایم این وحید الزماں۔ مس ال پی ولی داد خاں کی لامعنی اختراع اور غیر ضروری دکھاؤ کے دلدادہ بن گئے اور اپنی کی کو تقدیر کے ماتھے منڈھ دیا۔ غیر ضروری

اس لئے کہ اسلام نے عورت کو ایسا مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی ہر چیز کی آپ مالک ہے اور شخصیت ذاتی رکھتی ہے اس کو ضرورت نہیں کہ کسی کا نام اس کے نام کے پیچھے لگایا جائے جو چیز دراصل سیکھنے کی ہے وہ صفائی ہے۔ ظاہری و باطنی صفائی اور سچ پوچھئے تو صفائی بڑی اسلامی صفت ہے۔ ہم کو کیا غرض ہے کہ کسی سے اس کو سیکھیں اس کو تو ہم ہی نے ساری دنیا کو سکھایا ہے۔ اول طہارت پیچھے نماز الطہور نصف الایمان یہہ تو ہمارا دینی اصول ہے۔

جب خدا کا فرشتہ غار حرا میں ہمارے پیغمبر پر نازل ہوا تو پہلے اس نے قلم کی تعلیم سکھائی اور اقراء کا حکم سنایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔

اور دوسرا حکم وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کا ہوا یعنی کپڑوں کی صفائی اور طہارت کا حکم آیا۔ صفائی کی تعلیم تو سب سے پہلے اسلام نے دی ہے۔ ہم اپنی ہی چیز کو خود بھول گئے۔

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے ۔۔۔ کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نام آبا کو ہم سے گہن ہے ۔۔۔ ہمارا قدم ننگ اہل وطن ہے

بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت ۔۔۔ نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت ۔۔۔ خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت

عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

نہ اہلِ حکومت کے ہمراز ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ جلسوں میں شایانِ اعزاز ہیں ہم
نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم

نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

بچوں کی تعلیم کی بنیاد اگر مذہب پر رکھی جائے تو یقیناً وہ کامیاب ثابت ہوگی نہ صرف زبانی تعلیم بلکہ گھر والوں کی بھی مثال ان کے سامنے ہو جو اصول اسلام کے پابند ہوں اور اس کے ہر ایک حکم کو بجا لاتے ہوں۔

غیبت وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کیا کرو کیا تم کو اچھا معلوم ہوگا کہ تم اپنے کسی مرے ہوئے بھائی کی نعش کو نوچ نوچ کر اس کا گوشت کھاؤ۔ اگر تم کو اچھا نہیں معلوم ہوتا تو اس کی غیبت بھی مت کیا کرو کہ یہ بھی بالکل اس کے مردہ کو کھانا ہے۔

جھوٹ، برائی، بدعہدی، کثافت سب سے پرہیز کرتے رہو اور عبادت، خیرات کار خیر، پاس اقربا، پاس ہمسایہ والدین کی فرمانبرداری، گھر والوں سے محبت، نرم زبانی۔ اخلاق، بڑوں کا ادب، علم کی رغبت، عالم کی تعظیم، ماں باپ کا ادب، خدا کا خوف راست بازی، ایفائے وعدہ، نرم گفتاری، محنت مشقت، وقت کی پابندی، ملازمین

ضعفاء کے ساتھ حسن سلوک، کفایت شعاری، مہمان نوازی، سخاوت، غصہ کا پی جانا، خطا سے درگزر کرنا، دوسرے کا خیال رکھنا، نیکی کرنے کی خواہش، بدی سے نفرت، صوم و صلوٰۃ کی پابندی ان اوصاف کا برتاؤ اور روزانہ زندگی میں استعمال دیکھ کر بچے بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان میں یہہ اخلاق خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ گھر کی طرز معاشرت کا بڑا اثر بچوں کے اخلاق پر پڑتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا گھر تعلیم یافتہ ماں بہنوں سے مزین ہے اور جو ایک شائستہ گھر کا "ہال مارک" یا تمغہ حاصل کر کے دنیا کی زندگی شروع کرتے ہیں۔ اخلاق کی تعلیم زبانی نہیں ہوسکتی کسی بچے سے اگر دن رات یہہ کہا جائے کہ تم جھوٹ مت بولو اور نرم زبانی اختیار کرو تو اس پر کچھ اثر نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ خود والدین اور ان لوگوں کو جن کے ساتھ وہ رہتا ہے جھوٹ سے پرہیز کرتے اور سچ بولتے نہ دیکھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جھوٹ سے نفرت اور سچائی کی عادت اور ہمیشہ سچ بولنے کو لازمی و واجب سمجھنا ایک بہت بڑا اور لازمی جزو ایمان کا اور تعلیم کا ہے۔ بغیر اس زرین اصول کی پابندی کے آدمی متقی یعنی Gentleman نہیں بن سکتا۔

جب تک تعلیم و تربیت میں روحانی، جسمانی و دماغی تینوں فنون کا نشوونما مدنظر نہ ہو لامحالہ وہ تعلیم ناقص رہے گی۔ لڑکیوں کی تعلیم میں ضرور ہے کہ ان کے آئندہ فرائض کا لحاظ رکھا جائے۔ پکانا، سینا، تیمار داری کرنا اور چوٹ کھائے ہوؤں کی فوری امداد، علم حفظان صحت کا سیکھنا بعد امور مذہبی کے فرض سمجھا جائے اور مذہبی تعلیم اس طرح کی ہو کہ اس میں کسی تعصب کو دخل نہ ہو۔ مذہب اسلام دنیا سے تعصب اٹھانے آیا ہے نہ پیدا کرنے

سکھایا ہے ہمیں اسلام نے یہہ کس فصاحت سے
کہ مسلم سب رہیں آپس میں یک دل یک زباں ہوکر

سر مو بھی نہیں ہے فرق شیعہ اور سنّی میں
مٹا دیں سارے جھگڑے مولوی گر درمیاں ہوکر

نکما کرکے چھوڑا ہم کو آپس کی خصومت نے
امنگیں دل کی دل ہی میں رہیں دردِ نہاں ہوکر

تعلیم کے لئے مدارسِ نسواں جس میں لائق معلمہ ہوں اور پردہ کے ساتھ لڑکیاں تعلیم پائیں جا بجا کھولے جائیں۔ قرآن، اُردو، فارسی، انگریزی کی تعلیم دی جائے اور سینا، ہر طرح کے لباس کا قطع کرنا، کھانا پکانا، ہوم نرسنگ، فرسٹ ایڈ، علم حفظِ صحت اور انتظام خانہ داری اور بچوں کی پرورش کے متعلق سبق دیئے جائیں، امتحان ان چیزوں میں لئے جائیں اور کامیاب طلبہ کو انعام دئے جائیں کہ اس طرف زیادہ توجہ کریں۔ باڈمنٹن، ٹیمنس وغیرہ ودیگر کھیل کود اور ورزش وغیرہ کا انتظام اسکول میں کیا جائے کہ لڑکیوں کے جسم میں پھرتی آئے اور قوی مضبوط ہوں۔ اُردو اور فارسی کی تعلیم اس طرح پر دینا چاہئے اور یہہ امر ہمیشہ مد نظر رہنا چاہئے کہ علمی مذاق لڑکیوں میں پیدا ہو۔ اُردو و فارسی کو وہ مزہ لے کر پڑھیں نہ طوطی کی طرح۔ فارسی درس تدریس کے لئے سعدی کی گلستاں و بوستاں سے بہتر کتابیں میسر نہیں ہوسکتیں۔ مگر ان کو میاں جی جس طرح رٹاتے ہیں نہ رٹایا جائے اور مذہب وملت کا پاس اور محبت سکھائی جائے بقول سعدی؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

میپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےؐ

بہت سی ہندوستان کی قدیم دستکاریاں جو ہمارے بزرگوں کو آتی تھیں اب مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ ہر شخص ان کے کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اپنے ہنروں کی

حقیقت نہیں سمجھی جاتی حالانکہ وہ بدرجہا بہتر ہیں۔ مثل چکن، چنری، جالی، مسالہ، نین سکھ کے بیل بوٹے بنانا۔ ان قدیم دستکاریوں کو جاری رکھنا ضروری ہے ورنہ رفتہ رفتہ بالکل مفقود ہوجائیں گی۔

ہم کو ایک بہت بڑا سبق اپنی انگریز بہنوں سے سیکھنا چاہیئے وہ ان کی غربا نوازی ہے۔ شہزادیوں سے لے کر متوسط درجہ کی بی بیاں غربا کی نگہداشت کو اپنا فرض سمجھتی ہیں اور اپنا وقت اور روپیہ بکثرت ان کی خبرداری اور ان کی حالت کے بہتر کرنے میں خرچ کرتی ہیں۔ جھونپڑوں میں جاکر بیمار بچوں کو لے کر بیٹھتی ہیں۔ ان کی دوا درمن کرتی ہیں اپنے گھر سے ان کے لئے کپڑے اور غذا لے جاتی ہیں اور ان کو بائبل پڑھ کر سناتی ہیں اور ان کے ساتھ دعا و نماز پڑھتی ہیں یہہ پہلو ہماری یوروپین بہنوں کی زندگی کا نہایت ہی دلربا و دلفریب اور قابل تحسین و آفریں ہے نیز اُن کو اپنے مذہب کی اشاعت کے ساتھ ایک دلی لگاؤ و ہمدردی ہے۔ اور دامے، درمے قلمے، سخنے کسی طرح کی کمی اس راہ میں وہ نہیں کرتیں۔ اور اس راہ میں جو کچھ ہمارا حال ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ صرف حافظ کا قول دہرا دینا کافی ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ہمارے لئے یہہ چیزیں ان سے سیکھنے کی ہیں۔ اگر ہماری آرزو ہوتی کہ دنیا میں ہم دوبارہ ایک زندہ قوم بن کر نمود حاصل کریں تو شاید ہم ایسا ہی کرتے لیکن ہم تو نمایش کے دلدادہ ہیں اپنی زندگی لطف و لذت میں کٹے۔ کچھ لباس کی تعریف ہو جائے۔ کچھ کھا پی لیں۔ اور باقی جو ہو سو ہو اور اپنی کاہلی ولاپروائی کے لازمی نتیجہ کو تقدیر کے ماتھے منڈھ دیں اور لَا یُغَیِّرُ اللّٰہُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کی زندہ مثال بن کر اولی الابصار کے لئے مایۂ عبرت رہیں۔

ہمارے حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی نیک خواتین نے اب اس کمی کو محسوس کرنا شروع کردیا ہے اور پانچ برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک انجمن قائم کی ہے۔ اس انجمن کا نام "انجمن خواتین اسلام" رکھا ہے۔ اس انجمن میں کوئی فیسِ داخلہ نہیں لی جاتی ہے۔ اور ماہانہ فیس جس کا جو جی چاہے وہ دیتا ہے، بعض بی بیاں پانچ روپے ماہانہ دیتی ہیں۔ بہت سی صرف ایک ہی روپیہ ماہانہ دیتی ہیں۔ یہہ روپیہ غریب غربا کو مفت تعلیم دینے میں خرچ کیا جاتا ہے اس طرح پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ اس میں بوریے کا فرش اس پر دری بچھادی جاتی ہے اور ایک دو معلمہ پڑھانے کو مقرر کردی جاتی ہیں۔ وہاں غربا کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں یعنی سینا، پکانا، پڑھنا، لکھنا سکھایا جاتا ہے اور جالی وغیرہ کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو کتابیں بھی منگوادی جاتی ہیں۔ ایک اسکول شہر میں بھی کھولا گیا ہے وہاں گاڑیاں رکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اور وہ اسکول انجمن کے مقاصد سے بہت بڑھ گیا۔ اس لئے سرکاری مدارس میں لے لیا گیا اب اس میں نوے لڑکیاں آتی ہیں۔

اس انجمن کا جلسہ ہر مہینے میں ایک دفعہ ہوا کرتا ہے۔ کوئی نہ کوئی رکن اپنے گھر دعوت کرتا ہے۔ وہاں دیگر اراکین جمع ہوتے ہیں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ کوئی مضمون پرورشِ اولاد، خانہ داری، دین داری اور وقت کی پابندی کے متعلق جلسہ دینے والی بی بی پڑھتی ہیں پھر چائے وغیرہ کے بعد لوگ اپنے گھر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس انجمن کا مقصد یہہ ہے کہ جہاں تک اس سے ممکن ہو اسلامی اخلاق سکھائے اور اشاعتِ اسلام کی طرف توجہہ دلائیں۔ اور غریب غربا کی لڑکیاں جب نوشت و خواند سے بخوبی واقف ہو جائیں تو تعداد کثیر میں اُن کو نرسنگ سکھادی جائے۔

اس لئے کہ امیروں کے لئے نرس بلانا کوئی بڑی بات نہیں وہ پانچ روپے دس بیس روپے روز دے کر نرس بلا سکتے ہیں مگر غربا کے لئے بے حد ضرورت ہے کہ تعلیم یافتہ نرسیں ان تک پہنچائی جائیں یہہ جب ہی ممکن ہے کہ اردو لکھنا پڑھنا عام ہو جائے۔ اور انھیں میں سے بہت سی لڑکیاں نرسنگ کی باقاعدہ تعلیم پاکر ان کی مدد کو پہنچ سکیں اور ان کی فیس روپیہ یا آٹھ آنے روز سے زیادہ نہ ہو۔ یا حسب حیثیت بیمار کے ان کی فیس مقرر کی جائے۔ میری رائے ناقص میں اگر ایسی انجمنیں ہندوستان کے ہر شہر میں قائم کی جائیں اور یہی کام کریں تو غربا کی تعلیم بھی مفت ہو جاتی ہے اور ایک بہت بڑے مسئلہ کا حل یوں بآسانی ہو جاتا ہے۔ متوسط درجہ کے لوگوں کو غربا کی طرف توجہہ کرنے کی عادت بھی پڑتی ہے۔

میرے عزیز چچا میجر سید حسن بلگرامی مرحوم و مغفور اس کے بڑے حامی تھے۔ اور اس انجمن کے قیام سے نہایت خوش ہوتے تھے۔ ان کی یہہ رائے تھی کہ ہمارے یہاں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی کل تعلیم اپنی زبان میں دی جائے اور انگریزی ایک علٰحدہ زبان کی طرح سکھائی جائے۔ بڑے بڑے اراکین قوم کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن اس صورت میں بہت سی دقتیں ہیں۔ پہلے کل علوم کی کتابیں ہماری زبان میں ترجمہ ہو جائیں۔ پھر سیکھنا شروع ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہہ کہ اردو میں جغرافیہ ہندسہ، کیمسٹری پڑھنے والا جب انگریزی کتابوں میں یا اخبار میں اس کا حال پڑھے گا تو اس کو سمجھنے میں دقت ہوگی۔ بحر قلزم، بحر اقیانوس، بحر ظلمات وغیرہ کے واسطے انگریزی میں کیا الفاظ ہیں۔ اس کو کیونکر معلوم ہوگا، جب تک کہ وہ ان ناموں کو انگریزی میں نہ جانے اگر کوئی کمسٹری داں ڈاکٹر جس نے اپنا علم اردو زبان میں سیکھا ہو اس کا نسخہ معمولی کمسٹ کی دوکان پر جائے تو وہ

ردّی کاغذ کے برابر سمجھے گا۔

میرے والد نواب عماد الملک بہادر نے اپنی نظامت تعلیمات میں ایک اسکیم اُردو یونیورسٹی قائم کرنے کی بنائی تھی جو بفضلہ اب ہمارے بادشاہ جمجاہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوئی ہے۔ اس یونیورسٹی کے متعلق جو ترجمہ کا محکمہ قائم کیا گیا ہے اس میں نہایت لایق لوگ جمع کئے گئے ہیں وہ عنقریب عمدہ و مفید کتب کا ترجمہ اُردو زبان میں کردیں گے۔ رفتہ رفتہ یہہ یونیورسٹی بھی بفضلِ الہٰی گرناڈا اور نظامیہ کے ہمسر ہو جائے گی۔

حیدرآباد میں تعلیم نسواں کے لئے میری مرحومہ والدہ کی کوشش سے جن کو لڑکیوں کی تعلیم سے کمال دلچسپی تھی، ایک مدرسہ کھولا گیا تھا جس میں خود اعلیٰ حضرت غفران مکاں بہت دلچسپی رکھتے تھے اور طلبہ کو انعام اپنی جیب خاص سے دیا کرتے تھے۔ اِس وقت بہت سی بی بیاں ایسی ہیں جو وہاں کی تعلیم پائی ہوئی ہیں۔ اب ان کی بیٹیاں وہاں پڑھ رہی ہیں۔ دوسرا اسکول لیڈی کیاسن واکر صاحبہ کی کوشش سے حیدرآباد میں بارہ برس ہوئے کہ قائم کیا گیا ہے۔ اس میں کل یوروپین معلمین ہیں اور مکان اس کے لئے بصرف کثیر خریدا گیا ہے۔ اور اس میں ایک بڑی عمارت بنائی گئی ہے۔ اس میں ہر قسم کی تعلیم لڑکیوں کو دی جاتی ہے۔

تعلیمی حالت میں بھوپال ہمارے یہاں سے کم نہیں۔ اور یہہ مرتبہ تعلیمی مدارج میں بھوپال کو علیا حضرت والاشوکت جناب نواب سلطان جہاں بیگم فرماں روائے بھوپال کی وجہہ سے نصیب ہوا ہے۔ ایک دوسرا کارِ عظیم جو بیگم صاحبہ کی جبین پر گواہی دے رہا ہے آپ کا اُس آمدنی کو مسدود کرنا ہے جو سیندھی، تاڑی وغیرہ سے حاصل ہوتی تھی۔ اگر مسلمانانِ ہندوستان د

دیگر ممالک میں یہہ ہمت وحمیت مذہبی پیدا ہو جائے تو پھر ہماری قوم ایک زندہ قوم بن سکتی ہے
اب دنیا نے تجربہ سے یہہ جان لیا ہے کہ اصولِ اسلام بہترین اصول ہیں اور اس کی پابندی سے
اعلیٰ درجہ کا سویلزیشن حاصل ہو سکتا ہے جب مسلمانوں میں ایسی ہمت پیدا ہو جائے گی کہ وہ
ہر ایک جلسہ میں چاہے اس میں کل یوروپ کے سلاطین کیوں نہ جمع ہوں جب ان کو شراب
پینے کو کہا جائے تو وہ صاف انکار کریں، اور یہہ جواب دیں کہ یہہ ہمارے مذہب میں حرام ہے۔
ہم اس کو چھو نہیں سکتے۔ یا اگر کسی کی دعوت کریں، چاہے وہ کیسا ہی مرتبہ والا ہو مگر اپنے گھر
اس کو شراب نہ دیں اور یہہ کہیں کہ کسی مسلمان کے یہاں یہہ چیز نہیں آسکتی تو خود اس مہمان
کے نزدیک اپنے میزبان اور اس کے مذہب کی کس قدر توقیر ہو گی۔ جب تک ہم یہہ نہیں کر سکتے ہمارے
مذہب کی عزت غیر مذہب والوں کی نگاہ میں نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک مسلمانوں میں یہہ حمیت
و پاسِ مذہب نہ پیدا ہو جائے وہ زندہ قوموں میں شمار ہونے کے قابل نہیں بن سکتے۔ جب
تک وہ اپنے مذہب کے آداب اس کی عزت و توقیر کو ہر دنیوی کام پر ترجیح نہیں دے سکتے اور
حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل کو اپنا نصب العین ونقشِ نگین بنا کر جرأت کے ساتھ اپنے مذہب کی
عظمت کو برقرار رکھنے کی ہمت نہیں پیدا کر سکتے اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ساتھ ہم زبان ہو کر
اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ نہیں کہہ سکتے تب تک ان کی حالت
درست نہیں ہو سکتی۔

بہت سے لوگ یہہ ضرور کہیں گے کہ تعلیمی انجمن میں شراب کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ یہہ
ایک بے موقع بات کہی گئی مگر میری رائے ناقص میں تعلیم سے کچھ منفعت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے

جب کہ مذہب کی بنیاد پر اس کی عمارت قائم کی جائے۔ اور ان اوامر و نواہی وسنن حضرت رسالت پناہی کی شد و مد سے پیروی کی جائے اور اس کی پیروی کرنا نہ صرف ہمارے لئے عقبیٰ کی نجات ہے۔ بلکہ دنیوی سعادت بھی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے مذہب نے ہم کو یہہ نہیں سکھایا ہے کہ ہم تارک الدنیا ہو کر ایک کونے میں پڑ رہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لئے یہہ فرمایا ہے کہ یہہ فرقہ گوشۂ عزلت میں رہ کر اپنا بارِ معیشت دوسروں پر ڈالتا ہے اور اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ اور ان کا گناہ سے بچنا بھی قابلِ تعریف نہیں۔ اس لئے کہ وہاں کوئی شئے ایسی نہیں کہ ان کو گناہ کی طرف راغب کرے۔ ان کی عبادت دیکھ کر عوام الناس دھوکا کھاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا گناہوں سے بچنا قابل تعریف نہیں۔ محرکات عصیاں کے موجود ہوتے ہوئے اس سے منہ موڑنا یہہ قابل تعریف امر ہے۔ چنانچہ مولانا جلال الدین محقق دوانی فرماتے ہیں۔

"جماعتے کہ از مردم عزلت و وحشت اختیار کنند و بکلّی از معاونت بنی نوع فرار و اجتناب نمایند و بارِ اسبابِ معیشت خود بر مردم تحمیل کنند و آں را زہد نامند و فضیلت دانند و حال آں کہ ایں جورِ محض است چہ غذا و لباس از بنی نوع فراگیرند و در عوضِ آں ہیچ نفعے بایشاں نہ رسانند و بہائے آں نگزارند۔ چوں بواسطۂ عدم اسباب افعالِ رذیلہ از ایشاں نشود عوام ایشاں را از اہلِ فضیلت پندارند و ایں کمالِ خطاست چہ عفت نہ ترکِ شہوت است، بلکہ استعمالِ او بر وجہہ عدالت"

اور یہی اسلام کا لب لباب ہے۔ خدا نے جو قوتیں اور خواہشیں انسان میں

ودلیعت رکھی ہیں وہ بری نہیں ہوسکتیں۔ لیکن ان کا استعمال بوجہہ عدالت ضرور ہے
خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن یہی بہت بڑا فرق اسلام و دیگر مذہب کے
مابین ہے۔ "لَیْسَ بِخَیْرِکُمْ مَنْ ترک الدّنیا والآخرۃ والآخرتہ الدنیا حتی یصیب منھما
جمیعاً فانّ الدّنیا بلاغ الی الآخرہ" تم لوگوں میں وہ شخص اچھا نہیں جو آخرت کو دنیا اور
دنیا کو آخرت کے لئے ترک کرتا ہے بلکہ تعریف اس شخص کی ہے جو دونوں کے لئے کوشش
کرتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا ہی "مزرعۃ الآخرہ" ہے، اور آخرت تک پہنچاتی ہے۔

ہم سے تو یہہ کہا گیا ہے کہ دنیا کے لئے اس طرح پر کوشش کرو جیسے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اور عقبیٰ کے لئے اس طرح تیار رہو کہ جیسے اسی وقت تمہاری موت آنے والی ہے رَبَّنَا اٰتنا فی الدّنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حَسَنَۃً خیرکم من لم یترک اخرتہ لدنیاہ ولا دیناہ لاخرتہ تم میں وہی شخص اچھا ہے جو نہ دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑتا ہے اور نہ آخرت کو دنیا کے لئے۔

انجمن خواتین اسلام کے مقاصد بھی اس انجمن سے ملتے جلتے ہیں۔ میری رائے ناقص میں یہہ بہت مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے ہر ایک شہر میں مثل لاہور، لکھنو، دہلی، آگرہ کلکتہ وغیرہ میں اسی قسم کی انجمنیں قائم ہوں۔ اور وہ سب اس انجمن کی شاخیں سمجھی جائیں اور ہر سال میں ایک دفعہ سرکار عالیہ کے حضور میں اپنی اپنی کاروائی پیش کریں۔ اور اس انجمن سے احکام لے کر اس کی پیروی کیا کریں۔ ہر شہر کی انجمن کے مقامی صدر مقرر کئے جائیں مگر کل انجمنوں کی صدر الصدور سرکار عالیہ ادامہا اللہ بالعز والاقبال رہیں۔ اور اس انجمن کے

تحت میں ایک دارالطبع بھی قائم کیا جائے۔ جہاں مفید کتابیں درس تدریس کی، اور مذہبی، اخلاقی وخصایص کی چھاپی جائیں۔ خصوصاً ہندوستانی بیبیوں کی تصنیف کی ہوئی کتابیں زیادہ تر چھاپی جائیں۔ چھپنے سے پہلے ایک کمیٹی کے سامنے پیش کی جائیں۔ اگر کمیٹی پاس کردے تو چھاپی جائیں، ورنہ مصنفین کو واپس کردی جایا کریں۔ اس کے کل حقوق اور اس کا فائدہ مطبع کے لئے ہی ہو۔

اس ضمن میں یہہ کہنا بھی لازمی ہے کہ یہہ شہر تصنیف وتالیف کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ جہاں کی ملکہ خود اپنا بیش قیمت وقت تصنیف وتالیف میں صرف کرتی ہیں۔ خصوصاً مذہبی امور میں آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ آپ کی تصنیف کردہ ایک کتاب Muslim home اپنی طرز کی نئی کتاب ہے اور مسلمانوں کے لئے نہایت سودمند ثابت ہوگی۔ جناب دلہن شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ معظمہ دکرمہ اوامہا اللہ بالعز والاقبال کی تصنیف کردہ کتاب موسوم بہ ذکر مبارک قابل تذکرہ ہے یہہ کتاب نہایت شستہ وعمدہ سلیس اردو میں لکھی گئی ہے۔ اور حضرت محمد صلعم کی مبارک زندگی کا حال اس خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ بچوں کے دل میں کل واقعات حضرت کی زندگی کے بلا دقت نقش ہو جاتے ہیں۔ وہ بلاشبہ ایک قابل قدر تصنیف ہے اور ضرور مفید عام ثابت ہوگی۔ اس مبارک شہر سے نکلی ہوئی ایک اور کتاب جس کی میری نگاہوں میں بڑی وقعت ہے اور جس کو میں نے نہایت شوق سے پڑھا اور میں یقین کرتی ہوں کہ اور مسلمانوں نے بھی اس کی قدر کی ہوگی، وہ حقایق اسلام مفتی محمد انوارالحق صاحب کی کتاب ہے۔ جس میں مفتی صاحب نے اسلام کی حقیقت کو بہت عمدہ پیرائے میں سمجھایا ہے۔ اگر اسی طرح تصنیف وتالیف کا سلسلہ

جاری رہا تو عنقریب ایک عمدہ ذخیرہ اُردو زبان میں اخلاقی و مذہبی کتابوں کا جمع ہو جائے گا
انجمن کے پاس شدہ رزولیوشن سب قابلِ ستایش ہیں۔ خدا کرے سب میں
کامیابی حاصل ہو۔

رزولیوشن نمبر ۲ میں ہر صوبے میں زنانہ تعلیم کے لئے اول درجہ کا ایک ایک کالج اور ہر ضلع میں ایک ایک اسکول بنائے جانے اور ایک مرکزی زنانہ یونیورسٹی قایم کی جانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہر ضلع میں ایک ایک اسکول قائم کرنا تو اب ضروری و فرض ہو گیا ہے مگر کالج کے قیام کی بالفعل ضرورت نہیں نظر آتی۔ اس لئے کہ کالج کا خرچ نہایت کثیر ہو گا۔ اور اسی خرچ میں کئی مدرسے قائم ہو سکتے ہیں۔ ابھی کالج کے قابل لڑکیاں بہت کم ہیں روپیہ کی بھی آج کل ہر طرف کمی ہے یونیورسٹی کا خیال بھی نہایت قابل تحسین ہے۔ مگر اس کا فی الحال وجود میں آنا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ابھی تک ہماری مردانہ یونیورسٹی قایم نہیں ہوئی۔ باوجود اس کے کہ کل قوم نے اس کے لئے کوشش کی اور حیدرآباد کی سرکار فیض آثار سے بھی زر کثیر عنایت ہوا۔ زنانہ یونیورسٹی اگر ہندوستان کے کسی شہر میں قائم ہو تو دوسرے شہر اس سے کیونکر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کالج میں داخل ہونے والی لڑکیاں کم سے کم اٹھارہ سال کی ضرور ہوں گی۔ اس عمر میں ان کے والدین و اقربا کس طرح پر ان کو دوسری جگہ بھیجنا گوارا کریں گے۔ اور پھر یونیورسٹی کے پڑھانے والے غالباً مرد ہوں گے۔ تو پردہ کے ساتھ تعلیم کس طرح ممکن ہو گی۔ امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہماری مردانہ یونیورسٹی کافی ہے۔ یا جب علی گڈھ کی یونیورسٹی قائم ہو جائے تو وہ دونوں کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے۔

میں اب اس طولانی تقریر کو ختم کرتی ہوں اور آپ سب صاحبوں سے اس سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں اور یہہ دعا کرتی ہوں کہ اس انجمن کو ہر طرح کی کامیابی حاصل ہو اور سرکار عالیہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ ملکۂ بھوپال جو بانی اور صدر انجمن ہیں خدا ان کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور یہہ انجمن آپ کے ظلِ عاطفت میں ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ جائے۔

شادی بیاہ

یہ تقریر کانفرنس خواتین (منعقدہ بھوپال) ۱۹۱۸ء میں ایک ریزولیوشن کے سلسلہ میں کی گئی تھی۔

خواتین تعلیم یافتہ لڑکی کی شادی کسی غیر تعلیم یافتہ شخص سے کرنے کی میں بھی خلاف ہوں۔ اس لئے کہ جب آپ اپنی لڑکی کو نفاست و نزاکت کے ساتھ تربیت و تعلیم کرتی ہیں تو ضرور اس کا دل و دماغ بھی نازک ہو جاتا ہے اور اس کی طبیعت نفاست پسند بن جاتی ہے پس ایسی صورت میں اگر اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کردی جائے جو نفاست و نزاکت کو غیر ضروری سمجھتا ہے، یا اس شخص کو غیر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے کچھ شناخت ہی نفاست وغیر نفاست کے درمیان نہیں تو کیا وہ اپنی بی بی کی قدر کر سکتا ہے۔ ع قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔

سب سے پہلی تکلیف جو لڑکی کو اس صورت میں ہوتی ہے وہ زبان کی بدتہذیبی سے ہوتی ہے۔ اس لئے تربیت و تعلیم کا اصل معیار زبان کی نرمی اور سخت کلامی سے پرہیز و نفرت ہے، جو شخص غیر مہذبانہ الفاظ زبان سے نکال سکتا ہے میں اس کو تعلیم و تہذیب یافتہ نہیں کہہ سکتی۔ یہی بڑا امتیاز تعلیم کو حاصل ہے کہ وہ کریہہ الفاظ سے اور کریہہ مناظر سے انسان کو متنفر کر دیتی ہے،

ایک مہذب گھر کی پلی ہوئی لڑکی غیر مہذب الفاظ سننا برداشت نہیں کر سکتی۔ یہہ ایک بڑی روحانی تکلیف اس کے واسطے ہوگی اور یوسف علیہ السلام کی طرح وہ بھی کہہ اٹھے گی رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ، اور واقعی تنہائی کی قید ایسے ساتھی کے ساتھ سے ان کو بہتر معلوم ہوگی جس کے اخلاق عادات زبان اس معیار تہذیب سے کم ہوں جس کی وہ عادی بنائی گئی ہے۔ آپ کی بیٹیاں گھر میں بیٹھی رہیں بہت بہتر ہے اس سے کہ ایسے گھر میں آپ ان کو بے سمجھے بوجھے جھونک دیں، جہاں کی طرز معاشرت اس معیار تہذیب سے گری ہوتی ہے جس کی آپ کی لڑکی عادی ہے۔

اے خواتین! آپ کی پیاری بیٹیاں جن کو آپ نے اس ناز و نعمت سے پالا ہے اور اس آرزو سے پالا ہے اس کی مستحق ہیں کہ آپ ان کی روحانی و جسمانی خوشی کا خیال رکھ کر کتخدائی کا بار اُن کے سر پر ڈالیں۔ اور بے سمجھے بوجھے رسم و رواج کے دیوتا پر نہ چڑھادیں لڑکی ذات کا دل نازک ہوتا ہے اس کو تھوڑی سی سختی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ ماں باپ کے ساتھ جب لڑکی رہتی ہے اور بہت ہی صغر سنی سے وہ اس بات پر غور کرتی ہے کہ ہم کو کون زیادہ چاہتا ہے۔ اگر اس کو یہہ خیال ہو جائے کہ میرے ماں باپ مجھ کو نہیں چاہتے تو وہ ملول اور رنجیدہ ہوتی ہے۔ اگر کسی باپ نے اپنی لڑکی کو یہہ عادت ڈالی ہے کہ آفس یا کام سے آن کر اس کو پوچھا کرتا ہے، اور آنے کے ساتھ ہی اس کو پیار کرتا ہے۔ اگر اس میں کسی دن فرق ہو جائے تو ضرور لڑکی رنجیدہ خاطر ہوگی۔ اور اس کو بھی خیال رہے گا کہ ضرور مجھ سے کوئی ایسی خطا ہوئی ہے کہ میرے والد مجھ سے ناراض نظر آتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے مجھے

آج پیار نہیں کیا۔ اور ننانوے فیصد[99] لڑکیاں اس ذری سی بے توجہی سے اس قدر متاثر ہوں گی کہ اس شب ان کے تکیے آنسوؤں سے بھیگ جائیں گے مگر لڑکوں کا حال بالکل برعکس ہے۔ اگر ان کو پیار کیا گیا تو وہ خوش ہوئے۔ اگر نہ کیا گیا تو انھیں کچھ پروا نہیں۔ ان کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا نہ خیال آتا ہے۔

اے خواتین! دنیا نے ہماری طبیعت کے اندازہ کرنے میں بڑی خطا کی ہے۔ اور یہہ سمجھ رکھا ہے کہ سونا موتی ہیرا جواہرات عمدہ لباس اگر عورتوں کو مل جائے تو اور کسی چیز کی ان کو خواہش نہیں رہتی۔ عمدہ لباس زیب تن کر کے اور جواہرات میں مستغرق ہو کے وہ پھولوں نہیں سماتیں۔ اور یہہ لباس اور زیور ہی ان کے خوش کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے عورتوں کو اس کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ وہ ان چیزوں سے بمقتضائے بشریت دل بستگی رکھتی ہیں اور ان سے خوش ہوتی ہیں۔ مگر یہہ ایسی چیز نہیں کہ ان کے دل کی جو بڑی خواہش ہے اس کو پورا کر سکے۔ اور وہ بڑی خواہش جو ہر نیک خاتون کے دل میں ہے وہ محبت ہے۔ کسی کو وہ چاہے اور کوئی اس کا غمگسار ہو۔ اس کا خیال رکھنے والا اور چاہنے والا ہو۔ اس کی محبت کا قدر دان اور اس کی محبت کا معترف ہو۔ There is no love in cottages. انگریزی میں یہہ ایک مثل ہے یعنی جھونپڑوں میں محبت برقرار نہیں رہتی۔ مگر میں اس بات سے اختلاف کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر نیک زن کی یہی خواہش ہے کہ محل میں اس طرح رہنے سے کہ شوہر کبھی پوچھے نہیں نہ محبت کرے بہت بہتر ہے ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں رہنا جہاں وہ خود جھونپڑے کو پاک صاف رکھ کر

اپنی خوش سلیقگی اور ہنر مندی سے رشکِ محل بنائے اور اپنے ہاتھ سے پکا کر اپنے شوہر اور بچوں کو کھلائے۔ راتوں کو بیٹھ کر ان کے کپڑے سیئے اور اس سب محنت و تکلیف کا صلہ وہ شوہر کی قدر دانی اور محبت چاہتی ہے۔ جس کے حاصل ہوتے سے جھونپڑا اس کو محل نظر آنے لگتا ہے۔ اور جس کی عدم موجودگی میں محل جھونپڑے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ مگر جب شوہر خود تعلیم یافتہ نہیں ہے تو وہ تعلیم یافتہ ساتھی کی قدر نہیں کر سکتا۔ بلکہ بی بی کے علمی مذاق پر ہنسی اڑائے گا۔ اور یہی ہر وقت کہے گا کہ عورتوں کے لئے اس قدر پڑھنا لکھنا بیکار ہے اس قدر نفاست و نزاکت کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح لڑکی کو جن چیزوں اور جن ہنروں پر فخر تھا وہ اس کے لئے باعثِ رنج ہو جائیں گے۔

جارج الیٹ ایک بڑی انگریزی مصنفہ جن کے اسم گرامی سے ہر انگریزی خواندہ طالب علم واقف ہے اپنی کتاب میں ایک جگہ فرماتی ہیں کہ شادی جو ہر قصہ کا اختتام ہے دراصل ایک بہت بڑا آغاز ہے یعنی اکثر قصے اسی طرح ختم ہوتے ہیں کہ شادی ہو گئی اور قصہ ختم ہوا اور معمولی زندگی میں بھی یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر واقعی یہہ خاتمہ نہیں بلکہ لڑکی کے لئے ایک ناپیدا کنار سمندر کے بیچ میں کشتی ڈالنا ہے۔ پس اے خواتین! قبل اس کے کہ اپنی پیاری بیٹیاں اس بحر میں بیڑا ڈالیں آپ جو ناخدا ان کے لئے پیدا کرتی ہیں اس کی لیاقتِ کشتی بانی صحت و قوت و علم و ہنر کو دیکھ بھال لیجئے اس کے بعد بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا کہہ کر کشتی دریا میں ڈالیئے۔

مسلم یونیورسٹی کا قیام

یہہ تقریر بیگم صاحبہ بھوپال کے وفد کی تائید میں کی گئی تھی جس میں محمڈن یونیورسٹی علی گڈھ کے قیام کے لئے خواتین حیدرآباد سے امداد کی استدعا کی گئی ہے ۔

مرحومہ نے اس سلسلے میں سیکڑوں کی رقم چندے سے جمع کرکے یونیورسٹی کے لئے بھیجی تھی ۔

عزیز بہنو!

محمڈن یونیورسٹی کے قائم کرنے کی طرف آج کل روسائے اسلام کا رجحان ہے اور کل ہندوستان نے اس کار خیر میں حتی الامکان مدد دی ہے ۔ حیدرآباد جو مسلمانوں کا اصل مرکز اور دارالسلطنت ہے ضرور ہے کہ اس کام میں جو خاص مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہے سب سے بڑھ کر رہے ۔

یہہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کی کل قوموں میں مسلمان تعلیم کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں اور یہی وجہہ ہے کہ سب قوموں سے زیادہ یہی پریشان حال ہیں ۔ مدرسۂ علی گڈھ کے قائم ہونے کے بعد سے یہہ پہلا مرتبہ ہے کہ کل مسلمان اس طرح کے ایک قومی کام پر مستعد ہوئے ہیں

اس سے امید ہوتی ہے کہ آئندہ نتیجہ حسبِ دلخواہ ہوگا۔ اور لڑائی جھگڑوں سے دست بردار ہو کر کل فرقے مسلمانوں کے اپنی حالت کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے، اور ایک دوسرے کو اور ان جملہ اقوام کی جن کے ساتھ ہم مدتوں سے بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں مدد کریں گے مذہبی تعلیم جو فی الحال قابلِ تشفی نہیں ہے اس کا بھی قرار واقعی انتظام ہو جائے گا۔ پس ایسی حالت میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جو کچھ جس سے ہو سکے اس کارِ خیر میں مدد کرے اور سب بڑھ کر ہماری قوم کی ماں بہنوں اور معزز خواتین کا یہہ فرض ہے کہ اپنی قوم کی مدد کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں۔

اس مہینہ کے "شریف بی بی" کے پرچے میں میں نے دیکھا کہ اکثر غریب بی بیوں نے جنھیں اپنی قوم کا درد ہے اور جن کے پاس کچھ اور نقد نہ تھا تو انھوں نے زیور اتار کر اس کارِ خیر کے لئے بھیج دیا۔ع نہ کسی کی رہی ہے نہ رہ جائے گی۔ دنیا ایک گزرگاہ ہے۔ جس میں سوا خدا کے نام کے کچھ نہیں رہے گا۔ انسان آج ہے کل نہیں مگر جو نیک کام آدمی کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے رہ جاتا ہے اور ثوابِ دنیا و آخرت کا باعث ہوتا ہے۔ انسان کی عزت بھی اسی پر موقوف ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کا فرد ہو جو دنیا میں عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہو نہ ایسی قوم کا جو گر کر سنبھل نہ سکے ؎

کسی نے یہہ بقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو انسان سمجھیں اور دل سے اس کے معالجہ کی طرف متوجہ ہوں تو کیا ہمارا مرض

جہالت نہیں ہے اور اس کی دوا تعلیم نہیں ہے پس اگر ہم اپنے لئے یونیورسٹی بناتے ہیں تو گویا ہم اپنے واسطے ایک شفاخانہ قائم کر رہے ہیں اور اگر ہماری رحمدل مائیں اور شفیق بہنیں ہماری تیمار داری کی طرف متوجہ نہ ہوں تو کیا امید ہم کو صحت کی ہو سکتی ہے؟ دوسرے بچھڑ جانے کی امید اس قوم کی ہو سکتی ہے؟ جس کی بی بیاں اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہوں انہیں کے نازک ہاتھ اور رقیق قلب جب اس کام کے طرف آمادہ ہوں گے اور انہی کی نفس مسیحائی کرے گی تب کہیں قُم باذن اللہ کا اثر بے جان قوم کے جسم کو جنبش میں لائے گا ؎

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی، ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی عُسرت میں عشرت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو عفت کی تم تفسیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمہاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا انساں عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے ہیں جو ست بیٹھے اپنا کب کے کھو
دنیا میں اے ست ونتیو لے دے کے ست اب تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

یوں تو اس کام میں ہر کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ دینا چاہئے جو محنت مزدوری کرنے والیاں ہیں وہ تک اپنے تمام دن کی اجرت قوم کی نذر کر رہی ہیں مگر ان کا یا ہمارا دینا کیا چھوٹا منہ بڑی بات مدد قرار واقعی وہی معزز خواتین کر سکتی ہیں جن کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے صاحب ثروت بنایا ہے

جیسے آپ لوگ ہیں۔ گنجینۂ احسانش تنگ مایہ نہ گردد۔ گر تا ابد انعام دہد صفر رقم را۔

عالی جناب نواب بیگم صاحبہ بھوپال نے زرِ کثیر اس کارِ خیر کے لئے دیا ہے اور بہ نفسِ نفیس بھی اس کام میں شریک ہیں۔ یونیورسٹی کے ڈپوٹیشن میں شامل ہیں اور اپنی ہمتِ خداداد سے اپنی قوم کی مدد کر رہی ہیں اور مسلمانوں کی ہمت کو بڑھا رہی ہیں جس قوم میں ایسی پاک بی بیاں ہوں اس قوم کے پنپ جانے کی امید ہوسکتی ہے

کل خواتینِ حیدر آباد سے استدعا ہے کہ آپ اس کام میں مدد کریں تاکہ ہندوستان کو ہماری معزز مستورات کی سخاوت اور ہمدردی کا حال معلوم ہو جائے اور حیدر آباد ہندوستان کے کل ممالک میں اس کارِ خیر میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہے۔

انجمن خواتین اسلام حیدرآباد کی جانب سے موصوفہ نے یہ ایڈریس ستمبر ۱۹۱۶ء میں پڑھا تھا۔

سرکار عالیہ!

آج ہم سب خواتینِ دکن خصوصاً وہ جو اراکینِ انجمن خواتین اسلام ہیں جن کی انجمن کے ساتھ سرکار عالیہ نے بمقتضائے علم دوستی و قدر شناسی اظہار ہمدردی فرمایا تھا آج اس مبارک و مسعود موقع کو اپنی عین خوش قسمتی سمجھ کر سرکار عالیہ کی قدم بوسی سے مشرف ہونے اور ان گراں قدر خدمات کا اعتراف کرنے جو ہماری صنف کے لئے سرکار عالیہ کے مبارک ہاتھوں سے جاری ہوئے ہیں اور ان سب الطاف شاہانہ و بخششِ خسروانہ کا شکریہ بالذات ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

گنجینۂ احسانش تنگ مایہ نگردد　　گرتا ابدالنعام دہد صفر رقم را

یہ فخر ہمارے لیئے کچھ کم نہیں ہے کہ ہماری صنف میں سے ایک ایسا نمونہ آج تحت فرمان روائی پر جلوہ افروز ہے جو طریقہ حکمرانی تدبر، سیاست، خود داری، رعایا پروری، انتظام مملکت میں دنیا کے موجودہ حکمرانوں سے کم نہیں اور خلق و سادگیِ معیشت میں خلفائے راشدین کے

قدم بہ قدم ہے اور جن کی سلطنت سعادت قرین اسلام کے زرین اصول اخوت ومساوات کی زندہ مثال ہے۔ جس نفس ذکیہ نے اپنی مقدس زندگی اپنے بنی نوع کی صلاح وفلاح کے لیئے وقف کردی ہے۔ جس کے مالی ایثار نے اپنے صنف کی بہبودی وتعلیم کی کوشش میں اپنا ذاتی آرام قربان کردیا ہے۔ نہ صرف اپنی رعایا کے لئے ایک شفیق وہمدرد روشن خیال ماں کا حق ادا کیا ہے بلکہ سرکار عالیہ کے فیض عام نے خواتین ہند کی نیم جان ہستی کو آب حیات بلا کراں میں نئے سرے سے ترقی کی روح پھونک دی ہے۔ دہلی میڈیکل کالج علی گڑھ زنانہ کالج انجمن ہندو انجمن خواتین ہند بھوپال جس میں سرکار عالیہ نے اس انجمن کے چند اراکین کو بھی شامل ہونے کا افتخار بخشا تھا اس لاانتہا سعی وکوشش کی روشن دلیلیں ہیں۔

بر سلطنت تو بے تکلف　　تمکین تو می دہد گواہی

نام تو بیقیں کہ می برآرد　　آوازہ زماہ تا بہ ماہی

گردوں کہ لطیفۂ برآرد　　دُرے چو تو در صدف ندارد

ہم سب اراکین انجمن خواتین اسلام کی یہہ دعا ہے کہ خدا سرکار عالیہ کو صد وسی سال سلامت رکھے وشہزادگان بلند اقبال وشہزادیان والاتبار کی عمر ودولت واقبال میں ترقی دے۔

الٰہی بخت تو بیدار بادا　　ترا دولت ہمیشہ یار بادا

گلِ اقبال تو دائم شگفتہ　　بہ چشم دشمنانت خار بادا　　(آمین ثم آمین)

مرحومہ نے خواتین دکن کی طرف سے یہہ ایڈریس پڑھا تھا ۔ ڈسمبر ۱۹۱۸ء

سرکارِ عالیہ !

ہم سب خواتینِ دکن سرکارِ عالیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ سرکارِ عالیہ نے ہمارا ایڈریس قبول فرماکر ہماری عزت افزائی کی ۔ اس نیک ساعت کے ہم مدتوں سے آرزومند تھے جو آج ہم کو ہماری خوش قسمتی سے نصیب ہوئی ۔ ہماری دلی آرزو تھی کہ سرکارِ عالیہ بھی ہمارے عزیز وطن کی ترقیاں ملاحظہ فرماکر ہماری خوشی میں شریک ہوں ۔ اور یقیناً سرکارِ عالیہ کو اپنی صنف کی تعلیم و بہبودی کے متعلق یہہ سن کر دلچسپی ہوگی کہ اس مبارک شہر میں ہمارے ہردل عزیز، علم دوست رعایا پرور، عدل گستر درِ تاجِ سلطانی نگینِ خاتمِ سلیمانی مسند نشین اراکِ اعلیٰ مرکزِ عقیدت و ولا شہنشاہ جم جاہ عثمان علی بادشاہ کے عہد سعادت مہد میں علم و ترقی کا بازار گرم ہے ۔ مدارس نسوان و زنانہ ہسپتال کے لئے زرِ کثیر عطا ہوتا ہے ۔ مدارس نسوان میں لڑکیوں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاتی ہے السنہ مشرقیہ و مغربیہ، مصوّری، دست کاری، ریاضی، سائنس، موسیقی اور علم ابدان و ادیان کے باقاعدہ درس ہوتے ہیں ۔ بایں ہمہ پردہ کا لحاظ کما حقہ رکھا جاتا ہے

سرورنگر کی سر بہ فلک عمارت جو شاہی محلوں میں سے ہے یتیموں کی بود و باش کے لئے عنایت فرمائی گئی ہے۔ جہاں یتیم بچوں کی عمدہ تعلیم ہوتی ہے۔ ان کو وہ پیشے سکھائے جاتے ہیں جن کی طرف ان کا رجحان پایا جاتا ہے۔ نجّاری، حدادی، زردوزی، خیاطی، بیدبافی، نقاشی سب کی تعلیم کامل طور پر دی جاتی ہے۔ صحت کی پوری نگرانی اور حفاظت ہوتی ہے۔ اکثر لڑکیوں کو "نرسنگ" یعنی تیمارداری بھی سکھائی جاتی ہے۔ اور جب وہ سنِ شعور کو پہونچتی ہیں ان کی شادیاں کرادی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ چور اور بداخلاق ثابت ہوتیں، سرکار کے اقبال سے صنعت و حرفت کی تعلیم حاصل کرکر اس قابل ہو جاتی ہیں کہ خود اپنی روٹی کمانے لگتی ہیں۔

ہم بہت فخر و ناز کے ساتھ سرکار عالیہ کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت ظل سبحانی بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی کی علو ہمتی نے اس بڑی کمی کو پورا کردیا ہے جو اُردو زبان کے قدردانوں کو مدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کل اُردو زبان بولنے والے ان مبارک ہاتھوں کے ہمیشہ ممنون رہیں گے جن کی فیاضی نے اس ناممکن امر کو ممکن کردیا۔ اور کتم عدم سے صفحۂ امکان و دجود میں لاکر نیست کو ہست کر دکھایا۔

حضرت عالیہ نے اپنی تقریر صدارت میں جو الفاظ تعلیم کے متعلق فرمائے تھے "یعنی غیر زبان میں تعلیم مشکل ترین امر ہے جب تک تعلیمی کتابوں کا سلسلہ مادری زبان میں نہ ہو کسی قوم کی تعلیم کمل ہونا مشکل ہے۔ بالخصوص عورتوں کی جن کی کم عمری میں شادی ہو جانے کا عام رواج ہے اس ضرورت کو بھی بعونہ تعالیٰ یہی یونیورسٹی پورا کرے گی اور اس سلطنتِ سعادت قرین کا یہ

بیش بہا تحفہ ہندوستان کے تعلیمی عروج کا سرتاج ہو کر رہے گا۔

اس عہد عطوفت مہد میں جو ترقی تعلیم نسوان میں ہو رہی ہے وہ مثل روز روشن کے آشکارا ہے چنانچہ پچھتر ہزار روپے کا اضافہ مدارس نسوان کے لئے اس سال منظور فرمایا گیا ہے۔ آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کی امداد کے لئے جس کی بنیاد سرکار عالیہ سے ڈالی تھی اور جس کی سکریٹری نفیس دلہن صاحبہ ہیں بارہ سو روپے سالانہ ہمارے بادشاہ جم جاہ نے منظور فرمائے ہیں۔

ایزد تعالیٰ جناب عظمت جلال ابن بادشاہ عدیم المثال را بتائید و تائید تشید و خیام حشمت و اقبالش را تا قیام قیامت با وتاد حلو و موئد داراد

چوں نیارم از ثنائش دم زدن دست در ذیل دعا خواہم زدن

یارب از چشم بد انتش دور دار رایت اقبال او منصور دار

برتر از ایوان کیوان زینتش سورہ انا فتحنا نصرتش

دوستانش بر بساط عز و ناز دشمناں چوں شمع در سوز و گداز

ہم سب اراکین انجمن سرکار عالیہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کرتے ہیں اور سرکار عالیہ کی ترقی عمر و دولت کے لئے دست بدعا ہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

تقریرِ افتتاحی

آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس کے چھٹے اجلاس کی والدہ مرحومہ نے صدارت کی تھی یہ اجلاس
بمقام کلکتہ ۱ فروری ۱۹۱۹ء منعقد ہوا تھا

مُعزّز خواتین!

حیدر آباد کے دُور دراز شہر سے نفیس دُلہن صاحبہ آج مجھے زنجیروں میں جکڑ کر یہاں کھینچ لائی ہیں۔ میں نے بہت سے عذر پیش کئے اور اپنی غیر موزونیت اس جلسے کے لئے ثابت کی مگر آپ کی سکرٹری صاحبہ نے ایک نہ سُنی مجھے جلسوں میں تقریر کرنے کی عادت نہیں۔ نہ قلب مطمئن رکھتی ہوں نہ عقل نکتہ بیں جو اس کام کے لیے ضروری ہے ایسے آدمی کے ذمہ ایسے اہم کام کا سپرد کرنا یہ آپ ہی کے سکرٹری صاحبہ کا کام تھا۔ میری کمی اور خطاؤں پر وہی سزا وار ملامت ٹھیریں گی جو سزا آپ سب مناسب جانیں وہ تجویز کریں اس پر میرا بھی صاد ہوگا۔

اے میری عزیز بہنو! آپ سب کو آج اس جگہ جمع دیکھ کر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ یہاں آنے کے لیئے آپ سب نے کس قدر صعوباتِ سفر و اخراجات گوارا کیئے ہوں گے اگر اس کانفرنس کی کچھ فضیلت آپ کی نظر میں نہ ہوتی یا اس کے مقاصد کے ساتھ آپ سچی ہمدردی نہ رکھتی ہوتیں تو آرام و عیش چھوڑ کر یہ سفر گوارا نہ کرتیں۔ آپ لوگوں کے دل میں اس ہمدردی کا پیدا ہونا خود ایک فالِ نیک ہے اور ان امیدوں کا پیش خیمہ ہے جو

ہم کو اس کانفرنس کی ذات سے ہیں۔

عزیز بہنو! اگر آپ لوگوں کا تکلیف اٹھانا اور سو کاموں کو چھوڑ کر اس جلسہ میں شامل ہونے کا مقصد صرف مضامین اور تقریروں کا سننا ہے تو یہ کام بسہولت تمام گھر بیٹھے ہو سکتا ہے صعوبات سفر کا برداشت کرنا بچوّں اور گھر سے جُدائی اختیار کر کے بے نیل و مرام واپس جانا کا رعبث معلوم ہوتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کی کوشش اس یکجائی ملاقات سے یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کے دل میں کام کرنے کی خواہش اور محنت کے متحمل ہونے کی رُوح پھونکدیں اور جس غرض سے ہم یہاں آئے ہیں اُس غرض کے پُورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیں۔

پہلی غرض جہاں تک مجھے گزشتہ کئی سال کی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے وہ تعلیم نسواں کی طرف توجہ ہے۔ لیکن اے میری عزیز بہنو! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ تعلیم کو میں دوسرے درجہ پر سمجھتی ہوں اور تربیت تہذیب اخلاق، نیک مزاجی، خوش سلیقگی، فرماں برداری اور نیک دلی اور ایسی تربیت کی جو یہ اوصاف پیدا کرے میری نظر میں زیادہ اہمیت ہے تو شاید آپ کو تعجب ہوگا اس لیے کہ میں دیکھتی ہوں کہ آج کل تعلیم کا شور و غل ہر طرف مچا ہوا ہے لیکن اس کے مفہوم و مطلب کی تصریح ابھی تک نہیں کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم تعلیم نسواں کے نعرے لگائیں اور ہر وقت یہی راگ گائیں ہم کو یہ تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ تعلیم سے ہمارا مطلب کیا ہے اور کونسی تعلیم ہمارے طرز معاشرت اور ملکی اور قومی لحاظ سے ہمارے بکار آمد ہوگی جس تعلیم کے اوپر ہم سب کچھ صدقہ کرنے کو تیار ہیں وہ ایسی ہونا چاہیئے کہ ہمارے اُن عیوب کو دور کر دے جو ہماری تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ اور اُن خوبیوں کو پیدا کر دے جن کی کمی نے ہم کو دائرۂ انسانیت کے اسفل ترین نقطہ پر پہنچا دیا ہے۔ اگر تعلیم پر روپیہ اور وقت خرچ کرنے کے بعد اُس سے صرف یہی حاصل ہو کہ ملا تعا... سکے کہ سے میں کچھ انگریزی بول لی یا پیانو بجا لیا تو ایسی تعلیم تحصیل لاحاصل ہے ایک میٹرک پاس شدہ لڑکی اس قابل نہیں ہوتی کہ شادی ہونے پر وہ

کاروبار خانہ داری کو سنبھال لے یا ماں بننے پر بچہ کی پرداخت کرے یا معمولی ضروریات کے لباس کو قطع کر کے سی لے یا ضرورت کے وقت خود پکا لے، بلکہ اس تعلیم سے ایک غلط خیال اپنی تعلیم یافتگی کا دماغ میں سما جاتا ہے۔ اور دوسری بزرگ بی بیوں کی غیر تعلیم یافتگی اور جہالت کا خیال دل میں ایسا جاگزین ہو جاتا ہے جس سے روزمرہ کی معاشرت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ سب یہ فرمائیں گی کہ اگر اس تعلیم سے فائدہ نہیں تو کونسی تعلیم دی جائے۔ میری رائے ناقص میں خود مدارس و یونیورسٹی میں سرکاری طور پر یہ انتظام ہو کہ لڑکیوں کا نصاب تعلیم مردانہ نصاب سے مختلف رکھا جائے اور لڑکیوں کو وہی سندیں یعنی میٹرک ایف اے۔ بی اے کی اُن کے مفید مطلب علوم و فنون کے حاصل کرنے پر دی جائیں۔ مثلاً میٹرک کے امتحان میں لڑکیوں کے لیئے حساب تھوڑا سا حسب ضرورت رکھ کر اس کے ساتھ قطع لباس کھانا پکانا نرسنگ وغیرہ کے فن سکھائے جائیں اور ان چیزوں میں درجہ کمال حاصل کرنے پر زور دیا جائے۔ اسی طرح اور ضروری چیزیں جو لڑکیوں کے لیئے آیندہ زندگی میں کارآمد ہوں وہ سکھائی جائیں۔ اس لیے کہ اسکول میں اس قدر وقت صرف کرنے کے بعد لڑکیوں کو یہ ہنر گھر میں سیکھنے کا وقت نہیں رہتا یہاں تک کہ اُن کی شادی کا زمانہ آجاتا ہے اور اسی طرح اُن کی شادی ہو جاتی ہے۔ غیر مستطیع والدین کی لڑکیاں جن کو آیندہ روٹی کمانے یا اقربا کی مدد کی ضرورت لاحق ہونے والی ہے اُن کو میٹرک کے بعد نرسنگ یا ڈاکٹری ٹائپ رائیٹنگ خوش خطی معلمی وغیرہ کی تعلیم بھی بکثرت دینا ضرور ہے اگر ان کی شادی ہو بھی جائے تو وہ اُن فنون سے اپنی آمدنی کو بڑھا سکتی ہیں اور بیوہ ہو جانے کی صورت میں اپنی ضروریات کے لیئے کافی کما سکتی ہیں۔

صاحب استطاعت اور دولت مند والدین کی لڑکیوں کی تعلیم زیادہ وسیع پیمانہ پر ہونا چاہیئے شروع ہی سے اُن کے واسطے ایسے اسباب جمع کیئے جائیں جن سے اُن کے اخلاق و عادات کی نشو و نما

اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ ایثارِ نفس، غربا پروری، محبت، نرم زبانی اور اعلیٰ اخلاق کا نمونہ اُن کے پیشِ نظر رہے۔
اُردو، فارسی، عربی، انگریزی بطور زبان کے سکھائی جائیں اور زبانوں کے ادب سے مذاق پیدا کرایا جائے
مصوّری موسیقی دستکاری سکھائی جائے۔ قطع و بُرید پخت و پز بھی سکھایا جائے۔ گھر کی بود و باش و آب و ہوا
میں مذہب کی عظمت اور اُس کے اخلاق کا ہر وقت برتاؤ رہے اس لیے کہ عمدہ مثال ہی سب سے بڑا ذریعہ تعلیم ہے

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک امیر مسلمان گھرانے کی طرزِ معاشرت ایک متمول یورپین گھرانے کی طرز سے
بہت مختلف و متضاد ہوتی ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ ہم اُن سے "ہوم سویٹ ہوم" گانا سیکھتے ہیں مگر اس کے
مفہوم سے کچھ سروکار و مطلب ہی نہیں رکھتے۔

ایک یورپین امیر گھرانے میں جس میں فرض کیجیے کہ دو لڑکے اور دو لڑکیاں اور اُن کے ماں باپ
ہیں اور فرض کیجیے کہ ایک بیوہ خالہ پھوپی یا کوئی اور رشتہ دار ساتھ رہتی ہے تو اس گھر کا یہ قرینہ ہوگا کہ صبح کو
سب ڈرائنگ روم میں مل کر مع اپنے نوکروں کے بندگی خدا بجا لائیں گے صاحب خانہ کوئی رکوع بائبل میں
سے پڑھ کر سب کو سنائیں گے اور سب مل کر تمام دن کے لیے دعائے خیر مانگیں گے یہ دعائے جماعت اس کی
اضافہ ہوگی جو وہ سب اپنے اپنے شب خوابی کے کمروں میں پڑھ کر باہر نکلے ہوں گے۔

ہمارے حکمراں تو [illegible] ہیں تو ہم بندے [illegible] کیوں دشت بے دینی میں آوارا

بعد اس دعائے جماعت کے سب ایک میز کے اطراف بیٹھ کر ہنسی خوشی کے ساتھ چاء اور ناشتہ
سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں۔ شوہر اگرچہ صاحب مال و جائداد ہے تاہم تجارت یا اور
کسی کام میں بلا ناغہ اپنا وقت صرف کرتا ہے اور اپنی دولت کے بڑھانے کی فکر میں ہے یا کوئی قومی یا
علمی کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے جس کے پورا کرنے کو وہ [illegible] لڑکیاں اگر چھوٹی ہیں تو مختلف درس لیتے ہیں

ساعت بساعت مشغول ہوں گی۔ ماں اور بیوہ خالہ گھر کے کاروبار سے فارغ ہو کر کچھ روپیہ غذا اور کپڑے لے کر غربا کے جھونپڑوں میں بیمار داری کرنے بائبل پڑھ کر سنانے جائیں گی یا اشاعتِ عیسائیت کے کام میں مشغول ہوں گی۔ لڑکے اپنے درس گاہوں یا آفسوں میں چلے جائیں گے۔ دوپہر کے کھانے کے وقت پر سب ایک جگہ جمع ہو کر کھانا کھائیں گے اور ایک دوسرے کی باتوں سے دل کو خوش اور دماغ کو تروتازہ کریں گے بعد کھانے اپنے اپنے کمروں میں جا کر کاموں میں مشغول ہوں گے شام کے پانچ بجے سب اچھے کپڑے پہن کر ڈرائنگ روم یا باغ میں جمع ہوں گے کچھ عزیز و اقربا مہمان بھی اس وقت کی چاء میں شریک ہوں گے یا ڈمنٹن یا ٹینس کھیلا جائے گا یا یہ کسی اور جگہ چاء پینے کے لئے جائیں گے۔ پھر رات کو سب مل کر ڈنر کھائیں گے۔ بچے اگر چھوٹے ہیں تو ان کو شام ہی سے کھانا دے دیا جائے گا اور نو تک وہ سوتے ہوں گے۔ اگر جوان ہیں تو سب مل کر ایک جگہ کھائیں گے بعد کھانے کے ڈرائنگ روم میں بھائی بہن ماں باپ اور عزیز مل کر بیٹھیں گے اور گانا بجانا کھیل کود ہوگا۔ سونے کو جانے سے پہلے پھر سب مل کر دعائیں مانگیں گے اور بائبل پڑھیں گے اور ایک دوسرے سے خداحافظ کہہ کر شب خوابی کے لئے رخصت ہوں گے۔ لڑکے جوان ہو کر کسی نہ کسی کام میں لگا دئے جائیں گے۔ لڑکیوں کی شادی ہنسی خوشی سے ہو جائے گی ان کا حصہ شادی کے وقت ان کو دے دیا جائے گا۔ وہ میاں بیوی اپنے گھر میں ہنسی خوشی سے رہیں گے۔ جب اس گھر میں بچہ کی آمد ہو گی تو باسانی تمام ہسپتال جا کر وہ لڑکی بیس روز میں فارغ ہو کر گھر آجائے گی اور بچہ کو خود بوتل پر لگا کر پال لے گی۔ ہر تیسرے گھنٹے دودھ انتظام سے دیا جائے گا۔ تین مہینے کا بچہ چھ مہینے کا بچہ معلوم ہوگا اس طرح سے عقل و دانش کے اصول پر زندگی بسر ہو گی خوشی اور غم کے ایام میں یہ زرین اصول ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے گا۔

ایک امیر مسلمان گھر کے روزمرہ کا حال سنیئے اور انصاف سے کہیئے کہ کتنے گھر اس سے مستثنےٰ ہیں۔

یہاں مردانہ میں سرکار مع دو صاحبزادگان بلند اقبال و خدمتگاران جان نثار و مصاحبین
خوش خصال کے رونق افروز ہیں۔ صبح کا ناشتہ دن کے ساڑھے دس بجے حاضر کیا جائے گا اگر اس کا انتظام زنانہ
سے تعلق رکھتا ہے تو کچھ اندر سے آئے گا چٹنی ہو جائے گا۔ مگر سرکار و صاحبزادگان و مصاحبین کسی کے خاطر خواہ
نہ ہوگا جب سرکار اندر تشریف لائیں گے تو بی بی کو نشانہ ملامت بنائیں گے کہ سربراہی ٹھیک نہیں ہوتی کھانا اچھا
نہیں پکتا۔ انتظام باہر ہی ہونا مناسب ہوگا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ باہر انتظام ہونے سے مصاحبین و
ملازمین دونوں گروہ کی من مانی مراد بر آئی۔ اب تو سب دلخواہ پکوان کی تیاریاں ہونے لگیں بعد کھانے کے
ناچ رنگ تماشا ناٹک اور خرید و فروخت کی تدبیریں بتائی گئیں جن میں پچیس فی صدی نفع اپنی جانب کو ہوا۔
غرضکہ روز بروز بڑھتا گیا، گھر کی بی بی اگر ذی شعور ہیں تو دل ہی دل میں جلکر خاک راکھ ہوتی ہیں۔ گھر لٹتے دیکھتی
ہیں لیکن اگر کوئی حرف نصیحت زبان سے نکالیں تو زبان قلم کر دی جائے۔ میاں بگڑ جائیں تو چند منٹ گھر میں گزرتے
ہیں وہ بھی چھوٹ جائیں یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہیں کہ لٹنے دو ہماری بلا سے کل کا لٹتا آج ہی لٹ جائے جب
مفلس ہو جائیں گے تب ہی ہوش آئے گا اُس وقت دسترخوان کی مکھیاں سب اُڑ جائیں گی اور بی بی یاد آئیں گی
گھر کی لڑکیاں دن کے دس بجے سو کر اٹھتی ہیں جب تک باندیاں گھنٹہ بھر پاؤں نہ دبالیں صاحبزادیاں اٹھتی
ہی نہیں۔ اماں جان صبح کے ناشتے سے فارغ ہو چکیں اب بڑی صاحبزادی کی باری آئی اُن کو کوئی چیز پسند
نہیں آتی ہر چیز ٹھنڈی اور خراب ہے چیز نیا ناشتہ تقاضے کچھ نہ بولیں دو نوالے کھا لئے۔ جب گھنٹہ بھر کے بعد چھوٹی
صاحبزادی بیدار ہوئیں جو بہت بڑی کی طرح بھولی بھالی نہیں ہیں تو غصہ میں باندیوں کو دو ایک طمانچے لگا دیئے
ماماؤں اور باندیوں میں گھنٹہ بھر چیخ پکار رہی کہ تیرا کام تھا کیوں تو نے صاحبزادی کے لئے ناشتہ نہ رکھا بعد لڑائیاں
ختم ہونے کے صاحبزادی نے بک جھک کر کچھ کھایا۔

بیوہ خالہ پھوپھی وغیرہ یا کوئی اور رشتہ دار اگر گھر میں ہوئیں تو ان کی طرف سے کسی ماما یا لونڈی یا خواجہ سرا نے دو چار باتیں صاحب خانہ کو جڑ دیں یا صاحبزادیوں کے کان پھونک دئے تو پھر اس بیچاری غریب رشتہ دار سے سب بگڑ گئے۔ کوئی بات ہی نہیں کرتا وہ بیچاری قسمت کی ماری کونے میں پڑی زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔

تین بجے اصل جیبر سے خاصہ دسترخوان پر آیا صاحبزادیوں نے کہہ دیا ہم کو ابھی کھانے کی خواہش نہیں ابھی ناشتہ کیا ہے۔ بیگم صاحبہ اور رشتہ کی بیبیوں مصاحبوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد صاحبزادیوں نے بھی خاصہ طلب کیا اس وقت پھر ایک شور و غل کا سامنا ہوا۔ جو چیز صاحبزادیوں کے سامنے آئی وہ اُن کو ناپسند ہوئی کسی کھانے میں ان کو کوئی مزہ ہی نہ آیا۔ مگر بہرکیف کھانا کھالیا۔ کھانوں کے درمیان میں جو وقت بچا وہ کپڑے والیوں کے کپڑے دیکھنے میں کٹا۔ اگر کوئی آتو جی سبق دینے آئیں تو کہہ دیا جائے کہ صاحبزادی کے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اس وقت نہیں پڑھیں گی۔ جی بچیں گی تو پڑھ پڑھالیں گی جان ہے تو جہاں ہے۔

اگر کسی ہمدردِ ملت و مذہب کا خط آیا کہ اشاعت اسلام و غربار کی تعلیم کی طرف توجہ کی جائے تو باہر تو صاحبزادوں و مصاحبوں نے یہ کہہ کر خط چاک کر کے پھینک دیا کہ یہ بھی کمانے کی ترکیبیں ہیں۔ اگر زنانے میں یہ مطالبہ پیش ہوا تو سب کی یہ رائے ہوئی کہ کوئی مسلمان نہیں ہوتا یہ بھی کہنے کی باتیں ہیں۔ صدقہ دینا ہوا تو کوئی بکرا منگوا کر باہر بھیج دیا گیا وہاں نوکروں نے بیچ کھایا۔ سرکار جب گھر میں آئے بیگم صاحبہ کے پاس ڈرتے ڈرتے بیٹھ گئے تو بیگم صاحبہ نے فوراً لڑکیوں کی شادی کا تقاضا شروع کر دیا اور جہیز بنوانے کے لئے روپیہ طلب کیا سرکار نے یہ سُن کر یہ پیغام تو ٹھہرتے دو قرضہ کا بندوبست ہو جائے گا اپنا پیچھا چھڑایا اور باہر چلے گئے۔ صاحبزادوں کے شتاپ کے حسابات دینے میں ایک بڑی رقم خرچ ہو جاتی ہے دار وغہ کا حساب بھی جیبد جہینے سے دیکھا نہیں گیا ہے آمدنی سب قرضے میں جاتی ہے۔ قرض پر گھر کا کام چلتا ہے۔ سرکار بیاد ل

بیگم صاحبہ سے ناخوش ہے وہ اپنی منطق کی رُو سے انہیں کو اخراجات کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ بیگم صاحبہ سرکار کی اور صاحبزادگان بلند اقبال کی نادانیوں اور فضول خرچیوں پر دانت پیستی ہیں۔ صاحبزادیوں کو ماں باپ دونوں سے گلہ ہے بھائیوں کا اعتراض بہنوں پر ہے کہ کچھ کرتی ہی نہیں سارا دن پان چباتی رہتی ہیں۔ بہنیں بھائیوں سے بیزار ہیں کہ دنیا کی چیز صاحبوں کے لئے لاتے ہیں اور ہم ایک چھوٹی سی چیز کی فرمایش کریں تو ٹال دیتے ہیں اگر کوئی گھر میں بیمار ہوا اُس وقت خدا یاد آیا کسی مغلانی یا ماما نے کہا بی بی آپ کوئی منت مان کر بھول گئی ہونگی اس لئے یہ بیماری آئی درگاہوں پر چراغ چڑھا دیجئے۔ بابا دُلہا شاہ صاحب کی قبر پر چاندی کا چراغ چڑھانا ایک پر ایک ہے۔ غرض انہی توہمات لیت ولعل جھگڑے بکھیڑے میں عمر کٹ جاتی ہے۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت جو رقم قرض لی گئی اُس سے لڑکی کو وہ نمایشی چیزیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگوں نے جہیز کی تعریف کر دی مگر لڑکی کو اُس سے چنداں فائدہ نہ ہوا اگر وہی رقم لڑکی کے نام پر رکھوا دی گئی ہو تو شاید بوقت ضرورت اُس کے کام آتی یا اُس کی آمدنی سے لڑکی فائدہ اٹھاتی مگر وہ تو زیادہ تر آرزو ارمانوں کے پورا کرنے میں خرچ ہوئی۔

مصرف پہ خرچ کرنا آتا نہیں ہے ہم کو   بے فائدہ اگرچہ لُٹتا ہے زر ہمارا

سو میں پچاس شادیاں تو ایسی نکلتی ہیں کہ شادی کے دوسرے ہی روز سے ناچاقی شروع ہو جاتی ہے کہیں ساس نندوں نے جہیز پر اعتراض کر دیا۔ میاں نے بی بی کا منہ دیکھتے ہی دولت یا تعلیم کا یا اور کسی چیز کا طعنہ دے دیا۔ بی بی دوسرے ہی روز جو گھر آئیں تو منہ زرد دل میں درد زبان پر موت کی دعا اگر بچہ ہوا تو اور بہت سے بکھیڑے پڑے۔ میکے والوں نے ہزار دو ہزار خرچ کر کے چھٹی چھلے کئے۔ کئی دن دھوم دھام رہی رات کے بارہ ایک بجے بچہ کو کپڑے پہنائے گئے۔ بچہ ایک مہمان کی گود سے دوسرے کی گود میں دیا گیا ٹھنڈی ہوا اُس رات کو بچے کو لگ گئی دوسرے روز بچہ سست ہو گیا یا پسلی کی بیماری ہو گئی اور جاتا رہا۔

کئی برس گزر گئے دوسرا بچہ نہ آج ہوتا ہے نہ کل۔ سسرال والوں میں دوسری شادی کے منصوبے ہونے لگے۔ اگر بی بی کا خاتمہ ہوگیا تو یہی چرچا بعد مرنے کے رہا کہ کسی نے جادو کر دیا کسی نے زہر دے دیا اگر خدانخواستہ شوہر کو کچھ ہوگیا تو اور بھی خرابی کا سامنا ہوا بی بی کو بھائی، بہن، ماں، ساس، نند کسی پر بھروسہ نہیں ہر شخص کی رائے اور خیر خواہی کو تو خود غرضی پر محمول کرتی ہیں اور کسی منہ چڑھی ماما مغلانی کی رائے پر چل کر بچوں اور گھر کی پوری تباہی کر کے دنیا سے رخصت ہوتی ہیں۔ یہ حسرت ناک زندگی ہم سب میں بہت عام ہے بیشک بہت سے گھرانے خوش و خرم بھی ہیں مگر یہ شاذ ہے۔

گھر کے انتظام آراستگی صفائی ترتیب میں بھی ایک انگریز اور ایک ہندوستانی گھر کا مقابلہ کر کے دیکھیے۔ آسمان اور زمین کا فرق معلوم ہوگا۔ ایک انگریز گھر میں خواہ وہ امیر ہو متوسط الحال یا غریب ہو ہر چیز صاف پاک قرینہ سلیقہ سے رکھی ہوگی۔ ہندوستانی گھروں میں جو بے پروائی اس معاملے میں ظہور میں آتی ہے اس کی کوئی حد نہیں مکان کے اندر داخل ہوتے ہی بے ترتیبی بدنظمی اور بدسلیقگی کثافت کا وہ منظر نظر آتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ کھانے کے وقت رکابیاں گلاس تلاش کر کے کھانا کھلا دیا گیا اگر کھانے کے بعد باہر مردانہ میں یا زنانہ میں کسی نے پانی مانگا تو مامائیں "گلاس کہاں ہے گلاس کہاں ہے" چیختی اور ڈھونڈھتی پھریں اگر آدھے گھنٹے میں گلاس کہیں کسی پلنگ یا صندوق یا زمین پر پڑا مل گیا تو پیاسے کو پانی مل گیا ورنہ وہ العطش العطش پکارتا ہوا سدھارا۔

ایک میم صاحبہ جو اکثر امیر گھرانوں میں جایا آیا کرتی تھیں مجھ سے ذکر کرتی تھیں کہ ایک دفعہ وہ بیٹھی ہوئی گھر والی بیگم صاحبہ سے باتیں کر رہی تھیں ایک چھوکری سامنے زمین پر بیٹھی ہوئی پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان ایک تام چینی کا گلاس دبائے اس سے کھیل رہی تھی اس میں گھر کی صاحبزادی نے پانی مانگا ماما وہی گلاس چھوکری کے سامنے سے اٹھا کر لے گئی اور اسی میں پانی صاحبزادی کو پلا دیا۔ میم صاحبہ نے کہا میں نے

اس دن سے اس گھر میں پانی پینے کی قسم کھالی۔

ایک نقل اور بھی وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک امیر گھرانہ میں ایک دفعہ وہ ملاقات کے لئے گئی ہوئی تھیں اتنے میں کھانے کا وقت آگیا بیگم صاحبہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ کوئی ماما جی دسترخوان اوڑھ کر بازار گئی ہیں جب وہ آئیں تو خیر سے دسترخوان بچھایا گیا۔

کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی گھروں میں صفائی ترتیب گھر کی آراستگی سب مفقود ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عام افلاس کی یہ وجہ ہے اس لئے کہ بہت امیر و خوش حال لوگوں کا گھر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ انگریز کے گھر میں اگر آمدنی کم بھی ہے تو صفائی ستھرائی سلیقہ وقت کی پابندی کے سبب سب طرح کا آرام ان کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اطمینان اور آرام ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ کس طرح اس قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے جن کے گھروں کی حالت بچوں کے دل و دماغ کے لئے زہریلا اثر رکھتی ہو۔ جہاں بچوں کے کان بچپن سے برے الفاظ بد اور کینہ ور تقریروں کے عادی ہوں جہاں بجائے خدا پرستی اور اتفاق کی جگہ طرفداری توہم تعصب نے جا کر لی ہو۔ جہاں خدا و رسول کے احکام کی کوئی وقعت نہ سکھائی جاتی ہو۔

ایک شادی کے جلسہ میں جہاں بہت سے مہمان جمع تھے ایک بوڑھی بی بی کے ساتھ ایک چار برس کی لڑکی بھی تھی اس لڑکی کے دانتوں میں مسی لگی ہوئی تھی اور ہاتھ میں مہندی تھی۔ لباس بھی بڑی بیبیوں کا سا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ فلاں صاحب کی بی بی ہیں شادی ہو کر تین مہینے گزر چکے ہیں۔ اس لڑکی کو دیکھ کر ایک روحانی صدمہ ہوتا تھا بعوض اس کے کہ یہ لڑکی ایک ہلکا سفید کرتا پہنے دوڑتی اور اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتی نظر آتی بیچاری کپڑوں اور زیور کے بوجھ میں دلہن کی طرح بنی ہوئی بیٹھی تھی۔ آرزو اور ارمان کی [illegible] پر ایسی بہت سی قربانیاں ہر سال چڑھائی جاتی ہیں جن کا اندازہ [illegible] امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے۔

ایک بی بی کو میں جانتی ہوں جو نہایت خوبصورت اور خوش سیرت تھیں۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی لڑکی نہایت حسین تھی اور ماں کی بڑی لاڈلی تھی اُن کی آرزو تھی کہ بہت کم سنی میں اس کی شادی کر کے سہرا بھی دیکھ لیں ایک جگہ سے پیغام آیا لڑکا دیکھنے میں اچھا تھا نوکر بھی تھا ماں نے خوشی سے قبول کر کے شادی کر دی لڑکی شادی کے ساتھ ہی سخت بیمار ہو گئی۔ اس پر ہر وقت شوہر اور ساس کی کج رفتاری دوسری شادی کی ہر وقت دھمکی نے ماں کو ایسا صدمہ پہنچایا کہ بے چاری کے دماغ میں خلل ہو گیا اور آخر جاں بحق تسلیم ہوئی۔ لڑکی کو جفا اٹھانے کے لیئے چھوڑ گئی۔ ایسے درد انگیز واقعے سینکڑوں روز و شب گزرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ایسے واقعات نہ ہوتے ہوں مگر شاذ و نادر۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے یہاں شاذ نہیں بلکہ عام ہیں۔

ایسی معاشرت کے ساتھ دنیا کی سربرآوردہ قوموں کی ہمسری کرنے یا کسی صلاح و فلاح کی امید رکھنی خیال باطل ہے۔ مصیبت زدہ عورتوں کی آہوں سے ہماری قوم پر ادبار کی گھٹا چھائی ہوئی ہے ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن ۔۔۔ اجابت از در حق بہر استقبال می آید

ہماری قوم کی حالت اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم میاں بی بی کے تعلقات کو خوشگوار اور گھر کو ایک امن چین کی جگہ نہ بنا سکیں۔

جو اصول صحیح تربیت و تعلیم کے لیئے ضروری ہیں ان پر عمل ایسے ہی گھر میں ہو سکتا ہے جہاں میاں بی بی میں محبت ہو اور ایک دوسرے کا سچا دوست اور بہی خواہ ہو۔ جہاں گھر کی یہ حالت ہو کہ میاں بی بی کیا ہیں گویا دو دشمن جانی ایک جگہ مقید ہیں اور ایک دوسرے کے حرکات و سکنات کو بدظنی اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہاں کیا امید کی جا سکتی ہے تاوقتیکہ اس خطرناک و افسوس ناک حالت کا

تدارک نہ کیا جائے کیونکہ تعلیم و تربیت کا سنگِ بنیاد رکھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تعلیم ہی ان نقائص کو دُور کرے گی تو یہ بھی ضرور خیال آتا ہے کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود"۔

میں نہایت افسوس اور شرم کے ساتھ یہ کہنے پر بھی مجبور ہوں کہ اس دردناک و عبرتناک منظر کا دوسرا پہلو اور اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے یعنی اکثر عورتیں بھی ایسی ہیں کہ شوہر کی وبالِ جان ہو جاتی ہیں اور اُن کی راحت و آرام ننگ و ناموس کسی چیز کا خیال نہیں رکھتیں۔ اپنے آرام و آرزوؤں کے پیچھے گھر لٹا دیتی ہیں مردوں کو مقروض کر دیتی ہیں، بچوں کی تعلیم میں حارج ہوتی ہیں لڑکیوں کی شادی بغیر سمجھے بوجھے کر دیتی ہیں۔ جو مرد ایسی عورتوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں وہ سعدی کے ہم نوا ہو کر یہ پڑھا کرتے ہیں۔

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ہم درین عالم ست دوزخِ او
زینہار از قرین بد زنہار وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

یہ رذیلہ ابتداءً طبیعت کی اوائل کی بُری صحبت بُرے نمونے بدتہذیبی و جہالت کے چھائے ہوئے گھر میں بچپن کا زمانہ بسر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت میں جو کچھ کمسنی میں راسخ ہو جاتی ہے پھر اس کا اُٹھنا مشکل ہوتا ہے جن گھروں میں ماں باپ ہمہ تن اپنے اپنے مشاغل اور دلچسپی کی چیزوں میں مشغول لڑکے لڑکیاں مُغلانیاں خدمتگار ماماؤں کے سپرد ہیں جو اپنے نفع کے لیئے روز بروز اُن کی تباہی کا سامان مہیا کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ شیطان اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہو کر ان آسان شکاروں کو بعد تباہی و بربادی بدنامی بیماری و افلاس کے دوزخ کے دروازے پر لا پہنچاتا ہے۔ کتنے ہی گھرانے اپنی شان و شوکت، دولت کو اس طرح کھو چکے اور کھوتے جاتے ہیں ؎

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے تم مسلماں ہو یہ اندازِ مسلمانی ہے

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ ۔ جو فرمان الٰہی ہے اس کو کون بدل سکتا ہے یہ فرمان واجب الاذعان بدلنے کے نہیں لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔ ہماری کوشش و محنت کے مطابق ہم کو حصہ دیا جائے گا نہ اس سے زیادہ نہ کم۔ عدالت بھی اسی امر کی مقتضی ہے کہ جو جیسا کرے ویسا پائے ؎

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور   مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

نظم

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا   ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا   وہ امت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشان اس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں   ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں   طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

قوم تو مجموعہ افراد ہے جب ہر فرد قوم مسلم آئین بننے کی کوشش کرے تو خود بخود سب قوم پرست ہو جائے گی سب سے پہلے جو صفت ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے وہ صداقت ہے اگرچہ بیچارے سعدی علیہ الرحمہ نے دروغ مصلحت آمیز کو راستی فتنہ انگیز پر ترجیح دی ہے لیکن جب مثال کی پیروی کرنے کا حکم ہم کو خدا نے دیا ہے ہم کو چاہئیے اس کے قدم بہ قدم چلیں نہ بیچارے سعدیؒ کے۔

دیکھئے جب آں حضرت علیہ التحیۃ والسّلام مکہ سے طائف کی طرف اپنے غلام زید کے ساتھ وعظ کرنے گئے تو ایک مجمع میں حضرت وعظ کہہ رہے تھے ایک شریر آدمی نے آن کر مجمع کو برہم کر دیا اور حضرت پر پتھر پھینکے حضرتؐ کی پنڈلی پر سخت چوٹ آئی خون بہنے لگا حضرتؐ زید کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر ایک طرف کو چلے گئے پیاس شدت سے لگی ہوئی تھی ایک کنواں دیکھ کر وہاں تشریف لے گئے اور چاہتے تھے کہ پانی پی لیں کہ اتنے میں کنوئیں کا مالک آن پہنچا اس نے پانی پینے سے روک دیا اور نام پوچھا حضرتؐ نے اپنا نام بتا دیا بھلا یہ نام سن کر وہ کب پانی پینے دیتا تھا۔ حضرتؐ نے پیاس کی شدت گوارا کی مگر حرف غلط زبان سے نہ نکالا اور ایک درخت کے نیچے زید کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی کہ:

"اے خدا تو میری قوم کی ہدایت کر اور ان کو ہلاکت سے بچا ممکن ہے کہ
ان کی اولاد سے کوئی سعید اور اسلام قبول کرنے والی روح پیدا ہو۔ یہ مجھے
نہیں پہچانتے اور نہیں سمجھ سکتے ہیں شاید ان کی اولاد میں سے کوئی نیک
روح پیدا ہو جو تیرے کلام کو سنے اور قبول کرے۔ اے خدا میں تجھی پر بھروسا
کرتا ہوں اگر تو میرے ساتھ ہے تو مجھے کچھ خطرہ نہیں۔"

اس تکلیف کی حالت میں سچائی پر قائم رہنا اور دشمنوں کے حق میں دعا کرنا ایسے ہی نفس پاک کا حق تھا جس کی شان میں وارد ہوا ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ۔ اور جس کو رحمۃ العالمین کہا تھا اور جس کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید ہم کو خدا نے قرآن مجید میں فرمائی۔ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ آزمائش کے وقت ہم کو اس مثال کا خیال رکھنا چاہئیے۔ اور سچ سے منہ نہ موڑنا چاہئیے۔

ہم مسلمانوں میں اگرچہ بچپن سے قرآن پڑھائے جانے کا دستور ہے مگر اس کے معنی کو اور خود

اقوال کو ہم یاد نہیں رکھتے نہ اس سے جیسی چاہیئے ہم کو واقفیت ہوتی ہے بچپن کے زمانہ کی یاد کی ہوئی چیز کبھی بھولتی نہیں اس لئے ضرورت ہے کہ بچپن ہی کے زمانہ میں قرآن کریم کے احکام اور اخلاقی مضامین اور ایسی آیات و سورتیں زبانی یاد کروا دیئے جائیں جو آئندہ کی زندگی میں کام آئیں۔ اور یہ بآسانی تمام ہو سکتا ہے۔ عربی زبان اگرچہ مشکل زبان ہے مگر ایسی بھی نہیں ہے کہ اگر بچپن سے سکھائی جائے اور نئے طریقے تعلیم کے اختیار کیئے جائیں تو حدیث و قرآن سمجھ لینے کی استعداد نہ پیدا ہو جائے۔ عربی زبان سے اس قدر عام اجنبیت باعث ننگ و عار ہونی چاہیئے اس لیے کہ یہی ہماری مذہبی زبان ہے اور قرآن کو جس طرح عربی میں پڑھ کر سمجھ لینے میں مزہ آتا ہے وہ ترجمہ سے نہیں آسکتا۔ ہماری واقفیت قرآن سے سنی سنائی ہے قرآن سے تحقیقی و ذاتی واقفیت ہم کو نہیں ہے۔ اگر ہوتی اور اگر بچپن ہی سے ہم اپنے بچوں کو قرآن کے [illegible] مضامین اور اوامر و نواہی زبانی یاد کرا دیتے تو ایک عمدہ دستور العمل ان کے لیئے تیار ہو جاتا اور مذہب کی عظمت و وقار سے ان کے دل ایسے خالی نہ ہوتے جیسے اب نظر آتے ہیں ؎

یہ دولت و ملک و کامرانی تو سب جہاں میں ہیں آنی جانی ‏ ‏ تھا یہ سیلاب کی روانی تو لے گئی دین و دل بہا کر
دلوں میں اپنے نہاں ہیں کینے بھرے ہیں بغض و حسد سے سینے ‏ ‏ یہ رہ گئے قوم کے دفینے وہ گنج الفت لٹا لٹا کر

قرآن کا استعمال اب مستورات میں تو صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ کسی بیمار کو اس کی ہوا دی جائے یا کوئی سورہ نظر کے لئے پڑھا جائے یا رمضان میں کچھ تلاوت ہو۔ جو اصلی غرض قرآن کے پڑھنے سے ہے وہ بالکل آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے یہاں تک کہ اس طرف ذہن تک منتقل نہیں ہوتا ایسی عبارت کا حسن کے بارے میں عرب کے فصیح و بلیغ لوگوں سے ان الفاظ میں تحدی کی گئی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ جس کا جواب عرب کے فصحاء نے یہ دیا کہ مَا هٰذَا اِلَّا [illegible]

كَلَامِ الْبَشَرِ۔ ایسے ادب سے محروم رہنا خود ایک بڑی بدقسمتی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ۔ جس کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنے کی کوشش کریں تو کامیاب نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر مکھی ان کے پاس سے کوئی چیز لے جائے تو اس تک کو اس سے چھین نہیں سکتے طالب اور مطلوب دونوں عاجز ہیں۔

اس جملہ پر غور کیجئے کہ اس میں جو انسان کی عاجزی کی حالت بیان کی گئی ہے اس کا کیسا اثر دل پر ہوتا ہے۔ خدا کی بڑی نعمتیں جن کے بغیر زندگی ناممکن تھی وہ تو ہم کو خدا نے اپنی رحمت سے مفت عنایت کی ہیں جیسے ہوا پانی آگ صرف غذا کے لئے ہم کو محنت کرنا ہوتا ہے اس میں انسان مٹا جاتا ہے اگر ان سب چیزوں کے لئے بھی کمانا کوشش کرنا اور روپیہ دے کر خریدنا ہوتا تو ہمارا کیا حال ہوتا مگر ان نعمتوں کا جو ہم کو مفت ملتی ہیں ہم کیا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ۔ تم اس پانی کو دیکھو جس کو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم نے اگر ہمارا حکم ہوتا تو کھاری ہو جاتا۔ تو تم شکر کیوں نہیں کرتے اس آگ کو دیکھو جس کو تم سلگاتے ہو تم نے اس کا درخت لگایا یا ہم نے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ؕ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۞ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ
ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ۞ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا ۞ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ؕ
إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۞ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ؕ
إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۞ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۞ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ
فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۞ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَ
أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۞ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ
ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۞ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۞ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ
الْجِبَالَ طُولًا ۞ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۞

"اور خدا نے حکم دیا ہے کہ سوائے میرے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو
اور ان کی شان میں کوئی کلمہ سخت زبان سے نہ نکالو اور ان کو کبھی دھوکے سے بھی جھڑکو نہ ان پر غصہ کرو
بلکہ ہمیشہ ان سے نہایت ملائمت اور نرم زبانی سے کلام کرو اور ان کے سامنے خاکساری کا برتاؤ کرو اور
ان کے لئے درگاہ خداوند کریم میں یہی دست بدعا ہو کہ اے پروردگار جیسے ہمارے ماں باپ نے زحمت اٹھا کر
ہم کو چھوٹے سے بڑا کیا اور ہم پر طرح طرح کی مہربانیاں کیں اسی طرح تو بھی ان دونوں پر اپنا رحم و فضل کر خدا تمہارے
دل کی بات جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کو معاف کرتا ہے ۔

زیبیوں غریبوں اور مسافروں کے حق ادا کرو سب پر درجہ بدرجہ مہربان رہو ان سے اچھا سلوک کرو اُن کا حق
ادا کرو مگر اسراف سے بچو کہ مسرف اگر شیطان نہیں تو شیطان کے بھائی تو ضرور ہیں اور شیطان خدا کی نعمتوں کا ہمیشہ
منکر رہا۔ اگر تم خدا کی رضا جوئی کے لیئے ان سے علیحدہ رہنے پر مجبور ہو تو بھی کبھی سختی کو کام میں نہ لانا بلکہ ہمیشہ نرم
باتی سے پیش آتے رہنا۔ نہ اس قدر بخل کرو کہ گویا تمھارے ہاتھ تمھارے گلے میں بندھے ہوئے ہیں۔ نہ اس طرح
تھ مال کے اُٹھانے میں کھولو کہ مسرفین میں سے ہو جاؤ۔ اس لیئے کہ اسراف کا نتیجہ پشیمانی ہے۔ خدا کے ید قدرت
ں ہر قسم کی بخشش ہے وہ جسے چاہتا ہے اُسے دیتا ہے وہ اپنے بندوں کی حالت سے اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے
پنے بچوں کو اس خیال سے کہ ان کے پالنے میں تمھارا مال خرچ ہوگا اور تم مفلس ہو جاؤ گے مت ہلاک کیا کرو ان کا
اک کرنا سخت گناہ ہے خدا اُن کی روزی کا بھی دینے والا ہے اور تم کو بھی وہی دیتا ہے اولاد کو ہلاک کرنا خوف
لاس سے سخت گناہ ہے۔

نیک روش رکھو اور بدچلنی سے دُور رہو کہ یہ نہایت بُری اور بدنما چیز ہے۔ کسی بے گناہ کا خون نہ کرو
یم کا مال اگر تمھارے سپرد ہو تو اس کی حفاظت کرو اور اس کو مناسب طریقہ سے خرچ کرو۔ اور جب اس کا وارث
ن شعور کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

وعدہ جو کرتے ہو اس کو پورا کرو یہ مت سمجھو کہ قول تو دے دیا وعدہ تو کر دیا مگر اس کے پورا کرنے کی ضرورت
یں اس کی بہت ضرورت اس لیئے ہے کہ خدا کے یہاں اس کی پرسش ضرور ہو گی۔ تول ناپ میں بھی بہت احتیاط
و پورا تولو اور ٹھیک ترازو سے تولو ناپ کر جس طرح ٹھیک لیتے ہو اسی طرح ٹھیک دو یہی کرنا ہی قرین انصاف ہے
درست طریقہ ہے۔ جس چیز کا تم کو علم نہ ہو اس پر اصرار مت کرو اس لیئے کہ آنکھ کان اور دل سب سے بروز
ست جُدا جُدا سوال کیا جائے گا۔ یعنی آنکھ کو بھی گناہ سے بچاؤ۔ اُن چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو بدنما ہیں

اور نہ بُری بات کو سُنو۔ بُری باتوں کا خیال دل میں بھی نہ لاؤ کہ ان سب کی پرسش ہوگی۔ اور ہرگز ہرگز دنیا میں اتراتے نہ پھرو کہ تمھارے زور سے اینٹھتے ہوئے چلنے سے زمین پھٹ نہیں جائے گی اور نہ تمھارے تن کر چلنے سے پہاڑ تم سے دب جائیں گے اور نہ تم اُن سے بلند ہو جاؤ گے۔ اس قسم کی باتیں سب خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔"

اس قسم کی بہت سی آیات بچوں کے سبق میں داخل ہونا چاہئیں اور بعوض مہمل نظموں کے زرین اُصول حفظ کرانا چاہیئے۔ یہ وہ اُصول ہیں جو اصلی تہذیب کا معیار ہیں۔ بغیر ان اُصول کی پابندی کے اصل تہذیب قائم نہیں ہو سکتی۔

ایک دوسری بات جو مذہب کے متعلق مجھے کہنا ہے وہ تعصب ہے۔ شیعہ اور سُنّیوں کے درمیان ایسے نازک امر کی طرف ایسی حالت میں اشارہ کرنا بہت سے لوگوں کے نزدیک غیر مناسب ہوگا۔ میری رائے ناقص اس باریک بینی کے خلاف ہے۔ جو بات دل میں ہے اور جو بات حقیقتاً قوم و ملت کی بہبودی کی ہے اگر اسکے صاف کہنے کی جرات نہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ رنگین الفاظ اور مقفّٰی و مسجّع عبارت کانوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے مگر دل میں اثر انھیں لفظوں کا ہوتا ہے جو دل سے نکلتے ہیں اور صداقت ہی مؤثر ہوتی ہے نہ عبارت آرائی۔ صداقت میں مقناطیسی اثر ہے اور آخر اُسی کو فتح و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

تعصب جس کی بنا جہالت ہے ایک بیخ کُن چیز ہے جس طرح مختلف بیماریاں چوپایوں میں ہوا کرتی ہیں کہ اُن کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ درختوں میں بھی ایسی ایک بیماری ہوتی ہے کہ درخت کو کاٹ دیتی ہے یا اُس کی جڑ کو کھوکھلا کر دیتی ہے اسی طرح تعصب مذہب کے لیے ایک دیمک ہے جو اس کی بنا کو منہدم کر دیتی ہے۔ اس کو دُور کرنا بھی ایک امر ممکن ہے۔ جب اتفاق و اتحاد کا کیڑے مارنے والا مرہم لگایا جائے گا تو ضرور یہ بیماری دُور ہو جائے گی۔ کسی ایک فریق پر الزام تعصب رکھنا انصاف سے بعید ہوگا ہر فرقہ اس کا ذمہ دار ہے۔

یہ سمجھئے کہ کسی بیمار کو ایک پھوڑا ہو گیا ہے اور ڈاکٹر کی یہ تشخیص ہے کہ یہ پھوڑا چیرا جائے اور اس کی آلائش نکال کر پھینک دی جائے۔ اور اگر یہ نہ ہوگا تو اس کا زہر جسم میں سرایت کر کے مریض کو ہلاک کرے گا۔ اس صورت میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہوگی؟ آیا تکلیف و جبر گوارا کر کے عملِ جراحی سے کام لے کر بیمار کو بچا لیا جائے؟ یا اُس کو اپنی حالت پر چھوڑ کر ہلاک ہونے دیا جائے؟ ہمارے یہاں اب مذہبی تعصب کی یہی صورت پیدا ہو گئی ہے اور اسی فیصلے پر مذہب و ملت کی بقا کا منحصر ہے۔ نظم

وہ دین جس نے اُلفت کی بُنیاد ڈالی — کیا طبع دوراں کو نفرت سے خالی
بنایا اجانب کو جس نے موالی — ہر اک قوم کے دل سے وحشت نکالی

عرب اور حبش ترک و تاجیک و دیلم
ہوئے سارے شیر و شکر مل کے باہم

تعصب نے اس صاف چشمہ کو آکر — کیا بغض کے خار و خس سے مکدر
بنے خصم جو تھے عزیز و برادر — نفاق اہلِ قبلہ میں پھیلا سراسر

نہیں دستیاب ایسے اب دو مسلماں
کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شاداں

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے — مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے
سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب اُلفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر — کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور — معین اس کا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

ہمارے ہر دل عزیز قابل فخر قومی شاعر کے قول کا کیا جواب آپ کے پاس ہے؟ اگر کچھ ہو تو از برائے خدا ارشاد فرمائیے۔ نظم

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں — کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں

کیا جواب اس سوال کا ہم دے سکتے ہیں سوائے اس کے کہ اسی دردمند دل کی دعا کو دہرا دیں۔

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے — مور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے — یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

امام زین العابدین علیہ السلام باوجود اس کے کہ حضرت کے والد اور کل خاندان کو بنی امیہ نے قتل کیا اور طرح طرح کی اذیتیں حضرت کو پہنچائی تھیں اور حضرت کے زمانہ میں بنی امیہ کی سختی

اولاد ممالک اسلام پر حکمران تھی اُس پر حضرت یہ دعا ان ممالک اور حدود اسلام کے لیئے فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَحَصِّنْ ثُغُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ بِعِزَّتِکَ وَاَیِّدْ حُمَاتَھَا بِقُوَّتِکَ وَاَسْبِغْ عَطَایَاھُمْ مِنْ جِدَتِکَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَکَثِّرْ عِدَّتَھُمْ وَاشْحَذْ اَسْلِحَتَھُمْ وَاحْرُسْ حَوْزَتَھُمْ وَامْنَعْ حَوْمَتَھُمْ وَاَلِّفْ جَمْعَھُمْ وَدَبِّرْ اَمْرَھُمْ وَوَاتِرْ بَیْنَ مِیَرِھِمْ وَتَوَحَّدْ بِکِفَایَۃِ مُؤَنِھِمْ وَاعْضُدْھُمْ بِالنَّصْرِ وَاَعِنْھُمْ بِالصَّبْرِ وَالْطُفْ لَھُمْ فِی الْمَکْرِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَعَرِّفْھُمْ مَا یَجْھَلُوْنَ وَعَلِّمْھُمْ مَا لَا یَعْلَمُوْنَ وَبَصِّرْھُمْ مَا لَا یُبْصِرُوْنَ۔

”اے خداوند کریم محمدؐ اور اس کی آل پر درود بھیج اور اپنی قوت سے مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت کر اور اُس کے حمایتیوں کی مدد اور اپنی مہربانی سے اُن پر اپنی بخششوں کو کامل کر اے خدا محمدؐ اور اُس کی آل پر رحمت بھیج اور مسلمانوں کے شمار کو بڑھا اور اُن کے حدود کی نگہبانی کر اور اُن کے اطراف ملک کو بچا اور اُن کے آپس میں محبت دے اور اُن کے کاموں کو سنبھال اور اُن کی خوراک اُن کو پہنچا اور تو اُن کی خود مدد کر اُن کو اچھی تدبیر بتا اور اُن کو صبر عنایت کر اور جو وہ نہیں جانتے وہ اُن کو سکھا اور توفیق دے اُن کو اُس چیز کے دیکھنے کی جس کو وہ نہیں دیکھ سکتے اور نہیں سمجھ سکتے یا خدا محمدؐ اور اس کی آل پر رحمت بھیج“۔

ایسے امام کی محبت جو اسلام کے ساتھ تھی اس کی تقلید ہم کو کرنی چاہیئے اور اسلام کو اطراف و اکناف عالم میں پھیلانے کی کوشش کرنا ہم پر لازم و واجب ہے ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

ایک ضروری شعبہ تعلیم کا آداب مجلس ہے یہ آدمی جب ہی سیکھتا ہے جب اس کو لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع ملے اور ایسی محفل میں شامل ہونے کا عادی ہو جہاں کے اہل مجلس علم و اخلاق سے

آراستہ ہوں۔ وہ شخص جو گوشۂ عزلت میں زندگی بسر کرتا ہے اور سوائے اوراق کتب کے مطالعہ کے کسی ہمسر سے گفتگو کا عادی نہیں ہوتا اور ایسی محفل میں مثل ایک اجنبی شخص کے ہوگا نہ اس کو آداب مجلس سے واقفیت ہوگی نہ اس کو بات کی شناخت ہوگی کہ کون سی بات کس موقع پر کہی جائے۔ ہمارے یہاں کہیں آنے جانے کو عیب سمجھتے ہیں، بہت سے خاندان یہ فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی بیبیاں کبھی گھر سے باہر نہیں نکلیں کاش ایسے خاندان یہ فخریہ بیان کر سکتے کہ ہمارے یہاں کوئی نکمی لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی۔

انسان اور حیوان کے درمیان جو بہت بڑا امتیاز و مابہ الافتراق ہے وہ یہی ہے کہ انسان ناطق ہے اور حیوان اس نعمت عظمیٰ سے محروم۔

خداوند کریم انسان کی فضیلت میں خود فرماتا ہے وَعَلَّمَهُ الْبَيَان اگر گویائی کی طاقت اس سے چھین لی جائے تو بہت کم فرق انسان اور حیوان میں باقی رہ جاتا ہے اس طاقت کا استعمال بھی اسی زندگی میں ہو سکتا ہے۔ عالم برزخ میں تو یقینی گفتگو کی حاجت نہ ہوگی۔ پھر اگر اس زندگی میں انسان ایک دوسرے کی شیریں کلامی سے محظوظ نہ ہو سکے تو اس نعمت غیر مترقبہ کی کافر نعمتی ہوتی ہے جو انسان کو بالخصوص عطا کی گئی ہے۔

ہر مذہب و قوم میں یہ ایک لازمی امر سمجھا جاتا ہے کہ لوگ آپس میں ملیں اور ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کریں اور اسی بڑی حکمت پر ہمارے ہادیٔ برحق نے حکم حج مرد و زن کے لیئے فرمایا ہے۔

جن خاندانوں میں ہمارے یہاں ملنے ملانے کا دستور بھی ہے تو صرف اس قدر کہ کسی عزیز قریب کے یہاں شادی یا غم میں شریک ہو گئے اس قدر محدود ملاقات کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان ہم چو من دیگرے نیست کے وہم میں پڑ جاتا ہے اور اس کو اپنے بنی نوع کے معاملات سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ نہ کوئی ایسا مجمع

اُس کی زندگی میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کو خودی کے جامہ سے باہر نکال کر نفس اور ذات کو فراموش کرا کے دوسرے کے نفع یا مدد کے خیالات کو اُس کے دل میں پیدا کر لے ایسے اثرات کی عدم موجودگی میں خود غرضانہ دائرے سے باہر نکل کر اپنے بنی نوع کی صلاح و فلاح میں حصہ لینا جو ایک مہذب زندگی کے لئے لازمی و واجبی فرض ہے محال معلوم ہوتا ہے۔

آج کل کی مغربی تہذیب نے مساوات کا ایک بت ایسا تراش رکھا ہے کہ لات و منات سب اُس کے سامنے سرنگوں ہو گئے ہیں۔ ہر شخص بے سمجھے بوجھے مساوات کے نعرے لگاتا پھرتا ہے۔ کوئی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ مساوات کس قدر فطرت کے خلاف چیز ہے اور اگر درحقیقت غور کیا جائے تو ایک مہمل موضوع ہے۔ اگر مساوات کے اوپر خلاف عالم قضائے قدرت کو پیدا کرتا تو یہ نظام کہاں سے آتے اور دنیا کس طرح چلتی۔ اب اس مساوات کی ہوس عورتوں کے بھی دل میں سما گئی ہے۔ اور وہ ہر چیز میں مردوں کی ہمسری کی خواہشمند ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتیں کہ خود صانع کی یہ قدرت ہے کہ اس نے عورت کو سرے سے مرد کے بالکل خلاف طبائع و خواہشات پر پیدا کیا ہے ورنہ یہ باہمی جذبات و کشش کیونکر پیدا ہوتی دیکھئے لڑکی صغر سنی سے یہاں تک کہ قبل اس کے کہ وہ بات کرنا سیکھے گڑیا یا کسی اور چیز کو لے کر بچہ بنا کر کھیلتی ہے اور اس فرضی بچہ کو اس محبت اور احتیاط سے اٹھاتی ہے کہ لڑکا کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ بچپن ہی سے بندوق و تلوار اور گھوڑے وغیرہ سے کھیلنا پسند کرتا ہے۔ خود گھوڑا بنکر دوڑتا ہے۔ گڑیا کو ہاتھ سے بھی نہیں چھوتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود قدرت نے دونوں فریق کی ذمہ داریاں مختلف رکھی ہیں اور انہیں ذمہ داریوں کی مناسبت سے اُن کے طبائع خلق کئے ہیں۔ عورتوں کی یہ خواہش ہے کہ ہر کام جو مرد کرتے ہیں وہ عورتیں بھی کرنے لگیں ایک خلاف فطرت امر معلوم ہوتا ہے۔ اس خواہش کے اظہار سے

عورتیں اپنی وقعت بڑھانے کی جگہ پر جیسا کہ وہ سمجھتی ہیں اپنی وقعت درحقیقت کم کرتی ہیں۔ ان کی اس خواہش سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو ذمہ داریاں قدرت نے ان کے سپرد کی ہیں وہ اُن کو حقیر سمجھتی ہیں اور اُن سے گریز کرکے اُن ذمہ داریوں کا بیڑا اٹھانا چاہتی ہیں جو مرد کے لیئے مخصوص ہیں۔ اس خواہش کے اظہار سے وہ اپنی قدرتی شان کو کم کرکے دکھاتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے ذمہ جو ذمہ داریاں رکھی گئی ہیں اُن کو ہم نظرِ حقارت سے دیکھیں بلکہ خدا نے جو ذمہ داریاں عورتوں کے سپرد کر رکھی ہیں وہ درحقیقت نہایت اہم اور نازک ہیں اسی پر قوم کی صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ گھر کا امن و سکون بچوں کی پرورش اُن کے خیالات کی بلندی و پستی کی وہی پیدا کرنے والی ہیں اور اس طرح پر وہ قوم کی پوری ملکہ ہیں قوم کو اچھا بنائیں، چاہیں برباد کردیں۔ مرد تو پیٹ پالنے کا دھندا کرتے ہیں مگر غذائے روح کا مہیا کرنا عورتوں کے اختیار میں رکھا گیا۔ وہی دنیا کی پُرخار زندگی کو گلزار بناتی ہیں اور مرد کی ناہموار بود و باش کو اپنی لطافت و نفاست روحانی سے عالمِ بالا سے متصل کر دیتی ہیں۔ کسی طرح سے وہ ذمہ داریاں جو قانونِ قدرت نے فرقۂ اناث کے تفویض کر رکھی ہیں تحقیر کے لائق نہیں۔ بلکہ نہایت باوقعت اور سنگین ہیں۔ یورپ میں عورتوں کی شادی ہونے میں بہت سی دشواریاں ہیں اس لیئے اُن کو اپنی روٹی آپ کمانا ہوتا ہے اور یہ صورت ایسی نہیں کہ کوئی اس کی آرزو کرے بلکہ یہ صورت تو وہاں مجبوری پیدا ہوتی ہے کوئی خوشی سے اختیار نہیں کی جاتی، اس لیئے ہم کو اس کی تقلید کی اس میں کیا ضرورت ہے۔ عورت کی سب سے بڑی خوش نصیبی اچھے شوہر کا ملنا ہے اور مرد کی سب سے بڑی خوش نصیبی اچھی بی بی کا ملنا یہی زندگی طبعی ہے اور باقی حالات خلاف فطرت ہیں عورتوں کی طبیعت کی نزاکت اور اُن کے فرائض کی نوعیت کے لحاظ سے اسلام نے اُن کی آزادی کے دائرے کو نہایت حکیمانہ و فلسفیانہ حدود سے محدود کر دیا ہے۔ مغربی تعلیم کی روشنی جو ہر قید کی پابندی کو

بندِ غلامی سمجھتی ہے۔ اور ان سب کے قلع قمع کرنے کو اپنا فرض عینی خیال کرتی ہے در اصل حقیقت سے بہت دور ہے بغیر ان قیود کی پابندیوں کے تہذیب قایم نہیں رہ سکتی۔ پردہ تو باعث عزت ہے یہ کس منطق کی رو سے باعث ننگ و عار قرار دیا جا رہا ہے۔ مگر بے شک حد اعتدال سے تجاوز کا اسلام ذمہ دار نہیں۔

دینی اور قرآنی تعلیم کچھ آسان امر نہیں اور نہ ایسی تعلیم سے برکت اور فائدہ کی امید ہو سکتی ہے جب تک کہ یہ تعلیم خلوص نیت سے نہ کی جائے یعنی اس مقصد اور ارادے سے کہ ہمارے بچے اس تعلیم سے معراج آزادی و حریت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے کے قابل نہیں جو اسلام کا اعلیٰ نصب العین تھا جس میں کسی قسم کے تعصب بغض و کینہ کی گنجایش نہ رکھی گئی تھی کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ اگر مذہب کی تعلیم اس طرح پر کی جائے کہ روز بروز تعصبات میں زیادتی ہوتی جائے تو ایسی مذہبی تعلیم نہ ہونا بہتر ہے کہ خود اپنے مقصد کی آپ ہی سدِ راہ ثابت ہوگی

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ دونوں طرف کے مولوی لوگ دونوں طرف کے بچوں کو جب تعلیم دیتے ہیں تو دوسرے کے مذہب سے نفرت اور توہین سکھاتے ہیں۔ اصلی مذہب کی تعلیم تو کم ہوتی ہے مگر ایک دوسرے سے نفرت کی تعلیم زیادہ ہوتی ہے جس سے پہلا مقصد مذہب کا فوت ہو جاتا ہے۔

شیعہ اور سنی میں در اصل کوئی مذہبی اختلاف ایسا نہیں ہے کہ ہم بخوبی مٹا نہ سکیں ؎

تعصب کو اک جزو دیں سمجھے ہیں ہم
جہنم کو خلد بریں سمجھے ہیں ہم

جو اختلاف شیعہ سنی میں ہے وہ محض سیاسی ہے اور ایسے اشخاص کا ڈالا ہوا ہے جنھوں نے اپنے فائدے کے لیے گروہ مسلمین میں تفرقہ ڈال کر اس سے فائدہ اٹھایا۔ یہ ایک ایسی چال ہے جو اس وقت سے آج تک حکومت حاصل کرنے والوں کے ہاتھ میں ایک زبردست آلہ بنی رہی ہے۔

اس امر پر غور کرنے سے حیرت و افسوس ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں میں مذہبی جوش و ولولہ آپس کے تعصب اور نکتہ چینی ایذا رسانی میں صرف کیا جاتا ہے اور وہ کوکب دری اور وہ نور ایمانی جو عالم کی فیض رسانی کے لئے خلق کیا گیا تھا آتشِ سوزاں بنکر اپنے ہی گھر کو آپ آگ لگاتا ہے ۔ اور ہمارے عیسائی بھائیوں کا جوشِ مذہب دنیا کے کل ممالک اور ملک کے قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں مشنری اسپتالوں اور خانقاہوں کی صورت میں مثل روز روشن کے چمک رہا ہے ۔ کس قدر ایثار نفس اور قربانی کو وہ اس راہ میں گوارا کرتے ہیں ۔ ہمارے یہاں اگر کوئی اس کام کو کرے تو لوگ اس کو بعوض اس کے کہ دلے درمے قلمے سخنے اس کی مدد کریں جیسا کہ ہمارے عیسائی بھائی کرتے ہیں ۔ ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور جب تک کہ اس کو بدنام کر کے کام چھوڑنے پر مجبور نہ کر لیں دم نہیں لیتے ۔ اسی طرح اور قومی کام کرنے والوں کی مدارات ہوتی ہے ان کی خانگی زندگی بھی حریصوں کے لعن طعن سے نہیں چھٹتی ۔ کوئی انسان کیسا ہی قابل یا لائق جفاکش محنتی کیوں نہ ہو کسی قسم کی کمزوری تو اس میں بحیثیت ایک انسان ضعیف البنیان ہونے کے ضرور ہوگی ۔ بے عیب ذات تو صرف خدا کی ہے کوئی انسان اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ۔ پس جو شخص قوم کے لئے تھوڑا سا بھی کام کرے یا حیثیت دینی و قومی اس میں پائی جائے وہ اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کی قدر کریں اگر اس راہ میں کوئی گزند یا اذیت اس کو پہنچے تو ہمارا یقینی فرض یہی ہے کہ ہم اس کی پوری امداد کریں ۔ کسی نقصان کا ڈر ہم کو اس کی مدد سے باز نہ رکھے ۔ مگر میں حسرت و تاسف کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ہماری روش اس کے بالکل متضاد اور برخلاف ہے ۔ محبانِ قوم کے ساتھ ہماری بے وفائی ضرب المثل ہو گئی ۔

اگر تعلیم پانے پر بھی ہم اخلاقی قوت پیدا نہیں کر سکتے یا کسی قربانی کو قومی و مذہبی عزت کی خاطر گوارا نہیں کر سکتے تو اس تعلیم کی کیا وقعت ہو سکتی ہے اور ہم کیا توقیر ہمسایہ قوموں کی نظر میں پیدا کر سکتے ہیں ۔

جرأت کی صفت بعد سچائی کے صحیح اور عمدہ تعلیم و تربیت کی پہلی شناخت ہے۔ اگر ہماری کانفرنس اور جلسے ہمارے مُردہ دلوں میں جان نہیں ڈال سکتے اور ہماری اس جمودیت کی حالت میں حرکت نہیں پیدا کر سکتے، ہماری غیرت کو جوش میں نہیں لا سکتے ہمارے دلوں میں ایک زندہ قوم بنکر رہنے کی اُمنگ نہیں پیدا کر سکتے ہمارے قوم کی محبت ہمارے دل میں نہیں پیدا کر سکتے۔ ان کی تحقیر و تذلیل کا احساس ہم کو نہیں ہو سکتا، اُن کے درد سے ہم متاثر نہیں ہو سکتے، تو ایسی کانفرنس اور مجالس کا عدم اور وجود برابر ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ جو بڑا مجرّب سمجھا جاتا ہے اور جو اقوام کے حق میں قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کا حکم رکھتا تھا یہی ہمارے لیئے غیر مفید وبے کار ثابت ہوا اور ہم بعوض ایک ذی روح جماعت ہونے کے چینی کی پتلیوں اور گڑیوں کی طرح صرف اس مصرف کے رہ گئے کہ پیٹ کی ڈوری کھینچنے پر ماما پاپا پکار کر اپنے خریداروں کو خوش کریں اور ہمارے خونِ غیرت میں حرکت باقی نہیں رہی۔

اے میری عزیز بہنو! زمانہ سلف میں مسلمان خواتین نے بڑے بڑے کام کیئے ہیں۔ سچ پوچھیئے تو اسلام کی اِس عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے والی ہی ایک مقدس و عالی نژاد خاتون تھیں۔ اگر اس عمارت کے معمار حضرت رسول اللہ علیہ التحیتہ والسّلام تھے تو ضرور حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہی کے مقدس ہاتھوں نے اس کا پہلا سنگ بنیاد رکھا جس طرح حضرتؐ نے فرمایا آپ بھی فرما سکتی تھیں کہ میں پہلی مسلمہ ہوں۔ اس مقدس بی بی نے اسلام کا بڑے کڑے وقتوں میں ساتھ دیا اور اپنا روپیہ پیسہ سب اس راہ میں خرچ کیا۔ ہم کو بھی جو اس مذہب کے حلقہ بگوش ہیں ایسی خواتین کے نقش قدم پر چل کر اپنی روحانیت کو قوی کرنا چاہیئے۔ اور پھوٹ اور نفاق کو چھوڑ کر اخوت اور اتحاد کو اختیار کرنا چاہیئے اس وقت خدا کی رحمت سے ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ خدا ہمارے کاموں میں برکت دے یَا عِبَادِیَ

الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ خداوند کریم نے اپنے اُن بندوں کے لیے جو گنہ گار ہیں اور حد سے تجاوز کر گئے ہیں یہ فرمایا ہے۔ اے میرے بندو، میرے کرم سے نا اُمید نہ ہو۔

ہمارے جلسوں اور انجمنوں میں اکثر ذکر اسراف اور فضول خرچی کا ہوا کرتا ہے مگر کبھی کسی نے اس اسراف کی طرف اشارہ نہیں کیا جس کی تلافی ہمارے حدِ امکان سے کلّیتہً خارج ہے اور جس کے اسراف میں ہم ذرّہ برابر بھی تامل نہیں کرتے۔

روپیہ اگر بے جا خرچ ہو جائے تو اُمید ہو سکتی ہے کہ پھر کفایت سے یا تجارت یا ترکہ سے ہاتھ آ جائے گا۔ مگر وہ بیش بہا خزانہ:-

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصلِ دولت ‏ ‏ وہ شائستہ ملکوں کا گنج سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت ‏ ‏ وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت

نہیں اس کی وقعت نظر میں ہماری
یوں ہی مفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا ‏ ‏ تو ہو گا کم و بیش بارِ اُس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دُنیا ‏ ‏ کہ اک اک لمحہ ہے انمول جس کا

نہیں کرتے خسّت اڑانے میں اُس کے
بہت ہم سخی ہیں لٹانے میں اُس کے

ہم کس قدر اس بیش بہا خزانہ کی قدر سے غافل و بے پروا ہیں کوئی دوسری قوم اس میں ہماری برابری نہیں کر سکتی۔ عورتیں چوبیس گھنٹے خرافات باتوں میں کاٹ دیتی ہیں عمر دو تقریباً

دوست نوکر چاکروں سے باتیں چوسر پچیسی گنجفے میں عمر گزار دیتے ہیں اور تضیع اوقات کا اُن کو ذرا بھی تاسف نہیں ہوتا بعض بیبیاں اور اکثر مرد بھی ساری رات چوسر گنجفہ میں کاٹ دیتے ہیں اور صبح کا ناشتہ کر کے سو رہتے ہیں اور پھر شام کے تین چار بجے اُٹھتے ہیں گویا اُن کے واسطے سورج رات کو نکلتا ہے اور دن کو چھپ جاتا ہے ؎

نہیں کچھ بھی گویا خبر دار ہم ہیں
کہ یہ سانس آخر ہے اب کوئی دم میں

اگرچہ دولت اور حشمت نے انہی بے پروائیوں کی وجہ سے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

کہ ہم نے بگاڑا نہیں کچھ ابھی تک
وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک

مگر یہ راس البضاعت جس کو وقت کہتے ہیں یہ تو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم جیسا کچھ اس سے مستفید ہوتے ہیں وہ عالم پر آشکار ہے۔ دنوں مہینوں برسوں کے بیکار گزر جانے کا ہم کو کوئی رنج و تاسف و افسوس نہیں ہوتا عمر سب مفت میں کھو کر پھر نادان کے نادان ہی رہتے ہیں۔

اے میری عزیز بہنو! آئیے ہم آج اس مجمع میں عہد کریں کہ ہم حتی الامکان اپنے وقت کی قدر کریں گے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں گے۔

دوسری استدعا میری یہ ہے کہ ہم اپنی انگریز بہنوں کے نقشِ قدم پر چل کر ان کی غربا پروری اور اُن کی اشاعتِ مذہب میں سرگرمی کے سبق سیکھیں۔

اِس اقبالمند قوم کی ہر خاتون شہزادی سے لے کر دہقان زادی تک غربا و مساکین کی تعلیم و پرورش میں مصروف رہنا اُن کی حالت کو بہتر کرنا اپنا فرض اور منصبی فرض سمجھتی ہیں اور اشاعت مذہب میں ہر ایک سرگرم و کوشاں ہیں۔ انہیں کی مساعی جمیلہ سے اطراف و اکناف عالم چین، جاپان،

ایران، توران، ہندوستان مشنریوں سے بھرا ہوا ہے۔ جابجا غربا کے لیے اسپتال اور مدارس مہیا ہیں۔ معلّم و معلّمہ تیمار دار غمگسار موجود ہیں جن کے لیے بڑے بڑے اوقاف موجود ہیں۔ نہ سلطنت کی طرف سے بلکہ متموّل اشخاص اور زیادہ تر خدا ترس خواتین کی طرف سے یہ امداد جاری ہے مشنریوں کو نہ صرف تنخواہیں قرار واقعی ملتی ہیں بلکہ اُن کی اولاد کی تعلیم بھی کرائی جاتی ہے اور اُن کی بیماری اور ہوا خوری کے اخراجات تک دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ صحیح و تندرست رہ کر اپنا کام کما حقّہٗ کریں۔

اس کے مقابل میں ہماری ایک اکلوتی کوشش وہ بھی سیکڑوں برس کی غفلت کے بعد جو آج بصورت مشن و مسجد ووکنگ ظہور میں آئی ہے۔ اس کی حالت عسرت و فلاکت پر غور فرمائیے نہ صرف یہ کہ ہم اس کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ مشن خود گویا ہمارے لیے نشانہ ملامت بنی ہوئی ہے۔ ہر شخص اُس پر اعتراض کرتا ہے اور یہی گویا ہماری امداد ہے۔ سچ ہے کہ جس شخص اور جس قوم کے پاس جو چیز زیادہ ہوتی ہے اُس میں سے وہ دے سکتا ہے اور اس کے سوا ہمارے پاس رہا ہی کیا ہے۔

میں یہ قبول کرتی ہوں کہ بہت سے عیوب ضرور اس میں ہیں جیسا کہ میں پہلے آپ کے حضور میں عرض کر چکی ہوں کہ بے عیب تو ذات صرف خدا کی ہے یا خدا ہی کوئی فرشتہ ملکوت یا برگزیدہ بندہ بھیج دے تو شاید اس کا کام بھی ویسا ہی بے لوث ہو۔ انسان کے کام تو نقائص سے ضرور بھرے ہوں گے اگر ہم اس کو مقتضائے بشریت سمجھ کر اس سے درگزر نہ کریں تو کوئی بھی کام ہمارا چل سکتا ہے؟

کیا یوروپین مشنریوں اور مشنوں میں صدہا عیب نہیں ہیں بیشک ہیں مگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان سے ان کا مدعا حاصل ہوتا ہے کام نکلتا ہے۔ اور اکثر اشخاص کا یہ جواب ہے کہ اگر یوروپین مشنریوں میں نقائص پائے جاتے ہیں تو ضرور نہیں کہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ ایک مثال قائم ہو۔ ایسے

صاحبوں کی خدمت میں دست بستہ عرض پرداز ہوں کہ جب ایسے سراپا اوصاف اقوام کے افراد انسان کامل کا نمونہ پیش نہیں کر سکتے تو وائے برحال اس امت عاصی کے جو سراپا نقائص ہے۔ اس صورت میں کیا ان کی قوم کا برتاؤ ان کے ساتھ ہمارے لیئے قابل تقلید نہیں ہے؟ کیا ان کا برتاؤ ایک بڑی حکمت عملی پر مبنی نہیں ہے؟ کیا اس سے انھوں نے فائدہ نہیں اٹھایا؟ پھر ہم کو کونسا امر ان کی پیروی کرنے سے باز رکھتا ہے سوائے ہماری پست ہمتی کے۔

یورپ، امریکہ، جاپان، چین میں ابھی تک کوئی کوشش ہماری طرف سے اس قسم کی نہیں ہوئی ورنہ مدت کے یہ ممالک اسلام کے دائرۂ اثر میں آچکتے۔ یورپ کے بارے میں تو مجھے یہ یقین کلی ہے کہ مذہب اسلام جب ہی اپنے پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہوگا جب یورپ اس کو قبول کرلے گا اور یورپ کی تہذیب جب ہی کامل ہوگی جب وہ اصول اسلام کے ساتھ منطبق ہوجائے گی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کو تاکید کی ہے کہ حکمت کو اس طرح ڈھونڈے کہ گویا اس کی کھوئی ہوئی اونٹنی ہے اور جہاں ہو اس کی تلاش جاری رکھے۔ اسی طرح اسلام بھی ضالۃ یورپ ہے جب یہ نعمت یورپ کے ہاتھ لگ جائے گی تو اس روز ضرور اس کے لیئے بدرجۂ اولی یہ خوشخبری صادق آئے گی کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور ان کی تہذیب جو اسلامی سورج کی ایک کرن ہے اس روز اپنی پوری شان میں چمکے گی۔ اس نتیجے کے پیدا کرنے کے لیئے نہایت کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر ایک متنفس بھی وہاں مشرف باسلام ہوتا ہے تو گویا ایک بیج ایک زرخیز زمین میں پڑجاتا ہے جس کے آئندہ بارور ہونے کی امید ہے۔

اس کام کے لیئے اس قسم کے کتب و مضامین کے پھیلانے کی ضرورت ہے جس سے جو اہتمام

اسلام پر لگائے گئے تھے وہ دُور ہوں۔ اس کام کو تو نہایت کامیابی کے ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب کے "اِسلامِک رِیوِیو" نے پورا کیا ہے اس کے مفت پرچہ ممالک یورپ، امریکہ، چین، جاپان میں تقسیم ہونے کے لیئے ہم کو ضرور مدد کرنا چاہیئے اور اُن کتب کو جو پچھلی پارکنسن ایک یوروپین محقق و مسلم نے لکھی ہیں چھپوانے کے لیئے کوشش کرنا چاہیئے اور چندے سے اُن کی اس قسم کی اور تصانیف شایع کروانا چاہیئے یہ ایک فرض ہے جس سے غفلت کا نتیجہ میری نظر میں بہت بُرا ثابت ہو گا ؎

جہاں کی کامیابی ہے کرشمہ جوشِ ہمت کا   اگر یہ لہر آجاتی ہے بیڑا پار ہوتا ہے

ہر شخص اپنے حتی الامکان کوشش کرسکتا ہے منفرد سعی کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ قطرہ قطرہ دریا شود ایک شخص کی سعی سے ایک عالم میں تغیر برپا ہو سکتا ہے پوری قوم میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھیئے آپ کی یہ کانفرنس بھی ایک عالی ہمت خاتون کی کوشش کا نتیجہ ہے جن کا درد مند دل ہر وقت اپنے ملک کی عورتوں کے لیئے بے چین رہتا ہے اور جن کا روشن دماغ باوجود اہم مسائل سلطنت و خانہ داری کے ہماری صلاح و فلاح کے تفکر میں ڈوبا رہتا ہے اور ہم کو فائدہ پہنچانے کی طرف سے غافل نہیں رہتا اور اور جن کی متبرک زندگی اسلامی دنیا کے لیئے ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ آپ نے اس کانفرنس کی بنیاد ڈالی بلکہ بنفس نفیس دُلہن صاحبہ کو سکرٹری مقرر کر کے اس کا بار اپنے مستقل شانوں پر رکھدیا کہ آخر وہ اُس کو منزل مقصود تک کھینچ ہی لائیں۔

قبل اس کے میں اس طولانی تقریر کو ختم کروں یہ کہنا ضروری سمجھتی ہوں کہ ہمارے یہاں باوجود لکچروں اور تحریروں کے حقیقی ترقی بہت کم ہوئی ہے۔ اس کمی کا الزام مردوں اور عورتوں دونوں کے ذمہ برابر ہے۔ عورتوں کی جہالت کے ذمہ اس کا کل بوجھ ڈال دینا حق سے بعید ہے۔ بیشک مستورات کے

ناقابل ہونے سے گھر کے انتظام راحت صفائی کفایت شعاری میں بہت بڑا خلل واقع ہوتا ہے اس
کمی کو مرد اپنی دانشمندی اور علم سے بہت کچھ اصلاح کر سکتے ہیں اگر وہ گھر کی بی بیوں بیٹیوں سے وہ برتاؤ
کریں جو مہذب انگریز گھروں میں کیا جاتا ہے اور اپنے وقت کا کچھ حصہ اُن کے ساتھ گزاریں جو کچھ وہ کہیں
اس کو دلچسپی سے سنیں اور جو بات ان کی گفتگو افعال و ارادے میں ناقص پائی جائے اس کی اصلاح نرمی
سے کریں جو خوبی اُن میں ہو اُس کی تعریف کریں تاکہ نیکی کی طرف اُن کے طبایع مائل ہوں دلجوئی اور محبت
نرمی و سختی اپنے اپنے موقع پر اصلاح کے خیال سے کی جائے تو ممکن ہے کہ بیاہی ہوئی مستورات جن کی تعلیم
قبل شادی کے نہیں ہوئی وہ بھی لائق شوہر کی صحبت میں تعلیم حاصل کرلیں ۔

صحبت کا اثر بہت ہوتا ہے ۔ اگر وہ لوگ اپنے وقت کا تھوڑا سا حصہ اپنے گھر اور گھر والوں
کی درستی میں صرف کریں تو ضرور نتیجہ حسب دلخواہ ہوگا ۔ اگر گھر کی بی بیوں سے ایسا برتاؤ ہو کہ ان کی طبیعت،
بلیت خوبی بدی سے صاحب خانہ واقف ہی نہ ہوں اور اپنا کوئی اثر ان کی طبیعت پر نہ ڈال سکیں صرف
روٹی کپڑا دینے کو اپنا فرض سمجھیں اور ماسوا کی پرواہ نہ رکھیں تو یقیناً وہ اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی
کرتے ہیں اور خود ہی اس غفلت کے نتائج کے ذمہ دار ہیں ۔

دنیا میں کوئی کام بغیر کافی سرمایہ کے انجام نہیں پاسکتا چنانچہ اس کانفرنس کی کارروائیوں
کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد درخواستیں جو امداد کے لیئے اس مجلس میں پیش کی گئی تھیں وہ بوجہ
قلت سرمایہ کے مجبوری رد کردی گئیں لیکن اب ہمارے آقائے ولی نعمت میر عثمان علی خان بادشاہ دکن
نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے اور ایک ایسی رقم اس کانفرنس کی امداد میں عطا فرمائی ہے جس سے کانفرنس
کی بنیاد مضبوط ہوگئی اور اس کو اپنے حسب دلخواہ اشاعت تعلیم و مذہب کے کاموں میں حصہ لینے کا

موقع مل گیا۔ اور ہمارا بھی تعلق جو اہلِ حیدر آباد ہیں اس کانفرنس کے ساتھ پیدا ہوگیا۔ سب اراکین کانفرنس کو چاہیئے کہ بادشاہ دکن و شہزادگان بلند اقبال کے لیئے ہمیشہ دست بدعا رہیں ؎

چون نیارم از ثنائیش دم زدن ۔۔۔ دست در ذیلِ دعا خواہم زدن
یارب از چشمِ بد انشش دور دار ۔۔۔ رایتِ اقبال او منصور دار
برتر از ایوان و کیوان رتبتش ۔۔۔ سورۂ انّا فتحنا نصرتش !
دوستانش بر بساطِ عز و ناز ۔۔۔ دشمنان چون شمع در سوز و گداز

خدا شاہِ دکن اور شہر دکن و کُل بلاد اسلام کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے اور آپ کا ظلِّ عاطفت آپ کی رعایا و اہلِ اسلام پر قایم و دائم رہے، آمین۔

اے میری عزیز بہنو! میں نے اپنے خیالات کے اظہار کرنے میں روزمرّہ کے حالات کو آپ کے روبرو بیان کیا ہے شاید اس سے آپ کو وہ مسرت نہ حاصل ہو جو اسلام کی گذشتہ شان و شوکت کے اظہار سے ہوتی اکثر لکچرار و مقرّرین کا یہی دستور رہا ہے۔ گذشتہ عظمت و جبروت کے اظہار سے وہ سامعین کو خوش کرتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیئے اُن کے وہم رسا قرطبہ و غرناطہ کی سیر کر کے مسرور ہوتے ہیں

مگر اے خواتین ! اسلام کی مرثیہ خوانی کرنا تو اپنے زخمِ جگر پر نمک چھڑکنا ہے۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۔ اسلاف کی مرثیہ خوانی چھوڑیئے اور موجودہ حالت کا حسرتناک مشاہدہ کیجیئے اور گذشتہ دولت کے خمار سے اب بیدار ہو جائیئے ایسا نہ ہو کہ ہماری بیداری بعد خانماں بربادی کے ہو ابھی اُمید باقی ہے اور ہمّت کا حامی خدا ہے شاید خدا آپ کی مدد کرے۔

اے میری عزیز بہنو! میں آپ سے اس سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں اور آپ کے

اس کانفرنس میں شریک ہونے کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

یہ سال اہلِ ہند پر بڑا سخت گزرا۔ انفلوئنزا، طاعون، قحط نے ہزاروں گھروں کو ویران کر دیا۔ ہم سب کو مل کر دعا مانگنا چاہیئے کہ خدا قحط، طاعون اور انفلوئنزا سے سرزمین ہند کو محفوظ اور مصئون رکھے اور ہم کو ان آفات سے بچا کر مفید قومی کام کرنے کا موقع عنایت فرمائے۔

اختتامی تقریر

خواتین! میں ان چند الفاظ میں آپ کے روبرو گذشتہ پانچ سال میں جو کام اس کانفرنس نے کئے ہیں بیان کرتی ہوں جس پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کانفرنس نے امید سے زیادہ کامیابی حاصل کی اور اپنے قیام کی ضرورت کا عملی ثبوت دیا۔

۱۹۱۴ء میں ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے اس کو علی گڈھ میں قائم کیا اس وقت اس کی کامیابی کی کسی کو امید نہ تھی۔ جس خاتون کا نام اس کی معتمدی کے واسطے لیا جاتا تھا وہ کان پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹ جاتی تھیں۔ یکے بعد دیگرے سب کے نام پیش ہوئے مگر ہر ایک نے اس کی معتمدی کا بار اٹھانے سے پہلوتہی کی مگر سرکار عالیہ کی شاہانہ ہمت نے ان دلشکن مناظر پر پوری فتح پائی یعنی اسی وقت اسی گروہ میں سے آپ کی جوہر شناس نظر نے نفیس دلہن صاحبہ کی خاموش ذات کو منتخب کرکے باوجود ان کے بار بار اظہار معذوری کے کانفرنس کی معتمدی کا بار اُن کے کاندھوں پر رکھدیا اور کوئی عذر قبول نہ کیا۔ سال بھر ہی میں سرکار عالیہ دام اقبالہا کے انتخاب کے لاجواب ہونے کا عملی ثبوت اراکینِ کانفرنس کو مل گیا۔

خواتین! کانفرنس کا کام کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کا وجود میں لانا سرکار عالیہ کی ایسی صاحب اقتدار ذات ہی سے ممکن تھا۔ دوسرا اس کام کو نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی ایسے صاحبِ ثروت کے زیر سایہ ہونے پر بھی مدعیانِ عقل و فراست کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکا۔ مگر خوش قسمتی سے آپ کے پاس ایک ایسا معتمد موجود تھا جو السلامۃ فی الصمت کے زریں

اصول سے مزین تھا ورنہ ناصیۂ ہمت پر ایک بدنما داغ لگ جاتا اس میں کوئی شک نہیں کہ نفیس دلہن صاحبہ نے نہایت بردباری کے ساتھ مخالفین کے اعتراضات کا مقابلہ کیا اور سرکار عالیہ کی اس پیشین گوئی کو کہ "مجھے یقین ہے کہ میرا انتخاب کامیاب ثابت ہوگا" پورا کر دکھایا۔

خواتین! یہ فخر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ایک ایک کی چار سناتے ہیں اور کبھی خاموش نہیں رہتے۔ یہ الفاظ اور یہ روش کسی محترم خاتون کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتی ہمارا تمغۂ امتیاز تو حلم، نرم زبانی اور نیک مزاجی ہونا چاہئے۔ اور انھیں اوصافِ حمیدہ سے انسان باعظمت و باوقار بنتا ہے۔ آپ سب پر واضح ہے کہ ہمارا مذہب اخلاق و نرم زبانی پر ہے جو شخص حلم و بردباری، مخالفت سے درگذر کرنا بدی کے مقابلہ میں نیکی کرنے کو اپنا شیوہ نہیں بناتا وہ اسلام سے بہت دور ہے۔ انسان کی فطرت میں خدا نے حق و باطل میں تمیز کرنے کا مادہ رکھا ہے اگر آدمی ہٹ دھرمی سے اپنے ضمیر کی سچی ہدایت کو خواہشات سے مغلوب رکھے اور اس پر اعتنا نہ کرے تو اسی کا قصور ہے، آپ ہی انصاف کیجئے کہ اگر ایسی دو بیبیاں آپ کے روبرو ہوں کہ ایک تو نہایت نکتہ چیں، معترض، درشت مزاج، سخت زبان اور دوسری نیک مزاج، کم سخن، درگذر کرنے والی ہو تو کس کو آپ ترجیح دیں گی۔ یہ مثل کس قدر سچ ہے مَن لَانت کلمتہ وجبت محبتہ سچ تو یہ ہے کہ حلم نیک مزاجی اور تحمل سے زیادہ کوئی صفت فرقۂ اناث کے لئے باعث زینت و فخر نہیں ہو سکتی ہے۔ یہی ہمارا سب سے بڑا زیور ہے اور اس کے بغیر کوئی علم و فضل زیب و زینت ہم کو قابل قدر نہیں بنا سکتی۔

نفیس دلہن صاحبہ اگر سب طرح کی نکتہ چینی کی برداشت صبر و تحمل کے ساتھ نہ کرتیں تو یہ کانفرنس مدت کی درہم برہم ہو جاتی آپ کے تحمل نے ہی اس کو قائم رکھا اور اس حالت پر اس پانچ سال کے عرصے میں پہنچا دیا جس کی ابھی ایک مدت تک ہم کو امید نہ تھی۔ دور دراز شہروں کی مسلم خواتین اِس کانفرنس کی ممبر ہیں جن کا پتہ آپ نے بہت کوشش سے لگایا۔ کتابیں تصنیف کر کے مفت تقسیم کیں۔ اِس طرح بہت سے دور دراز ممالک کی خواتین سے خط و کتابت کی راہ نکالی اور کانفرنس کی طرف سب کو توجہ دلائی۔ اس کے مقاصد سے دلچسپی پیدا کرائی اور اِس کے اراکین کی تعداد بڑھائی۔ ذاتی خرچ سے شہروں کا سفر کر کے کانفرنس کی طرف رغبت دلائی اور یہ سب کام نہایت خاموشی اور بغیر کسی ظاہرداری کے انجام دیا۔ میرے نزدیک سرکار عالیہ دام اقبالہا کا یہ انتخاب قابل شکر ہے۔ کانفرنس کی حالت روز بروز ترقی پر ہے۔ ایسی صورت میں اس کی معتمدی کی تبدیلی خطرناک ہوتی اگر بدقسمتی سے کسی جنگجو سکرٹری کا انتخاب ہو جاتا تو پھر رو بہ تنزل ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے مجھے نہایت خوشی ہوئی کہ اور پانچ سال کے لئے نفیس دلہن صاحبہ کا انتخاب ہو گیا۔

ایک زمانہ کانفرنس کا وہ تھا کہ جو عرائض امداد کے لئے پیش ہوتے تھے وہ افسوس کے ساتھ نامنظور کر دئے جاتے تھے مگر اب بفضلِ خدا وہ حالت نہ رہی چار ہزار روپے سرمایہ میں موجود ہیں۔ پچاس روپے علی گڑھ کے اسکول کو ماہوار دیئے جاتے ہیں۔ دس روپے دہلی کے اسکول کو جاتے ہیں۔ تیس روپے منشی پاتا ہے۔ علاوہ ازیں رپورٹ وغیرہ کی چھپائی ڈاک وغیرہ کا

خرچ خوب چل رہا ہے اسی کا نام ترقی ہے۔

حیدرآباد کی سرکار فیضِ آثار نے بحکم شاہِ دکن خلد اللہ ملکہٗ بارہ سو روپیہ سالانہ کا عطیہ کانفرنس کو اس سال مرحمت ہوا ہے جس سے اس کی بنیاد اور مستحکم ہوگئی۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم شاہِ دکن کو مع شہزادگان و شہزادیان بلند اقبال کے قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

اس کانفرنس کو چاہیئے کہ شہریار دکن کا شکریہ ادا کرے کہ اس سرکار عظمت مدار کی امداد سے کانفرنس کو اپنی دلی خواہشوں کے پورا کرنے کا موقع ملا۔ چند اراکین کانفرنس جن کی سعی و کوشش سے کانفرنس نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا ہے اور جن کی ہمدردی اس کے ساتھ ہمیشہ برابر رہی ہے وہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جیسے بیگم صاحبہ محمد شاہدین صاحب، بیگم صاحبہ محمد شفیع صاحب اور ان کی صاحبزادیاں۔ آبرو بیگم صاحبہ، فاطمہ آرزو صاحبہ، عبد اللہ بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ نواب محمد اسحٰق خاں صاحب اور نذر سجاد صاحبہ ان کے سوا اور بھی ایسے اراکین ہوں گے جنھوں نے کانفرنس کو مدد دی ہے یا اس کے مقاصد سے دلچسپی رکھی ہے جن کے اسمائے گرامی سے میں واقف نہیں ہوں مگر بغیر واقفیت غائبانہ ان سب کی خدمات کا اعتراف کرکے شکریہ ادا کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ خدا ان کو ہمیشہ قومی ہمدردی کی توفیق عنایت فرمائے۔

مسز حکم صاحبہ اور ان کی بہنوں اور مسز رسول صاحبہ، مسز غلام حسین عارف و مسز سلیمان عارف وغیرہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے بمقتضائے ہمدردی سہروردیہ اسکول کی سرپرستی کا وعدہ کیا ہے مجھے امید ہے کہ یہ اپنے نیک کام میں کامیاب ہوں گی اور مرحومہ کی یادگار یعنی ان کے مدرسے کے بقا کی کوشش کریں گی۔

مسز چودھری صاحبہ اور لیڈی گھوسنس صاحبہ نے بھی بہت خوشی سے
سہروردیہ اسکول کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ہم کو اِن تمام بنگالی خاتونوں کا شکریہ ادا کرنا
چاہیئے کہ انھوں نے ہماری کانفرنس میں شرکت کی اور دلچسپی سے حصہ لیا۔ یہ مبارک سرزمین
اپنی نیک اور تعلیم یافتہ بنگالی خاتونوں پر جس قدر فخر کرے کم ہے کیونکہ یہ تعلیم کی دل سے
حامی ہیں اور ملک و قوم کے ساتھ سچی ہمدردی رکھتی ہیں اس جلسے میں یہ بات مجھے بہت اچھی
معلوم ہوئی کہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے متانت کے ساتھ نظمیں پڑھیں۔ مس جلال نے فارسی کی نظم
پڑھی اور ایک چھوٹی سی لڑکی رقیہ بیگم نے اپنی نظم نہایت پیارے لہجے میں پڑھ کر سنائی۔
خدا اِن نونہالانِ قوم کو سرسبز کرے۔

خواتین! آج ہمارا یہ جلسہ بہ خیر و خوبی ختم ہوگیا۔ جس چیز کی بنیاد اتفاق پر ہو وہ
خدا کے فضل سے کامیاب ہوتی ہے۔ میں سب حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے
سفر کی دشواریاں گوارا کرکے جلسہ میں شرکت فرمائی۔ خدا ہم سب کو پھر آئندہ سال ملنا
نصیب فرمائے آمین۔

دیکھئے کس طرح آناً فاناً میں یہ جلسے کے دن ختم ہوگئے اور اب ہم اپنے اپنے گھروں
کو روانہ ہونے والے ہیں۔ عمر بھی دنیا میں اسی طرح بسر ہو جاتی ہے اور ایک روز آخر آخرت
سر پر آجاتی ہے۔ خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم اس سفر کے واسطے توشۂ اعمال درست رکھیں
کسی پر ظلم نہ کریں، کسی کا دل نہ دکھائیں، حق تلفی نہ کریں، کسی کی ایذا رسانی کے درپے نہ ہوں
اس کے بعد خدا کی رحمت ہم کو کافی ہے۔

قبل اس کے کہ جلسہ برخاست ہو اور ہم ایک دوسرے کو خدا حافظ کہیں میری استدعا ہے کہ اس اجلاس میں جو کچھ رزولیوشن پاس ہوئے ہیں ان پر عمل کرنے کو آپ اپنا فرض سمجھیں ورنہ ہمارا یہ سفر اور یہ محنت رائگاں جائے گی۔ خداوند کریم ہم سب کو کل آفات و آلام سے محفوظ رکھے۔

بھوپال کی ملکہ

مرحومہ نے سفر بھوپال کے تاثرات قلمبند کئے تھے جن کی پہلی قسط رسالہ دل نواز (ملتان) بابت یکم نومبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی -

الحمد للہ کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی سرزمین میں بھی ایسی خاتون موجود ہیں جو قوتِ حکمرانی و مادۂ انتظام میں مردوں کی برابری کر سکتی ہیں - اس کی مثال اپنی آنکھوں سے بھوپال میں دیکھ آئے - جانے کے قبل یہی خیال تھا کہ بی بیاں جمع ہو جائیں گی ایک رنگی مضامین پڑھ دئے جائیں گے یہی کانفرنس کہلائے گی - مگر اس کے برخلاف جب کانفرنس کو آنکھوں سے دیکھا تو اس کے انتظام اور ٹھاٹھ کو مردانہ کانفرنس سے کہیں زیادہ پایا - زیادہ اس لئے کہ یہ ایک شاہانہ جلسہ معلوم ہوتا تھا - کانفرنس ہال پرستان کی تصویر بنا ہوا تھا کمخواب کا فرش زمین پر بچھا ہوا تھا اور کمخواب کے غلاف کی کرسیاں چنی ہوئی تھیں - سامنے کو ایک تخت پر نیلے مخمل کا کارچوبی غلاف پڑا تھا اس پر ایک سونے کی کرسی صدرِ مجلس کے لئے رکھی ہوئی تھی - اس تخت کے سامنے ایک اور مخمل کا کلابتون کا کام کیا ہوا کارپیٹ بچھا تھا اور تخت کے دونوں طرف سونے چاندی کی کرسیاں رکھی تھیں - اس وسیع و شاندار

ہال کی بناوٹ مشرقی تھی اور اس کے خوبصورت دروں میں رنگ برنگ کے چینی کے کام کی ساریوں کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

سہ شنبہ کے روز دس بجے سے کانفرنس شروع ہونے والی تھی مگر سرکار عالیہ کو اس روز بخار آگیا اور سخت زکام اور کھانسی ہوگئی اس لئے انہوں نے بارہ بجے کا وقت مقرر کیا۔ ان کی تشریف آوری کے آدھا گھنٹہ قبل عورتوں کا بیانڈ آیا جس میں ایک عورت تو سکھانے والی تھی اور دوسری کمسن لڑکیاں تھیں سب ایک ہی قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ اس جماعت نے نہایت اچھی طرح بیانڈ بجایا۔

اس کے بعد قیصر دلہن صاحبہ ولی عہد بہادر کی بیگم صاحبہ تشریف لائیں اور تخت کے قریب کرسئی زرنگار پر جلوہ افروز ہوئیں۔ پھر چھوٹی دلہن صاحبہ تشریف لائیں۔ یہ دونوں شہزادیاں حسنِ صورت و حسنِ سیرت میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ سب مہمانوں سے نہایت اخلاق سے ملیں اور باتیں کرتی رہیں۔

اس میں ٹھیک بارہ ۱۲ بجے اور سرکار عالیہ تشریف لائیں اگرچہ بخار کی وجہ سے نہایت کمزور و نحیف ہو رہی تھیں مگر اس پر بھی تشریف لائیں۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نے منع کیا تھا مگر انہوں نے مہمانوں کی دل شکنی گوارا نہ کی۔ جب وہ کانفرنس کے ہال میں تشریف لائیں اس وقت سب مہمان تعظیم کے لئے استادہ ہو گئے اور ہم لوگ جو حیدرآباد سے گئے ہوئے تھے وہ سب سامنے لائے گئے۔ ہم سب آداب بجا لائے سرکار عالیہ نے ہر شخص کے سلام کا جواب الگ الگ دیا۔ چونکہ بخار سے اٹھی تھیں اور محل سے کانفرنس کے

مقام تک موٹر پر تشریف لائی تھیں، اس تکان سے اُن کو بہت کمزوری ہوگئی۔ ہم سب نے کہا
کہ کچھ نوش فرمائیں تاکہ کمزوری دور ہو۔ انہوں نے چاء حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چائے جب لائی گئی
توسب کی طرف مخاطب ہو کر چائے نوش کرنے کی اجازت چاہی اور اپنی زبان سے فرمایا "آپ
سب کی اجازت ہے میں چائے پیوں"۔

بعد چائے کے سرکار عالیہ کرسئ صدارت پر جلوہ افروز ہوئیں اور خطبۂ فصیح و بلیغ پڑھا
اور اس عمدہ لہجے سے پڑھا اور اس خوبی سے اس کو بیان کیا کہ ہم سب متحیر رہ گئے ایک کاغذ
اس کے قبل شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ نے بھی نہایت خوبی سے پڑھا تھا۔ اس کے بعد
سرکار عالیہ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئیں اور آرام فرمایا۔ ہم سب کے لئے بھی بڑے برآمدے میں
بہت سی چیزیں چنی ہوئی تھیں وہاں سب بی بیوں نے چائے پی اور میوہ وغیرہ کھایا اور باتیں
ہوتی رہیں پارسی اور انگریزی بی بیاں بھی تھیں۔

پھر تین بجے سے جلسہ شروع ہوا۔ سرکار عالیہ کرسئ صدارت پر جلوہ افروز ہوئیں ہم
سب بھی اطراف میں کرسیوں پر بیٹھے۔ آپ نے سب کی طرف دیکھ کر تبسم فرما کر نہایت فصیح اور عمدہ
لہجے سے انگریزی میں کہا " میں یہاں تم سب کی معلمہ کی طرح سامنے بیٹھی ہوئی ہوں اور تم سب
میرے شاگردوں کی طرح سامنے بیٹھی ہوئی ہو اب دیکھو میں کوئی دم میں تمہارا امتحان لیتی ہوں"
میں کرسی پر سے اٹھ کر اس تخت پر بیٹھ گئی جس پر اُن کی کرسی رکھی تھی۔ میں نے کہا "آپ سب
چیزوں میں میرا امتحان لیجئے مگر حساب کا کوئی سوال مجھ سے نہ فرمائیے گا اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ
اگر آپ دو اور دو کتنے ہیں مجھ سے پوچھئے گا تو میں چھ کہہ دوں گی"۔ یہ سن کر خوب ہنسیں اور فرمایا

"اچھا ہوا مجھے یہہ معلوم ہوگیا اب تو تم سے حساب ہی کے سوالات ہوں گے" میں نے کہا "مجھ سے اگر آپ قصے کہانیوں کے متعلق سوال کریں تو میں یقینی کامیاب ہوں گی اور تو کچھ مجھے نہیں آتا"

اس گفتگو میں کانفرنس کا وقت آگیا اور تعلیم کی اشاعت اور اس میں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت کے متعلق رزولیوشن پیش ہوئے جس کی تائید میں نے کی اور اپنا کاغذ سرکار عالیہ کی کرسی کے قریب کھڑے ہوکر پڑھا۔ انہوں نے بغور سماعت فرمایا جہاں کوئی آیت قرآنی آتی تو اُن پر ایک حالت وجد طاری ہوجاتی۔ قرآن کے معنی و مطلب سے وہ اچھی طرح واقف ہیں اور اس کے حصوں میں سے اُن کو بہت سے حفظ ہیں۔ جب میں اپنا کاغذ پڑھ چکی تو سرکار عالیہ نے اس کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا کہ "حیدرآباد نے ہماری بڑی مدد کی اور حیدرآباد ہمیشہ مدد کرتا ہے" دیگر احباب کی زبانی بھی یہہ معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی عنایت و مہربانی سے کئی دفعہ فرمایا کہ "حیدرآباد کے مہمانوں سے کانفرنس کی رونق ہوگئی" یہہ صرف اُن کی مہربانی تھی اُن کو حیدرآباد کے ساتھ ایک خاص محبت ہے۔

دوسرے روز گیارہ بجے پھر سرکار عالیہ اور قیصر دلہن شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ تشریف لائیں اور ٹھیک وقت سے پندرہ منٹ قبل آپ تشریف لائیں۔ بعد آداب بجالانے کے میں نے حضرت عالیہ کی مزاج پرسی کی جس پر بہ شفقتِ تمام فرمایا کل تو آپ نے مجھے مفرحِ قلب شربت پلا دیا میرا مزاج اس نے بالکل اچھا کردیا۔

اس روز "لڑکیوں کی شادی کمسنی میں نہ کی جائے" یہہ رزولیوشن پیش ہوا۔ اس کی تائید کرتے ہوئے محل سید امیر حسن صاحب نے فرمایا کہ "اگر کوئی جگہ ایسی بنائی جائے جہاں مائیں

بہ اطمینانِ کلی اپنی لڑکیوں کو مع ان کے مال و جائداد کے سپرد کر دے سکیں تو شاید کمسنی کی شادیاں کم ہو جائیں۔" اس پر سرکار عالیہ نے فرمایا کہ "اگر زکوٰۃ سب مسلمان ادا کریں تو ایسے کام بہت خوبی کے ساتھ انجام پا سکتے ہیں۔"

اس رزولیوشن کی تائید کے بعد میں نے سب سے پہلے اٹھ کر سرکار عالیہ سے وعدہ کیا کہ میں اپنی لڑکیوں کی شادی چودہ سال کے قبل نہ کروں گی۔ پھر اور بی بیوں نے بھی یہی وعدہ کیا سرکار عالیہ نے فرمایا کہ "حضرت فاطمہ زہرہ علیہا السلام کی عروسی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اٹھارہ برس کی عمر میں ہوئی تھی بس اس عمر کو بہترین عمر شادی کے لئے سمجھنا چاہیئے۔" میں نے عرض کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شادی نو برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "حضرت عائشہ کی نو برس کی عمر میں ہوئی تھی مگر ہمارے پیغمبرؐ نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی اٹھارہ برس کی عمر میں کی تو ان کی امت کی بیٹیوں کے لئے گویا یہی عمر سب سے بہتر سمجھنا چاہیئے۔" اس کے بعد یکے بعد دیگرے چودہ رزولیوشن جن کی فہرست نہایت طویل ہے پیش ہوئے اور مختلف بیگمات نے ان کی تائید کی۔

چہارشنبہ کے روز سرکار عالیہ نے قیصر دولہن صاحبہ کو صدر مجلس بنایا اور پنجشنبہ کے روز شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ کو۔ یہ دونوں شہزادیاں قبل اس کے کہ کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہوں پہلے سرکار عالیہ کے سامنے آ کر دست بستہ استادہ ہوئیں اور بہت انکسار کے ساتھ عرض کیا کہ "حضور کے ہوتے ہم کو زیب نہیں کہ ہم کرسیٔ صدارت پر بیٹھیں دوسرے آپ یہاں تشریف رکھتی ہیں اور کرسیٔ صدارت یہاں سے بلند جگہ پر تخت پر رکھی ہوئی ہے ہم کیونکر

اس پر بیٹھنے کی جرأت کریں۔ سرکار عالیہ نے کمالِ محبت سے فرمایا ''بیٹی اگرچہ میں تم سے عمر میں، رشتہ میں، مرتبہ میں بڑی ہوں مگر میں تم کو خود کرسیٔ صدارت پر بیٹھنے کی اجازت دیتی ہوں۔ الامر فوق الادب ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کام پر لگا دے اور ان کو صحیح و درست طریقہ بتا دے'' یہ سن کر شہزادی جھک کر تسلیم بجا لائیں اور کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ اس ادب اور انکسار کے نظارہ نے تمام حاضرین محفل کے دل پر بڑا اثر کیا اور خوب تالیاں بجیں۔

تیسرے روز شومیٔ قسمت سے سرکار عالیہ بخیر علیل ہوئیں اور جمعہ کے روز تو مولود ہونے والا تھا وہ نہ ہو سکا۔ مگر بہمراہی شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ ہم سب نے مل کر مسجد میں نماز پڑھی اور سرکار عالیہ کی طرف سے شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ نے اڈریس پڑھا اس روز شام کو ہم سب کی دعوت کلب میں ہوئی جو ایک نہایت پُر فضا مقام ہے۔ سرکار عالیہ خود تشریف لانے والی تھیں مگر بوجہہ علالت تشریف نہ لا سکیں۔ شہزادی صاحبہ نے ان کی عوض میں سب مہمانوں کی مہمان داری کی اور ہر ایک سے باتیں کیں۔

ممبرانِ کلب کی جانب سے آبرو بیگم صاحبہ جو سکریٹری کلب ہیں انھوں نے سب مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ہفتہ کے روز سرکار عالیہ کے محل میں ہم سب کی دعوت ہوئی۔ یہ دعوت نہایت پُر تکلف تھی۔ باغ میں میز کرسیاں لگائی گئی تھیں وہیں سب مہمان بٹھائے گئے۔ بعد چائے وغیرہ کے شہزادی میمونہ سلطانہ صاحبہ نے محل ہم سب کو دکھایا جو نہایت عمدہ طرح آراستہ کیا گیا ہے اور محلوں سے اس محل کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں شائستہ

زندگی کے آثار نمایاں اور ہوم لائف کا مزہ ہے۔ شہزادی صاحبہ کی نشست کے کمرہ کے قریب ایک چھوٹا کمرہ نماز کا ہے اس میں خالص صندل کی لکڑی کی جال دار محراب ہے اس کے اندر موئے مبارک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا ہے۔ یہ ہر سال رمضان میں زیارت کے لئے نکالا جاتا ہے۔ محل کا احاطہ بہت بڑا ہے اس احاطہ میں ایک طرف کو لڑکیوں کا بورڈنگ اسکول ہے اس میں خاص سرکار عالیہ کے خاندان کی لڑکیاں رہتی ہیں۔ سرکار عالیہ کی طرف سے ان کو کھانا کپڑا سب دیا جاتا ہے اور کتابیں اور ضروری چیزیں ملتی ہیں یہاں ایک عربی معلمہ ان کو قرآن سکھانے کے لئے مقرر ہیں اور ایک انگریزی معلمہ تعلیم دیتی ہیں اور دوسری استانیاں بھی طرح طرح کا کام سکھانے کے لئے موجود ہیں لڑکیوں کی صفائی و ستھرائی اور ہر کام کو صفائی و کفایت سے کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اور دوسرے اسکول رعایا کی لڑکیوں کے لئے بھی موجود ہیں اور ہسپتال مردانہ و زنانہ دونوں ہیں جن کے معائنہ کے لئے ہم سب گئے تھے اور دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے تھے۔

انجمن خواتین اسلام کے ماہانہ اجلاس کے لئے کسی موزوں مقام پر ایک مختصر سی
عمارت بطور کلب تیار کروانے کا مدت سے مرحومہ کو ارمان تھا۔ چنانچہ اسی ضمن میں
انجمن کے زیر سرپرستی ایک "فینسی فیر" FANCY FAIR بڑے اعلیٰ پیمانے پر
محبوبیہ گرلز اسکول میں ۲۸ر نومبر ۱۹۱۹ء میں ترتیب دیا گیا۔ حیدرآباد کی کم و بیش تمام
خواتین نے اس میں حصہ لیا اور دامے درمے اس کی امداد کی۔ خواتین کے لئے
یہہ اپنی قسم کا پہلا موقع تھا جہاں ۲ دو دن تک خوب رنگ رلیاں رہیں اور
صرف خواتین ہی خواتین کا دور دورہ رہا اس فیر کی افتتاح لیڈی علی امام نے کی تھی

جناب لیڈی علی امام صاحبہ و معزز خواتین!

میں آپ لوگوں سے اس بات کا اذن چاہتی ہوں کہ چند الفاظ میں آپ لوگوں کے روبرو
اس انجمن کی مختصر سی رپورٹ سنادوں۔ یا اس کی شش سالہ کارروائی کو چند جملوں میں بیان
کروں پوری رپورٹ کے پڑھنے کا یہہ وقت نہیں وہ اپنے وقت اور موقع پر پڑھی جائے گی
حضرات ۱۹۱۴ء میں YMCA یعنے ینگ من کرسچین الیسوسی ایشن کی قابلِ آفریں

کوششوں کے دیکھنے سے مجھے یہہ خیال پیدا ہوا کہ کاش ایسی کوئی تحریک ہمارے یہاں عورتوں میں بھی پیدا ہوتی۔ اِس خیال کے مطابق ہم نے ایک سوسائٹی قائم کی جس کا نام انجمن خواتین اسلام رکھا جس کا بڑا مقصد یہہ تھا کہ باہمی تعصب کو دور کریں اور سادگی، جفاکشی، اتفاق واتحاد کو بڑھائیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی یوروپین بہنوں کی طرح غربا کی طرف توجہ کرنا سیکھیں اور اپنے وقت و روپے میں سے کچھ ان کے لئے خرچ کریں یوں تو طریقے خیرات کے بہت سے ہیں اور ہر طریقہ جس کا یہہ مقصد ہو اچھا ہے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر ہم غربا و مساکین کی حقیقی امداد پر آمادہ ہیں تو ہماری توجہ ان کے بچوں کی طرف مبذول ہونا چاہیئے کہ یہی زمانہ ایسا ہے کہ ہم کچھ اپنا اثر اِن بچوں پر ڈال سکتے ہیں اور ان کی اخلاقی حالت کو بہتر بنا سکتے ہیں

ان کے ماں باپ تو محنت مزدوری میں مشغول ہوتے ہیں بچے گلیوں میں تباہ حال پھرکر چوری اور گداگری سیکھتے ہیں۔

پس اس سے بہتر طریقہ خیرات کا کیا ہو سکتا ہے کہ ہم بھی اپنی یوروپین بہنوں کی طرح اپنے وقت اور اپنے مال میں سے کچھ ان کے لئے صرف کریں بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ اثر اخلاقی اگر اس وقت بچوں کی طبیعت پر ڈالا جائے تو آئندہ موثر ہوتا ہے۔ ٹریننگ ایک بہت بڑی چیز ہے جس کے فوائد سے ہم بے چارے محض ناواقف ہیں ہمارا اصولِ زندگی ایک لاپروائی پر مبنی ہے اور ناقدری پر نہ حسن کی ہم کو پروا ہے نہ علم کی " نہ زندگی" اور بہتوں کا قاعدۂ کلیہ اور اصولِ زندگی تو یہہ ہے کہ "گزر گئی گزران کیا جھو پڑی کیا میدان" ٹریننگ ایک ایسی چیز ہے کہ

حیوان کو بھی انسان وہ کام سکھا سکتا ہے جو اس سے ناممکن سمجھے جاتے ہیں۔ بس تو پھر انسان کو ٹریننگ کیا کچھ نہیں بنا سکتی ہے۔ اگر بچپن سے یہہ اصول رکھا جائے کہ بڑے ہو کر سیکھ لیں گے تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور جو عادتیں طبیعت میں رائج ہو جاتی ہیں پھر نہیں مٹ سکتیں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ اگر ہم بہت سے مدرسے اپنے زیرِ نگرانی رکھ کر بہت چھوٹے سے پیمانہ پر بھی تعلیم شروع کریں تو بہت سے معصوم ہمارے زیرِ اثر رہ کر اخلاقی ترقی کر سکتے ہیں۔ ہمارا اسکول جو ترپ بازار میں ہے جس کے انعام کا جلسہ حضرت بیگم صاحبہ نے نہایت اختشام کے ساتھ کیا تھا اس کے دیکھنے سے تعلیم کے مفہوم کے سمجھنے والے نہایت محظوظ ہوئے۔ ایک اسکول ہمارا اسدی رسالہ میں بھی ہے۔ ہمارا پہلا اسکول جو اندرون شہر حسینی محلہ میں تھا اس کا خرچ سوا سو روپے ماہانہ کے قریب ہو گیا تھا۔ سرکار میں لے لیا گیا۔ ہماری لڑکیاں جب اُردو پڑھنا سیکھ لیں اس وقت ہم ان کو نرسنگ کی تعلیم دے سکتے ہیں تاکہ وہ غربا کی مدد ضرورت کے وقت کر سکیں اور نہایت کم اجرت پر کام کر لیں۔

ہمارے یہاں چونکہ اکثر مذہبی ذکر ہوا کرتا ہے اس لئے ہم نے غیر اقوام کو شامل نہیں کیا مگر اس کمی کو اب ہم نے پورا کر لیا ہے اور ایک شاخ اس میں انجمن کی امداد باہمی کے نام سے قائم کی ہے جس کا انگریزی ترجمہ Women's mutual Help Society رکھا ہے اس میں سب لوگ شامل ہو سکیں گے اس کام کے لئے مسز امیر حسن صاحبہ نے اپنی مہربانی سے ہم کو اپنے مکان کا ایک ہال عنایت فرمایا ہے جس میں سب قوم کی بی بیاں مل کر ایک دوسرے کو سبق دیا کریں گی اس کی سکریٹری مسز نندی اور جائنٹ سکریٹری مس پلٹے اور مسز راج گوپال مقرر ہوئی ہیں۔ امید تو ہے کہ

یہہ سوسائٹی بہت ہی مفید اور دلچسپ ثابت ہو۔ اس میں سے ایک بی بی ہمارے ترپ بازار کے اسکول کی بچیوں کو بھی ہفتہ میں دو دفعہ لباس قطع کرنا اور کئی قسم کی دست کاری سکھانے آتی ہیں۔ اور یہہ سخت محنت وہ راہ للہ گوارا فرماتی ہیں۔

تھوڑا سا زمانہ ہوتا ہے کہ ہم آپس میں کئی برس میں ایک دفعہ ملتے تھے اور غیر اقوام والوں سے تو بہت کم سے ملاقات ہوتی تھی۔ اب میں خوشی و فخر کے ساتھ یہہ دیکھتی ہوں کہ ہم آپس میں دوست اور عزیزوں کی طرح ہو گئے خصوصاً اس نمایش نے تو سب کو شیر و شکر کر دیا۔ اس لئے کہ اس کام کو انجام دینے بلا تکلف اور بار بار ایک دوسرے سے ملنا پڑا۔ اگرچہ اس میں تکلیف تھوڑی سی ہوئی مگر اس کے عوض میں خالص دوستی کی سی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہوئی اور بی بیوں کا رجحان انتظام کی طرف پیدا ہوا یہاں اس وقت خدا کے فضل و کرم سے حیدرآباد کی کل تعلیم یافتہ خواتین موجود ہیں۔ اور یہہ ایسی جگہ ہے جو خود نسوانی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس پیمانہ کا زنانہ اسکول میں فخر کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں۔

پس ہم کو اپنے بادشاہ جم جاہ کی عمر و اقبال کے لئے دست دعا بلند کرنا چاہیئے جن کے عہد حکومت میں ہم کو یہہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ میں سب ارکین انجمن کے طرف سے لیڈی علی امام صاحبہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج ہم کو اس انجمن کی افتتاحی رسم قبول کر کے افتخار بخشا۔

ترجمہ تقریر مسز واکر

مرحومہ نے مسز واکر کی تقریر (بچوں کی ابتدائی تعلیم) کا ترجمہ اور اپنا جواب ایک پمفلٹ کے طور پر مطبع محبوب شاہی میں طبع کرایا تھا چونکہ ان رسائل میں حومہ کے ترجمے بھی شریک ہیں اس لئے اُن کے جواب سے قبل مسز واکر کی اصل تقریر کا ترجمہ بھی درج کیا جاتا ہے -

قبل اس کے کہ میں اس مختصر مضمون کو آپ لوگوں کو سناؤں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ کو کس قدر ناز اور خوشی ہے اس امر پر کہ آپ لوگوں نے مجھے اپنی انجمن کا پریزیڈنٹ مقرر کیا میں امید کرتی ہوں کہ میں اس کے مقاصد کی اشاعت میں حتی الامکان سعی کروں گی - آپ لوگوں کی ملاقات سے میں نہایت مسرور ہوئی اور امید کرتی ہوں کہ اس سرسری ملاقات کو وقت گاڑھی دوستی سے مبدل کر دے گا -

یہ مضمون (بچوں کی ابتدائی تعلیم) جس کو میں نے آج مباحثہ کے لئے انتخاب کیا ہے نہ اس وجہ سے کہ کوئی خاص تجربہ یا علم مجھے اس میں حاصل ہے بلکہ صرف اس لئے کہ اس امر کے ساتھ مجھے نہایت دلبستگی اور دلچسپی ہے اور غالباً آپ سب بی بیاں بھی جو یہاں موجود ہیں اتنی قدر

دلچسپی رکھتی ہوں گی، جس قدر مجھے ہے۔

میں خوب سمجھ سکتی ہوں کہ اس امر پر بحث کرنے میں موجودہ سامعین کے روبرو کس قدر دقتیں مجھے درپیش ہیں اول تو یہ کہ مجھے پوری طور پر آگاہی نہیں کہ کس طریقہ پر آپ لوگوں کے بچوں کی پرورش گھروں میں ہوا کرتی ہے دوسرے نہ یہ خبر ہے کہ آپ کا خانگی طرز معاشرت کیا ہے اور کون کون سے رسوم حائل ہیں اور ان کا کیا اثر بچوں کی ابتدائی تعلیم پر پڑتا ہے تیسرے یہ کہ ہندوستان کے سن شعور کو پہنچے ہوئے مردوں کے بارے میں مجھے کوئی رائے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا (جس سے ان کے بچپن کی پرورش کا پتہ لگتا) اس لئے کہ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ "دی بوائے میکس دی میان" یعنی جیسا جس کا لڑکپن ہوگا ویسا ہی وہ بڑا ہو کر بھی رہے گا اور طبیعت ہر شخص کی سن شعور کو پہنچ کر بھی اس کے لڑکپن کی تربیت و تعلیم پر موقوف رہے گی یہ بات اس قدر صریح ہے اور اس قدر عام ہوگئی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بدکرداریوں اور کوتاہ اندیشیوں سے خرابی اور عیاشی میں پڑ جاتا ہے تو لوگ خواہ مخواہ ماں باپ کی طرف اس کو منسوب کرتے ہیں اور سب یہی کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ابتدا کے بگاڑ اور خرابیوں کا ہے اور فوراً یہی خیال گذرتا ہے، کہ ضرور اس شخص کے ماں باپ نے اس کو لاڈ پیار اور ناز برداریوں میں چوپٹ کر رکھا ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں کے مرد تو اوصاف پسندیدہ اور صفات حمیدہ سے متصف ہیں تو ضرور ان کے بچپن کی تعلیم بھی تشفی بخش ہوگی اور شاید ہو مگر تاہم میں بالفعل ان دقتوں سے قطع نظر کر کے صرف اس مضمون میں ان ہی قبائح کا ذکر کرتی ہوں جو میں نے پڑھے سنے یا تجربے سے معلوم کئے ہیں اور جو عموماً مشہور اور مسلم ہیں اور جن کا اثر بچوں کی طبیعت کی ساخت پر

برا پڑتا ہے۔

اول یہ کہ لڑکے ہندوستانی گھروں میں بالکل نوکروں پر چھوڑ دئے جاتے ہیں اور مائیں اپنے فرضِ منصبی اور جواب دہی سے جیسا کہ چاہیئے واقف نہیں ہوتیں کہ بچوں کی طبیعت کی نشو و نما پر غور کریں اور مثل ایک دور اندیش باغبان کے اپنے باغ کو خس و خاشاک سے پاک رکھیں۔

دوسرے یہ کہ بچے بچپن میں ان ورزشوں اور کھیلوں کی طرف مرغوب نہیں کئے جاتے جن میں انھیں دو بدو ہار جیت کا موقع ملے اور انصاف و درگزر کے عادی ہوں۔

تیسرے یہ کہ انھیں اپنے لواحق سے مستغنی ہو کر اپنے وقت کو کام میں لانا نہیں سکھایا جاتا

چوتھے یہ کہ یہاں کا ایک عام دستور ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں پر ہر چیز میں ترجیح دی جاتی ہے اور بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ برخلاف ہمارے ملک کے کہ جہاں کا رواج برعکس ہے۔

اگر میری رائے غلطی پر نہیں ہے اور واقعی ایسا ہی ہے تو پہلی قباحت کو لیجئے یعنی بچوں کا بچپن میں زیادہ وقت نوکروں کی صحبت میں صرف کرنا بھلا یہ تو بتائیے کہ نوکروں اور لونڈی غلاموں کو مالک کے بچوں کے شائستہ یا ناشائستہ حرکات کا خیال ہو سکتا ہے کہ ان کے افعال یا الفاظ کی برائی یا بھلائی کا خیال رکھیں؟

جہاں تک میرا تجربہ ہے پہلے جو عیوب بچوں میں ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ عدول حکمی کرنا کہنا نہ ماننا اور سچ بولنے کا لحاظ نہ رکھنا اور نہ دوسروں کے آرام و تکلیف کی پروا کرنا یہ عادتیں بچہ لے کر نہیں پیدا ہوتا بلکہ اکثر نوکروں کی صحبت اور ماں کی بے پروائی سے یہ باتیں بچے کے مزاج میں

پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب پہلے پہل یہ باتیں بچے میں پائی جائیں تو آسانی سے ان کا دور کرنا ممکن ہو سکتا ہے اور اگر شروع سے ان کی روک ٹوک نہ کی جائے تو بچہ نافرمانی، دروغ گوئی اور دوسروں کو اذیت دینے کا عادی ہو جاتا ہے اور یہ سب بری عادتیں اس کی سرشت میں بیٹھ جاتی ہیں اور نکالے نہیں نکلتیں جب تک کوئی ہر وقت کا روکنے ٹوکنے والا اور نصیحت کرنے والا نہ ہو۔

اب بتائیے کہ کون ایسا خیر خواہ اور بچے کی آئندہ بہبودی اور شائستگی اور خوش اطوار کا خواہاں ہو سکتا ہے، کہ ہر وقت اس کی کل عادتوں، اطواروں اور حرکتوں اور الفاظوں پر غور رکھے اور آہستگی، ہمدردی اور محبت کے ساتھ ان ناپسندیدہ افعال سے اسے باز رکھے سوائے ماں کے اور کوئی ماں اپنے اس متبرک فرضِ منصبی سے ادا نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ تر اپنی ہی صحبت میں نہ رکھے اور بات چیت، ملاقات اور کل اشغال سے بعض اوقات علحدہ ہو کر ہمہ تن ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔

یہ کہنا میرا اپنی تعریف کرنا نہ ہوگا کہ میرا ہمیشہ یہی قاعدہ رہا کہ اپنے بچوں کو ہر روز زیادہ وقت تک اپنے ہی پاس رکھوں اور خود ہی طرح طرح کے کھیل تماشوں سے ان کا جی بہلاؤں۔ اور میں نے کبھی ان کی کسی بات کو جو سچ کے خلاف انھوں نے بیان کی یا ان کے کسی برتاؤ کو باہم جو میرے نزدیک شائستگی کے خلاف سرزد ہوا ہو جائز نہیں رکھا۔ بلکہ خلافِ واقعہ جب کسی بچے نے بیان کیا تو ضرور اس کو قرارِ واقعی تنبیہہ کی گئی اور کبھی گوشمالی واجبی سے متنبہ بھی کئے گئے ہیں۔

جن عیوب کا ذکر میں نے کیا یہ اکثر میں نے ان انگریز بچوں میں بھی پائے جن کی مائیں

کسی نہ کسی وجہ سے زیادہ اپنے بچوں کے ساتھ رہنے سے معذور رہیں اور انھیں نرسوں اور نوکروں پر چھوڑ دیا ہے۔

دوسری خرابی جو میں نے بیان کی وہ یہ ہے کہ بچوں کو بچوں کی طرح باہم کھیلنے کو نہیں ملتا یہاں بھی شاید میں آپ لوگوں کے اندرونی حالات سے ناواقف ہوں اور میری رائے غلطی پر ہو مگر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہاں بچوں کو جیسا کہ چاہئیے آپس میں کھیلنے کو نہیں ملتا اور اگر میرا خیال درست ہے تو میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر بچوں کی جلد بازی اور خود غرضی کے دفع کرنے کی نہیں کہ نرسری میں آپس میں کشتی اور کود پھاند کرنے کو چھوڑ دئے جائیں اور دھکّے مکّے کھا کر ٹھیک ہو جائیں۔

میں دیکھتی ہوں کہ اس نقص کے دفع کرنے کی تدبیر کی گئی ہے اور اس تھوڑے عرصے میں کرکٹ، فٹ بال، ہاکی اور دوسرے کھیل یہاں کے لڑکوں میں پھیل گئے ہیں، مگر یاد رکھنا چاہئیے کہ صرف لڑکے اور مرد ورزشوں سے بہرہ مند ہیں لڑکیاں ابھی تک اس سے مستفید نہیں ہو سکیں۔ شاید آپ لوگوں میں سے بعض اس بات کو سن کر خوش ہوں کہ اس قسم کے کھیل اور ورزشیں انگلینڈ میں لڑکیوں نے بھی اختیار کی ہیں۔ اور ہر اسکول میں سکھائی جاتی ہیں اور جس قدر جلد یہ کھیل ہندوستان کے لڑکوں میں پھیل گئے اسی طرح انگلینڈ میں لڑکیوں میں دفعتہً شائع ہو گئے۔ اخیر مرتبہ جب میں جلتّھناھم میں تھی جس کو کوئی پندرہ مہینے کا عرصہ ہوا تو ایک گھڑی کے میاچ میں ہم لوگوں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو ہاکی کھیلتے دیکھا ان کی بازی تمام ہونے تک ہم لوگ تماشا دیکھتے رہے کہ کس زور سے اور بے تحاشا وہ بال لینے کے لئے

دوڑی تھیں اچھے اچھے مرد کھیلنے والے بھی اسی قدر دوڑتے ہوں گے۔

میری کم سنی کے زمانے میں یہ بات کبھی سننے میں بھی نہ آتی تھی۔ ماں باپ ہرگز اپنی لڑکیوں کا ایسے مردانے کھیلوں میں شریک ہونا گوارا نہ کرتے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے اور بہتر ہے کیونکہ آج کل کی انگریز لڑکیاں پچیس برس قبل کی انگریز لڑکیوں سے زیادہ قدآور، قوی اور مضبوط اور تندرست ہوتی ہیں خیر یہ سب تو ایک جملۂ معترضہ تھا اس کو جانے دیجئے ذکر اصل تو ہندوستانی لڑکیوں کا ہے یہاں بہت سے تبدل اور تغیر لازم ہوں گے۔ قبل اس کے کہ آپ لوگوں کے یہاں کی لڑکیاں بھی ایسی ورزشوں میں شریک ہو سکیں۔ اس بیان سے میرا مطلب یہ ہے کہ کس قدر جلد فیشن اور خیالات ایسے مجمع میں بدل جاتے ہیں جہاں موقعے پرانے خیالات کے تبدل و تغیر کے مہیا ہیں۔

میں کوئی وجہ نہیں دیکھتی کہ کیوں آپ کی محدود سوسائٹی میں ساتھ پابندی رسومات کے لڑکے اور لڑکیاں قبل اس کے کہ ہوش سنبھالیں ساتھ مل کر ورزش اور کھیلوں میں نہ شریک ہوں۔ اور بڑی بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ اور مائیں اپنی چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کے ساتھ کیوں بے تکلفانہ نہ کھیلیں اور ریچھ، شیر اور شکاری بن بن کر طرح طرح سے ان کا دل بہلائیں۔ تاکہ بچے ان سے بے تکلف اور مانوس ہو جائیں۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ بچوں کو خود اپنے واسطے کھیل ڈھونڈ لینے اور اپنا جی بہلانے کی عادت ڈالی جائے اور سب بچے اپنے اپنے کھیلوں میں مشغول ہو جائیں بغیر کسی کی محتاجی کے اور اس وقت ہر ذی فہم ماں کو چاہیئے کہ ان پر نگاہ رکھے اور ہر قسم کی بدتمیزی سے انھیں روکے۔ تیسرے نقص کا بیان بھی اسی میں

شامل ہو گیا یعنی ہر بچہ کو اس قسم کی عادت ہو تا کہ اگر کوئی ساتھ کا کھیلنے والا نہ بھی ہو تو کسی نہ کسی شغل یا کھیل میں محو ہو کر اپنا جی لگائے۔ انگریزوں کے بچے اکثر چائے کے برتن گڑیوں اور گڑیوں کے گھر بنانے سے جی لگاتے ہیں اور گھنٹوں کھیلا کرتے ہیں مگر اور بھی طریقے ہیں جی لگانے کے مثلاً طرح طرح کی شکلیں کاغذ کی کاٹنا جس سے بچوں کے ہاتھوں کو سلیقے کے ساتھ کام میں لانے کی مہارت ہوتی ہے۔

کوئی بات اس سے بدتر نہیں کہ لڑکے کو یہ خیال پیدا ہو کہ اس کے بزرگوں کو ضرور ہے کہ اس کی خاطر کریں اور اس کے واسطے ہر وقت کھیل ڈھونڈا کریں۔ اگر بچہ بہت التجا کرے تو ماں کو چاہیئے کہ کبھی کبھی بچہ کی خاطر سے اس کے ساتھ کھیلے یا کوئی قصہ کہانی کی کتاب پڑھے یا زبانی کوئی کہانی کہے مگر ساتھ ہی اس کے بچے سے یہ کہا جائے کہ وہ خود بھی اپنا جی بہلائے اس طرح پر اپنا جی آپ بہلانے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس میں استغنیٰ اور آزادی پیدا ہو جاتی ہے اور جب بچہ تین چار برس کا ہو جاوے تو ماں کو چاہیئے کہ ہر روز تھوڑی دیر کے لئے کھیل میں اس کو کچھ حروف بتا دیا کرے اس طرح پر تھوڑے ہی دنوں میں بچہ خود ہجے کر کے الفاظ نکالنے لگتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی آسان کتابیں اس کو ماں شروع کرا سکتی ہے اس ترکیب سے بچہ جب چھ برس کا ہو جائے تو پڑھنے لگے گا اور ماں کو محنت کا پھل مل جائے گا۔

اپنی چھوٹی بچی کو میں نے اس طرح پر تین برس کے سن سے تھوڑا تھوڑا ہر روز پڑھانا شروع کیا اب وہ سات برس کی ہے اور کوئی چھ مہینے سے جو جو آسان کتابیں میں اس کو دیتی ہوں سب پڑھ ڈالتی ہے اور اب وہ ایسی کتاب کا کیڑا بن گئی ہے کہ تین وقت کے کھاتے

ہیں سے اگر دو وقت اس کو نہ دیا جائے تو اسے قبول ہے۔ مگر کتاب دیکھنے سے باز رہنا ہرگز قبول نہیں
خیر اب مجھے اس بارے میں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ
آپ لوگوں میں بھی مسز کریم خاں ایک عمدہ مثال موجود ہیں۔ جنھیں کتب بینی کا شوق بچپن سے
دلایا گیا ہوگا میں کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت ان کا ادب مجھ سے بہتر ہے۔

میری نصیحت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اگر خود انگریزی نہ بھی آتی ہو تو اپنے بچوں کو
بچپن سے انگریزی زبان کی تعلیم دلائیں تاکہ وہ کتابیں جو خاص بچوں کے لئے لکھی جاتی ہیں۔
پڑھ سکیں اور انھیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو میں انگریزی کتابیں اس لئے کہتی ہوں کہ میں نہیں
سمجھتی کہ بچوں کے لکار آمد کتابیں جیسی انگریزی زبان میں موجود ہیں ویسی اردو زبان میں بھی
ہوں انگریزی کے ادب کی وسعت بے انتہا ہے اور ان کی شائستگی بہ نسبت اردو کتابوں کے
بڑھی ہوئی ہے۔ چوتھا نقص لڑکوں اور لڑکیوں کے بچپن کے برتاؤ کے درست کرنے سے رفع
ہوسکتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کے یہاں تھوڑے ہی دنوں تک لڑکے اور لڑکیاں
مل جل کر کھیل کود سکتی ہیں تو چاہیئے کہ یہ تھوڑا زمانہ بھی اچھی طرح پر کام میں لایا جائے۔ جہاں
تک ممکن ہوسکے ماں بھائیوں کو بہنوں کے ساتھ مہذبانہ برتاؤ برتنا سکھائے تاکہ بھائی ابتدا
سے اپنی بہنوں سے محبت اور نرمی سے پیش آئیں۔ اور انھیں درگزر کرنے کی عادت پڑے آپ
لوگ سب یہ خیال کرسکتی ہیں کہ کس قدر قابل توجہ یہ امر ہے کیونکہ اس کا اثر آیندہ کی زندگی اور
برتاؤ پر پڑتا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہر قوم میں صدہا ایسے گھر ہیں جہاں بیٹے ماں سے
بے پرواہیں اور بھائی بہنوں سے اور میاں بی بیوں سے بدزبانی اور بدسلوکی کرتے ہیں۔ ایسی

طرح سے بچپن میں یا بڑے ہو کر ماں کو نہیں چاہیئے کہ بیٹے کی کسی قسم کی بدزبانی یا بے تمیزی کو جائز رکھے یا درگزر کرے اگر ایسا قصور اس سے ہو تو ماں کو چاہیئے کہ فوراً اس کو سزا دے جس طرح پر اس کے امکان میں ہو نہیں تو خوف ہے کہ وہ لڑکا بدتمیز لاپروا اور خود غرض ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ اس کا برا پھل پائے گا۔

اب اے میری دوستو میں نے آپ لوگوں کو بہت دیر تک تکلیف دی اور اب میں اس تقریر کو ختم کرتی ہوں۔

جواب تقریر

مسز واکر کی مذکورہ بالا تقریر کا مرحومہ نے اسوسی ایشن کی طرف سے یہ جواب دیا تھا

عزیز بہنو!

یہ ہر دل عزیز مضمون جس کو مسز واکر صاحبہ کے آج کے مباحثہ کے لئے انتخاب کیا ہے اس سے ہر بی بی کو ایک خاص دلچسپی اور وابستگی ہے اس لئے کہ یہ بچوں کی ابتدا اور افتاد کے متعلق ہے اور چونکہ اولاد کی محبت اور بہبودی ہر ماں کا پہلا خیال ہے اس لئے کوئی گفتگو اور مضمون جو اس بارے میں ہو ہر وقت اور ہر صورت میں ہمارے لئے انتہائی دلچسپی سے خالی نہیں

مسز واکر صاحبہ نے جو ہمارے یہاں کے بچوں کے اوائل عمر کا زیادہ تر نوکروں کی صحبت میں گذرنے کا ذکر کیا، اس کی صحت ہم سب پر روشن ہے اور اس کا انسداد ہماری توجہ پر موقوف ہے اگر ہم کو اپنی اولاد کا خیال ہے اور ان کی خیر خواہی ہمارے مدنظر ہے تو ہم فوراً اس امر کی طرف غور کریں گے اور غلط گوئی، خود غرضی اور ایذا رسانی کے عیوب سے جو نوکروں کی صحبت میں معصوم بچے سیکھ لیتے ہیں ان سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں گے اور ان سے ہر وقت نوکروں کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت اٹھانے سے باز رکھیں گے اور اپنے نفس پر تکلیف گوارا کر کے بچوں کو زیادہ تر اپنی

صحبت میں رکھیں گے۔

اور میم صاحبہ موصوف کا یہ فرمانا کہ ہمارے یہاں کے لڑکے لڑکیوں سے زیادہ لاڈلے سمجھے جاتے ہیں اور اکثر امور میں انھیں لڑکیوں پر فوقیت دی جاتی ہے یہ بھی جیسا کہ آپ سب جانتی ہیں بالکل بجا ہے اس طرفداری کا نتیجہ لڑکوں پر برا پڑتا ہے۔ پس جب تک کہ ہم لوگ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک نظر سے نہ دیکھیں گے اور ان کے برتاؤ میں ایسا بین فرق رکھیں گے تو جو قبائح اب ماں، بی بی اور بھائی بہنوں کے برتاؤ میں ہیں رفع نہ ہوں گے اور مردوں کی نگاہوں میں وہ وقار عورتوں کا نہ پیدا ہوگا اور نہ مردوں کے دلوں میں بنیاد اس حریت کی پڑے گی جس کا جذبہ ہر معذور کی امداد ہے۔ اور نہ بی بیوں کے دلوں میں اپنی عظمت جن کی کہ وہ پوری مستحق ہیں پیدا ہوگی۔

مسز واکر صاحبہ نے ہماری انجمن کی صدرنشینی کو قبول فرما کر اور ہمارے سوشل انٹرکورس میں سعی اور ہماری ان مجلسوں کی تائید فرما کر ہم سب کو اپنا ممنون و شکر گزار بنایا۔

اے میری عزیز بہنو مدرسوں میں اور آتو جی کے پاس بیٹھ کر ہم لوگ دنیا کے بڑے مسئلوں اور مہمات تمدن پر غور نہیں کر سکتے اور نہ معاشرت و اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ کا اندازہ کر سکتے ہیں تاوقتیکہ ہمارے دماغوں پر اور دلوں پر پرتو ان وسیع الاخلاق، روشن دماغ اور نازک خیال مغربی بی بیوں کا جن کا ایک نمونہ ہماری صدر انجمن صاحبہ ہیں نہ پڑے اور ان کی ملاقات و صحبت سے جب تک ہم مستفید نہ ہوں وہ اندازہ ہر روز کی زندگی اور طرز معاشرت کا ہم نہیں کر سکتے جس نے کہ انگلش ہوم کو اس قدر بلند مرتبہ کر رکھا ہے اور جس کی محبت ہر انگریز کے

رگ و ریشہ میں پیوست ہے۔

میں مسز واکر صاحبہ کا شکریہ کل ممبرانِ ایسوسی ایشن کی طرف سے ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اپنے دلچسپ اور نصیحت آمیز لکچر سے آج ہم سب کو محظوظ فرمایا اور ہمارے ایسوسی ایشن کے ساتھ اس قدر دلچسپی ظاہر کی۔
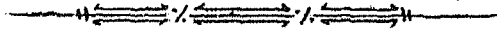
محبّت و ایمان

یہ کسی تقریر کا حصہ معلوم ہوتا ہے جس کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہو سکا۔

نفسِ انسان کیا چیز ہے اور اس کو قدر و قیمت و منزلت کس نے بخشی ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ حضرت محمد علیہ الف الف تحیۃ والسلام نے جن کی ذاتِ پاک عالمِ موجودات کے لئے باعث ظہور ہوئی اور جن کی پاک سیرت کے لئے ایک مثال قائم کر لی ہے۔ فیہ لکم اسوۃ حسنہ دنیا کے کل مذاہب نے نفس انسان کو نہایت بد چیز قرار دیا ہے جس کے رام کرنے کے لئے بہت سی مشقیں مقرر کی گئیں۔ ایک پاؤں پر کھڑے رہنا، فاقہ کشی کرنا، شب بیداری کرنا۔ مگر ہمارے مقدس اور اس کے بانی نے نفسِ انسان کو ایک جوہرِ لطیف سمجھا ہے اس کو پاک و متبرک و مقدس بنایا ہے کُلُّ مَولُودٍ یُولَدُ عَلیٰ فِطرَۃِ الاِسلام ہر انسان کا نفس پاک و مقدس و بے بہا جوہر ہے اور خدا نے یہہ امر انسان کے احاطۂ قدرت میں رکھا ہے کہ اس کو اچھا رکھے اور طبقۂ ملائک تک اپنی رسائی کرے یا اسے خراب کر کے اور حیوانات سے بھی بدتر کر دے۔ قَد اَفلَحَ مَن زَکّٰھَا وَ قَد خَابَ مَن دَسّٰھَا۔ بس ہمارا ہی مذہب ایک ایسا مقدس مذہب ہے جس نے انسان کو یہہ شرف بخشا اور ہم کو کل ان لذّاتِ جسمانی کی جن کی خواہش انسان کے نفس میں بہ مقتضاء حکمتِ بالغہ بھی ودیعت رکھی گئی ہے، جائز

طریقے پر استعمال کرنے کی پوری آزادی دی ہے۔ گھر کی آرائش عورتوں کی زینت، بچوں کا پیار میاں بی بی کا اتفاق، والدین کی خدمت بچوں کی محبت، مہمان داری، غربا نوازی، ملاقات دوستی یہ سب چیزیں سب بالذات داخل حسنات ہیں جس کے لئے احادیث شریفہ میں روایتیں ہیں کہ جو شخص اپنے بی بی بچوں کو خوش رکھتا ہے اس سے خدا خوش ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بہ منزلۂ اس کے اسیر کے ہیں اور جو عورت اپنے گھر کو پاک وصاف رکھتی ہے اور اپنے بچوں کی نگرانی کرتی ہے وہ گویا کارِ ثواب کرتی ہے۔

محقق دوانی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں "بدترین فرقہ وہ فرقہ ہے کہ جو اپنے ابنائے جنس کے لئے کچھ نہیں کرتا اور مفت کی روٹی کھاتا ہے اور اپنا بار اُن کے اوپر ڈالتا ہے اور گوشہ نشینی اختیار کر کے لوگوں کو اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ وہ بہت خدا پرست ہے حالانکہ ایسے لوگوں کی نیکی بھی قابل قدر نہیں اس لئے کہ ان کو ایسا موقع نہیں آتا جس میں وہ گناہ میں پڑنے کی طرف ترغیب پائیں اور اس پر بھی اپنے نفس کو پاک رکھ سکیں"۔

پیغمبر خدا کا قول ہے کہ دنیا میں تم اس طرح رہو اور اس طرح اس کے لئے کوشش کرو کہ گویا تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور عقبیٰ کے لئے اس طرح تیار رہو گویا کہ تم ابھی مرنے والے ہو۔ اسی طرح برخلاف اور مذہبوں کے اسلام نے تحصیلِ دنیا کو بوجہ حلال برا نہیں بلکہ کارِ ثواب قرار دیا ہے اور ہم کو ہر طرح تجارت و محنت کی ترغیب دی ہے۔ بہت کم چیزیں ہیں جن کو ہمارے اوپر حرام کیا ہے جس میں سور کا گوشت، مردہ گردن مروڑا جانور، قمار بازی، جو ابھی حرام ہے اور جھوٹ بولنے کی تو قطعی ممانعت ہے۔ ان سب سے کنارہ کرنا عقلاً بھی آپ سب خیال فرمائیں گے

کس قدر ہمارے فلاح و بہبودی کا باعث ہوسکتا ہے۔ ایک دوسری چیز جس کو مذہب اسلام نے سکھایا ہے وہ اخوۃ المومنین و مومنات ہے۔ یعنی برادران اسلام کی باہم محبت اور اخوت ہے یہہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو نہ صرف ازراہ مذہب بلکہ ازراہِ فلسفہ کے بھی کل کائنات کا اصلِ اصول اور ہر شئے کا جزو اعظم ہے۔

محبت اور اتحاد پر ہر چیز مبنی ہے۔ جس وقت حضرت محمدؐ مدینہ میں تشریف لے گئے اور مہاجرین و انصار جن میں دشمنی صدہا برس سے چلی آتی تھی، ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور چند دنوں میں صیغۂ اخوت ھٰذا اخوکِ فی الدّنیا وَالاٰخِرۃ کے بعد ان کے دل میں اسلامی محبت بھی قائم ہوئی وہ بھائی بھائی سے بڑھ گئے ہم بھی ان ہی مہاجرین و انصار کے اگر نسبی اولاد نہیں تو ان کے ہم کلمہ ضرور ہیں پس ہم کو بھی ہمیشہ اس مدینہ کے واقعہ کو یاد رکھ کر اپنے درمیان صیغۂ اخوت پڑھیں اور ایک دوسرے کو برادر و خواہر حقیقی سمجھیں۔ محبت و مروت اور اپنے مذہب و قوم کی خیرخواہی ایک ایسی چیز ہے جس پر کل ہماری فلاح کا دارومدار ہے۔ محبت ایک ایسی چیز ہے جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی اور جس کے خرچ میں دہرا نفع ہے جو شخص دوسروں سے محبت دوستی و خیرخواہی کرے اس کا اور دوسرے کا بھلا ہے پھر کیوں لوگ اس کے خرچ میں بخل کرتے ہیں

اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الخَطَاءِ وَالنِّسْیَان ۔ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہوسکتا بے عیب ذات صرف خدا کی ہے۔ پھر اگر ہمارے کسی دوست یا عزیز میں کسی قسم کی لغزش ہو تو اس سے ہم کو درگزر کرنا کس قدر مستحسن ہے خدا ہمارے گناہوں سے اگر ہر وقت درگزر نہ کرے تو ہمارا ٹھکانہ کہاں رہے۔ پس ہم کو درگزر لازم ہے .... یہ دنیا ایسی ہی

جگہ ہے جہاں ہم ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔

آخرت میں تو کوئی کسی کے کام نہیں آتا پھر کیوں ہم اس موقع کو غنیمت نہ سمجھیں۔ جب میں کہیں جاتی ہوں اور کچھ دن قیام کرکے واپس آنا ہوتا ہے تو مجھے اس وقت کا خیال آتا ہے جس وقت ہم کو دنیا سے سفر کرنا ہوگا۔ جب کہیں ہم ہوا خوری کی غرض سے جاتے ہیں دو مہینے، تین مہینے یا پندرہ روز کے لئے اور مدت تمام ہو چکتی ہے اور گھر واپس جانے کے لئے سامان بندھ جاتا ہے، اور آخرکار ہم ریل پر سوار ہوکر روانہ ہو جاتے ہیں تو بجنسہٖ عمر کے خاتمہ کا سماں میری آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

کس قدر کم زندگی انسان کی ہے اس زندگی کے ہر لمحہ کو اگر ہم ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اچھے کاموں میں صرف کریں اور لوگوں کی غیبت، برائی، بدخواہی جو باعثِ عداوت و بغض ہوا کرتی ہے چھوڑ دیں اور ہر وقت اپنے خیالات کو نیکی کی طرف راغب کریں تو یہی عادت ہو جائے۔ یہہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی فائدہ ہم کو نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا نہ چاہے اس کی خوشنودی میں ہم سب کو فائدہ حاصل کرنے کی کوشش چاہیئے بغیر اس کی خوشنودی کے سب فائدے بیکار ثابت ہوں گے۔

اور ہم کو اس زندگی میں اس ذاتِ کامل کی زندگی کا لحاظ رکھنا چاہیئے جس نے دشمنوں سے محبت کرنے کو سب سے اچھا عمل بنایا۔ اور .... کا مصداق بنایا۔ ایسے ہادیٔ دینِ کامل جس کی تعلیم نے تاریک دنیا کو روشنی بخشی اور جس کی تعلیم کے آگے مذاہبِ دنیا کی کل روشنی ایک جگنو کی چمک سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، اس ہادیٔ کامل علیہ وعلیٰ آلہ الف الف تحیۃ والسلام کی ہدایت چاہیئے ہم مسلمانوں کی روش سے اس کی عمدگی کا ثبوت عالم پر نقش ہو جائے نہ کہ ہم ایسے دینِ برحق کے لئے بدنام کنندۂ نکونامے چند ثابت ہوں۔

یہہ ایک بہت دردناک بات ہے کہ اہلِ اسلام کی روش نے اسلام کو روئے زمین پر بدنام کر رکھا ہے حالانکہ اسلام کے برابر کوئی مذہب ہے نہ ہو گا۔ اسلام جامع الاخلاق ہے اور تمدن و ترقی کا معدن اگر ہم ہر لحظہ اور ہر ساعت اس بات کا شکر کریں کہ ہم کو خدا نے مسلمان پیدا کیا اور ہر ساعت اس کی درگاہ میں سرِ نیاز جھکائیں کہ یہہ دولتِ اسلام ہمارے ہاتھ آئی تو کم ہے اور ہر لمحہ ذاتِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں تو کم ہے اور جس قدر محبت ہم کو ان کی ذات سے ہو کم ہے دولتِ ایمان کوئی کم دولت نہیں ایسی دولت کی بدولت ہم نے ترقی کی اور اسی دولت کے کم کرنے سے ہم قعرِ تنزل میں گرے ہم سب مل کر اس وقت دعا کرتے ہیں کہ ہماری کھوئی ہوئی دولتِ ایمان پھر ہمارے ہاتھ آئے اور خدا ہم کو سچے اسلام کی محبت میں ہمیشہ مخمور رکھے۔

تعارف

وائی، ام، سی، اے کی رپورٹ کا انجمن خواتین اسلام میں تعارف کرتے ہوئے محترمہ نے یہ تقریر کی تھی۔

ہمدرد مسلم خواتین!

اس جلسہ کے معائنہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کوشش اور سعی جو نیک نیتی اور دوسروں کی فلاح و بہبودی کے لئے کی جاتی ہے کبھی ضائع نہیں جاتی۔
۱۹۱۳ء میں اس جلسہ کی ابتدا ہوئی اور میں یہ نہایت مسرت کے ساتھ دیکھتی ہوں کہ بتدریج اس انجمن نے کس قدر ترقی کی ہے۔ اور اس کارِ خیر کی مدد کے لئے دردمند دل اب آمادہ ہو گئے ہیں اور کتنے غریب و مسکین بندگانِ خدا نے لکھنا، پڑھنا اور قرآن اس چھوٹی سی کوشش سے سیکھ لیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ہمارے اس کارِ خیر میں مدد کرے۔ اس لئے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اور کوشش کا نتیجہ اچھا ہی ہوتا ہے
اس انجمن کی بنیاد Y.M.C.A کے انداز پر ڈالنے کا ارادہ شروع ہی سے تھا اور اسی کی تقلید کی گئی تھی۔ اور یہی تجویز ہوئی تھی کہ اگر ممکن ہوا تو اسی پیمانہ پر ہم بھی اپنا کام کریں گے جس طرح ہمارے عیسائی بھائی کرتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی انجمن کو وسعت دیں اور دوسری جگہ بھی مرکز اس کے قائم کریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب بھی

میری اس رائے کو پسند کریں گی اور اس میں اپنے حتی الامکان ہر رکن مدد کرے گا یعنی ایک مرکز سکندر آباد میں قائم ہو جس کی سکریٹری مسز علاء الدین صاحبہ رہیں جو اماں کے پیارے نام سے اپنے سب دوستوں میں مشہور ہیں۔ اس لئے کہ نہ صرف وہ اپنے خاندان کی اچھی ماں ہیں، بلکہ کل دوستوں کے ساتھ بھی مادرانہ برتاؤ کرتی ہیں بیہ اس واسطے کہ علاء الدین صاحب کی بی بی سکندر آباد میں ایک غربا کی لڑکیوں کا اسکول کھول سکتی ہیں جس کی سرپرستی وہ خود کر سکتی ہیں اور ایسی بی بیاں سکندر آباد کی جو ہمارے یہاں دور ہونے کی وجہ سے نہیں آسکتیں ہیں وہ ان کے اراکین کی فہرست میں اپنا نام لکھوا سکتی ہیں۔ اور ان کا گروہ مل کر غربا کے لئے وہاں کام کر سکتا ہے اور ہر طرح کی ان کی مدد کر سکتا ہے۔ سب کے مل کر کام کرنے کے لئے کسی دعوت کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دعوت میں اس قدر خرچ ہو جاتا ہے کہ اس سے بہت کچھ امداد غربا کی ہو سکتی ہے انگریزی بی بیاں جو سوزن کاری وغیرہ کی جماعتیں لیتی ہیں وہاں اس قسم کے فضولیات نہیں کرتیں بلکہ وہ کسی نہ کسی جگہ یا کسی ممبر کے گھر جمع ہو کر واقعی کام کرتی ہیں غربا کی لڑکیوں کو سینا اور ہاتھ کا کام کرنا پڑھنا خود سکھاتی ہیں یا ان کی امداد کے لئے چادر گھاٹ کی سکریٹری ہماری کارگزار اور دلچسپی لینے والی رکن خدیجہ بیگم محل عبدالغنی صاحب ہیں اس لئے کہ ان کو اس کام کے ساتھ نہایت دل بستگی ہے اور غربا کی خاطر تکلیف اٹھانا ان کو گراں نہیں گزرتا۔

شہر کے اندر کی سکریٹری تو محل مظہر اللہ صاحب موزوں تھیں مگر افسوس ہے کہ بدقسمتی سے ان کو اس قدر جلد رحمت حق نے اپنی طرف کھینچ لیا نہ اب وزیر النساء بیگم ہیں جو اس کام کی اہل تھیں اگر مسز اسد اللہ خاں اس کام کو اپنے ذمہ لیں تو مناسب ہوگا۔

کیٹل منڈی وغیرہ میں مسز محبوب علی صاحب بہت کچھ کرسکتی ہیں ۔اب آپ یہہ فرمائیں گی کہ اس قدر سکریٹری اور ہر محلہ کے لئے ایک نگہبان مقرر ہونے کی کیا ضرورت ہے ۔

اس کی ضرورت سمجھیہ وہی ہم کو ہے جو ہمارے عیسائی بھائیوں کو ہے، اس لئے میں Y.M.C.A کی رپورٹ آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں ۔

تقریر انجمن خواتین اسلام

میری عزیز بہنو!

آج اس انجمن میں آپ سب صاحبوں کے تشریف لانے سے مجھے کمال مسرت ہوئی مجھے امید ہے کہ اِس انجمن کے قیام سے ہم سب کو بڑا فائدہ ہوگا۔ آپس میں یک جہتی، الفت، محبت پیدا ہوگی۔ اگرچہ انسان گوشۂ تنہائی میں بھی علم و حکمت حاصل کرسکتا ہے۔ مگر ایسی حالت میں فوائد اسی تک محدود رہتے ہیں۔ دوسرے اس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ ایسا علم بے عمل تحصیلِ لاطائل ہے۔ ورنہ وہ خوبیٔ اخلاق جو انسان کو کامل بنانے کے لئے ضرور ہے بغیر ان صاحبانِ اخلاق کی صحبت سے مستفید ہوئے نہیں آسکتی۔ جو اوصافِ حمیدہ سے متصف ہیں۔ ہیچمن دیگرے نیست کے اوہام جن کے انفاس کریمانہ سے پراگندہ اور فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم کی روشنی سے ان کے دماغ منور ہوجاتے ہیں۔

آپس کا میل ملاقات تبادلۂ خیالات ایک ایسی چیز ہے جس کی برکت سے ہم ابھی کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ کل مہذب دنیا میں یہہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ خیال کی جاتی ہے اور اس کے بغیر زندگی دشوار سمجھی جاتی ہے۔

ہم اپنی اس انجمن پر اس واسطے اور بھی فخر کرتے ہیں۔ کہ اس کا مقصد نہ صرف ہمارا حظ اٹھانا اور میل ملاپ کا بڑھانا ہے ۔ بلکہ اس سے چند غربا بھی مستفید ہوتے ہیں۔ یہہ انجمن بہ یک کرشمہ دو کار کا مصداق ہے۔ اس انجمن کا ایک بڑا اصول یہہ ہے (جس کا ہم کو یقین ہے کہ ہم پابندی کرتے ہیں) کہ سب ارکین میں خواہرانہ برتاؤ ہے۔ یہاں ہم سب ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہہ محبت ہماری ظاہرا نہیں بلکہ باطنی ہے۔ ہم اس شریعت غرا اور صراطِ مستقیم کے راہرو ہیں اور اسں جادۂ تسلیم کے جبیں سا ہیں جس کی روشنی نے تمام عالم کو روشن کر دیا اور زمانۂ جاہلیت کی تاریکی کو دور اور کفر و شرک کی گندگی سے پاک کر کے توحید و علم و فضل و حکمت کے نور کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔ اللّٰہ اکبر و لا الٰہ الاّ اللّٰہ کے نعرے نے ظلمت اور جہالت کو دور کر دیا اور ہم کو یہہ سبق سکھایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ۔

اے میری عزیز بہنو! آؤ ہم سب مل کر دعا کریں کہ خداوند کریم ہم کو ہمیشہ اسں صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ اور ہمیشہ ہمارے دل کو نیکی، سچائی، اچھائی کی طرف مائل رکھے جو اسلام کا اصل اصول ہے۔ آمین یا رب العالمین۔

میں یہہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ لارڈ ہارڈنگ نے بہت بڑا سلوک کیا ہے۔ اسں لئے لیڈی صاحبہ کو ہم لوگوں کی طرف سے ایڈریس دیا جائے اور پھول پہنائے جائیں۔

اس کے علاوہ بیگم صاحبہ بھوپال کی خدمت میں تعزیت کا عریضہ انجمن کی طرف سے بھیجا جائے۔ بیگم صاحبہ علم دوست ہونے کے علاوہ ہندوستان کی بی بیوں کی محسن ہیں

ایسے موقع پر کہ ان کی پارۂ جگر برجیس جہاں بیگم نے انتقال کیا ہے۔ جس کا صدمہ ہم لوگوں کے دلوں کو بھی ضرور ہوا ہے۔ تعزیت کرنا لازم ہے۔ آگے جو آپ لوگوں کی مرضی۔

خواتین!

انسان کی پیدائش کے ذکر میں ہر مذہب و ملّت میں یہہ مشہور ہے کہ جب
حضرت آدمؑ کو خدا نے خلق کیا تو وہ اپنی تنہائی سے گھبرا اٹھے اور یہہ انھوں نے خداوند کریم
سے دعا کی کہ اے رب العالمین مجھے کوئی مونس و غمخوار عنایت فرما خدا نے انھیں حوّا کو عنایت کیا
باغِ بہشت و خلدِ بریں کی کل نعمتیں بغیر ایک مونس و ہمدم کے ان کی نظر میں خار معلوم
ہونے لگیں اور تنہائی سے گھبرا اٹھے جس سے یہہ ثابت ہے کہ انسان کی فطرت میں اُنسیت
اور خواہش ایک انیس و ہمدم کی ودیعت رکھی گئی ہے انسان کے لفظ کا مادّہ بھی اُنس سے ہے
یعنی محبت کا خواہاں ملاپ کا جویا۔

یہہ جوہر جو خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کی طبیعت میں پیدا کیا ہے اس کی
وجہ بھی یہی ہے کہ بغیر اس کے انسان کا درجۂ کمال پہ پہنچنا بھی ناممکن تھا اور وہی تو ہیں آسمانِ
ترقی پر تاباں نظر آتی ہیں جن میں یہہ صفت بدرجۂ اولیٰ نظر آتی ہے۔ گویا خلّاقِ علیم نے اسی
صفت کی تکمیل کے لئے انسان کو خلق کیا۔

زمانۂ گذشتہ میں جب کہ قطعِ مسافت کے یہ آسان طریقے نہیں نکلے تھے اور ہر ملک کے لوگ اپنے ہی ملک میں مقید رہتے تھے، اس وقت ہمارے ہندو بھائیوں نے اپنی قوم کو اسی لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر فرقے کے ذمہ ایک کام لگا دیا تھا (Division of Labour) کی اس سے زیادہ آسان صورت اختیار کرنا ناممکن تھا جو فرقہ جس کام کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا وہ اس میں درجۂ کمال تک پہنچ جاتا تھا اور جس فرقے میں جو شخص پیدا ہوتا وہ اس کام کے کرنے کو اپنا فرض سمجھتا اور اس میں خوش و خرم رہتا اور اپنی برادری میں اس کو برابری کے حق حاصل ہوتے اور آپس میں وہ ہمیشہ مل جل کر رہتے ان کے قضیے ان ہی کی حمایت سے فیصل ہوتے گویا ان کی اپنی ایک چھوٹی سی ریاست ہو جاتی جس میں ان کے برابر والے ہی ان کے موافق و ناموافق فیصلہ کرنے کے مجاز رہتے۔

سب پیشے والے مثل ایک بڑی برادری کے رہتے ایک پیشے والا دوسرے کے پیشے میں دست اندازی نہ کر سکتا۔ اور ہم پیشہ اگر قرابت دار بھی نہ ہوتے تو مثل بھائی بھائی کے رہتے اور ان کی ہی سوسائٹی گویا ان کے لئے کافی و وافی ہوتی اس سے بڑھ کر یا اس سے باہر کی خواہش بھی ان کو پیدا نہ ہوتی۔ مگر جب زمانے کی رفتار نے قطعِ مسافت کے طریقوں کو اس درجہ آسان کر دیا کہ گویا انسان کو پر دے دیئے، تو وہ گروہ جو آج تک اپنی سوسائٹی میں خوش و خرم تھے لامحالہ اس سے نکل کر دوسرے گروہ میں شامل ہو گئے تو ان کی خواہشات بھی اپنے محدود احاطہ سے نکل کر ایک غیر محدود میدان میں جولانی کرنے لگیں۔

جہاد النفس افضل الجہاد

ہر ایک نفس انفاسِ عمر میں سے ایک جوہرِ نفیس ہے، جس کو کوئی دنیا کی دولت قارون کا خزانہ ہفت اقلیم کی سلطنت مول نہیں لے سکتی۔ ہر ایک لمحہ ایک گوہرِ بے بہا و جواہرِ انمول ہے کہ گریہ وزاری عبادت و استغفار صدقہ و چلہ سے واپس نہیں آسکتا اور کوئی نعمت خدا کی نعمتوں میں سے اس کا معاوضہ نہیں ہوسکتی۔ پس ایک ایک نفس کا کسی بیکار کام میں جس کا حاصل سوائے خسران کے کچھ نہیں ہے ضائع کرنا عین ہلاکت و کوتہ اندیشی ہے جس سے ہر ایک عاقل کو دور بھاگنا چاہیئے۔

پس ہر شخص کو لازم ہے کہ صلوٰۃ صبح سے فارغ ہونے کے بعد اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اس سے کہے "اے میرے نفس میرے پاس کوئی دولت عمر کی دولت سے بڑھ کر نہیں ہے اگر اس کو میں برباد کروں تو حیف ہے مجھ پر اس لئے کہ یہی میری پوری بضاعت ہے۔ یہ اور ایک نیا دن میرے واسطے شروع ہوا۔ خدا نے مجھے آج کے دن کے آنے کی فرصت دی ہے اور اپنی بخشش سے تجھ پر عنایت کی ہے۔"

پابندیٔ اوقات

(یہ کسی تقریر کا حصہ معلوم ہوتا ہے)

دنیا میں ایک بڑی چیز جو آدمی کو بامراد کرتی ہے اور کامیابی پر پہنچاتی ہے وہ پابندیٔ اوقات ہے، بہت عالم فاضل ایسے گزرے ہیں جو اس ایک صفت سے محروم ہونے کی وجہ سے گم نام رہے ہیں اور بہت سے لوگ جو علم اور فضل میں ان کے ہم پلہ نہ تھے آج اپنے نام صفحۂ ہستی پر ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے۔ صرف اس لئے کہ ان خوش نصیبوں کو بچپن سے پابندیٔ اوقات کی عادت پڑی اور ہر لحظہ کی انھوں نے پوری پوری قدردانی کی لمحوں سے گھنٹے ہوتے ہیں اور گھنٹوں سے دن، دن سے مہینے اور مہینوں سے برس جس نے لمحوں کی قدر نہ کی اس نے برس گنوائے۔ اس لئے ہر ایک فرد بشر پر لازم ہے کہ اپنے وقت کی پابندی اور اس کی کفایت و نگاہداری میں حد درجہ کی کوشش کرے۔ اسی پر اس کی بہبودی اور کامیابی کا مدار ہے۔ روپیہ، پیسہ، زیور، جواہرات کو آدمی کس قدر حفاظت سے رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز کے چوری جانے کا اس کو کس قدر رنج ہوتا ہے مگر لمحوں کا تو کیا ذکر مہینوں اور برسوں کے ضائع ہونے کا بھی اسے کچھ خیال نہیں آتا۔ جس کا ایک ایک لحظہ دنیا کے کل جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے اور جو بعد جانے کے کبھی نہیں آسکتا۔ سونا، روپیہ، ہیرا، موتی سب مل جاتا ہے، مگر گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ اگر ایک لمحہ کے واپس لانے کے لئے قارون کا خزانہ ہفت اقلیم کی سلطنتیں دے دی جائیں تو بیکار ہے۔ وہ ایسی جگہ گیا ہے جہاں سے واپس نہیں آسکتا۔

قوتِ متخیّلہ

قوتِ متخیّلہ ایک ایسی قوت ہے کہ انسان کی اس بیچارگی ولاچاری کو جس کا وہ ہمیشہ بمقتضائے قدرتِ کاملہ شکار بنا رہتا ہے ایک حدتک دور کر سکتی ہے اور اپنے خیالات کو ناگوار تعلقات سے جدا کر کے ان سے بلند و بالا ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت کم توجہ اس بے بہا قوت کے بڑھانے کی طرف مبذول کی جاتی ہے بہ سبب معطّل رہنے کے یہ قوت انسان میں اپنی انتہا تک ترقی نہیں کرنے پاتی بلکہ بیکار رہ جاتی ہے اور مثل دیگر اعضائے انسانی کے بیکاری سے مجہول ہو جاتی ہے۔ اگر ہاتھ سے کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار ہو جاتا ہے اور جو شخص زیادہ کام ہاتھ سے لیتا ہے اس کا ہاتھ زیادہ زور آور ہو جاتا ہے بہ نسبت ان لوگوں کے ہاتھ کے جو کاہل الوجود ہیں اور دھوکے سے ہاتھ نہیں ہلاتے۔ غرض ہر قوتِ دماغی کا بھی یہی حال ہے۔ حافظہ حفظ کرنے سے بڑھتا ہے ذکاو فہم وادراک ہر فرد بشر کو خدا نے عنایت کیا ہے مگر وہی ذکی وفہیم کہلاتے ہیں جنھوں نے ان سے کام لیا ہے دماغی قوتوں میں سے قوتِ تصور و خیال ایک ایسی قوت ہے کہ انسان کی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈال سکتی ہے یہ وہی قوت ہے جس کے بارے میں ملٹن نے کہا ہے کہ خیال وہ چیز ہے کہ جنت کو دوزخ اور دوزخ کو جنت کر دکھاتا ہے۔ تصور سے تصویریں جان کھینچتے ہیں۔ اس قوتِ دماغی کو اگر ہم کام میں لانے کی عادت کریں تو عنقریب اس کے بے انتہا فائدوں سے مستفید ہو سکتے ہیں

اور ناگوار چیزوں کو خوشگوار اور مکروہاتِ زمانہ کو محسنات تصور کر سکتے ہیں۔

ایسے اشخاص کے لئے جنھوں نے اس خیال کی طرف توجہ نہیں کی ہے اس کے حاصل کرنے سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ ایک عالم نے اس کا اچھا طریقہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ تھوڑا سا شیکسپیئر کارلائل اور رسکن ایسے صاحبِ ادراک مصنفین کے کلام میں سے روز پڑھے اور غور کرے اور پھر ان کے خیالات کا اعادہ اپنی زبان میں کرے تو اس طرح پر بتدریج اس کی اپنی دماغی قوت زد پاتی جائے گی اور ہر مرتبہ کی آزمایش کے بعد ایک تازہ قوت کا اس کو ادراک اور احساس ہونے لگے گا یہاں تک کہ لوازماتِ وقت و زمانہ سے مبرّا ہو کر مثل ہمائے بلند پرواز کے سیر ارم کرتا پھرے گا۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ "ہر شخص کو یہ خیال پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اس کے باطن میں ایک نورِ الٰہی ایسا محفوظ ہے کہ جس سے اگر وہ مدد لینے کی عادت کرے تو ضرور وہ مشکل میں اس کا ہادی و رہنما بن سکتا ہے اور یہی نور مصداق آیہ کریمہ[1]..................

اور اسی نور کی روشنی میں اپنی زندگی کے پیچیدہ راہوں اور پُر خطر لغزشوں سے ہمیشہ محفوظ و مصؤن رہ سکتا ہے کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ اَن اُعرف

[1] مسودہ میں کوئی آیۃ درج نہیں ہے۔

اسوۂ حسنہ

خواتین محترم

جس وقت سے بنی آدم نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہر قوم نے اپنے لئے معبود بنالئے
کسی بلند پایہ قوم نے وشنو شیوا کرشن کو قابلِ ستائش جانا اور اپنی قوم کے سربرآوردہ اشخاص
کو قابلِ بندگی سمجھا۔ یونان و روما کے دانشمندوں نے سورج، چاند، پانی، ہوا، حجر، شجر سب کے علیحدہ
علیحدہ خدا قرار دے کر ایک افسانہ ان کی خدائی کا ایسا گھڑ لیا جو صدیوں سے یورپ کی درسگاہوں
میں داخلِ نصاب ہے اور اس طرح پر اس میں درس و تدریس ہوتی ہے جیسے اس کا جاننا معیار
فضیلت ہو۔ مخلوق کی جستجوئے خالق یہ بھی ایک رازِ الٰہی ہے۔ یہی جذبہ جو قدرت نے انسان کے دل میں
ودیعت رکھا ہے اس کو حق کی تلاش پر مجبور کرتا ہے اور اپنے حسب حوصلہ وہ خالق ڈھونڈھ لیتا ہے
ہمارے مقدس جزیرۂ نما میں بھی لوگ بتوں کو تراش کر ان کے آگے سجدہ کیا کرتے تھے
اور اس سے دعا کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک بچے نے اپنے باپ سے یہ سوال کیا۔ یَا اَبَتِ لِمَ
تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا " کہ اے باوا تم یہ کیا کرتے ہو اپنے ہاتھوں
کے تراشے ہوئے بتوں کو کیوں پوجتے ہو وہ تو ہماری بات سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں "
اور جب اس بچے نے بھی اور لوگوں کی طرح اپنے لئے کسی معبود کو تلاش کرنا شروع کیا

تو پہلے ستاروں کی طرف اس نے غور کیا اور کہا کہ یہ ضرور قابلِ پرستش ہوں گے مگر جب وہ غروب ہو گئے تو یہ بچہ ان کو قابلِ قدر نہ سمجھا اسی طرح چاند کو چمکتا دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا، ہو نہ ہو یہی صانع قدرت ہوگا مگر وہ بھی نظروں سے غائب ہو گیا پھر سورج پر اس نے غور کیا مگر اس کو بھی ڈوبتے دیکھ کر کہہ اٹھا اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ جس چیز پر تغیّر آجائے وہ الوہیت کے لائق نہیں اس غور و خوض کی حالت میں خدا نے حقیقتِ وحدت کو اس برگزیدہ کے دل میں القا [illegible] اور اسی وقتِ مبارک سے سرزمینِ مکہ میں وہ عمارت بنوائی جو برکت اور ہدایت کا باعث ہوئی۔ [illegible] کے معمار نے درگاہِ خدا سے یوں دعا فرمائی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا الیٰ آخرہٖ۔

یعنی اے خدا اس شہر مکہ کو غیر قوم کی حکومت سے امن میں رکھیو۔ اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچائیو۔"

مگر انسان کے خاصۂ بت پرستی سے یہ گھر بھی نہ بچا اور تین سو ساٹھ بت خانۂ کعبہ میں نصب ہو گئے۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلے خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا — جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

حق تعالیٰ نے ہر ملک و ہر قوم میں ہادی بھیجے مگر تھوڑے دنوں میں قومیں ان کی ہدایت سے منحرف ہو گئیں۔ اور جہالت و ضلالت بدستور چھائی ہوئی تھی۔ جب گمراہی حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتی نورِ رحمتِ حق سے ایک ہادی پیدا ہوتا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام تھے یہ ملک مصر کے لئے مبعوث ہوئے تھے

آپ نے بھی اپنے زمانے میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی تھی۔ چنانچہ خداوند کریم توراۃ میں موسیٰ سے یوں فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک ایسا نبی برحق بھیجوں گا جس کی زبان پر میرا کلام جاری ہوگا وہ اپنے دل سے کچھ نہ کہے گا اور جو اس کے کلام حق کو نہ سنے گا اس سے میں باز پرس کروں گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ روح اللہ کو جب مرتبۂ نبوت عطا ہوا اور آپ بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے جس طرح خود آپ اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے لئے خاص مبعوث ہوا ہوں اور صرف ان ہی کی ہدایت کے لئے آیا ہوں مناسب نہیں کہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے پھینک دوں۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو بھی بہ تاکید حکم فرمایا کہ سوائے بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے کسی اور غیر قوم کے قریب نہ جانا۔ حضرت نے بھی بار بار اپنی زبانِ حقیقت ترجمان سے اس طرح ارشاد فرمایا کہ لوگو! میری تعلیم کا کامل کرنے والا آئے گا اور جو خصوصیتیں اس کو خدا نے عطا فرمائی ہیں وہ کسی اور پیغمبر کو نہیں دیں ہیں اس کے مقابل میں ایک معمولی نبی ہوں جو صرف ایک خاص فرقے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہوں مگر کل دنیا کا سردار میرے بعد آئے گا وہ سچائی کی باتیں بتائے گا آئندہ کی خبریں دے گا اور خدا کے الفاظ اس کے منہ سے نکلیں گے اور جب وہ روح حق تسلّی دینے والی دنیا میں آئے گی وہی اس وقت میری صداقت پر گواہی دے گی۔ اور اس آنے والے پیغمبر کا نام احمدؐ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ کا گروہ بھی بہت جلد حضرت سے منحرف ہوگیا اور اغوائے شیطان سے حضرت کو خدا کا بیٹا بنا دیا اس وقت حضرت عیسیٰ نہایت پریشان ہوگئے اور فرمانے لگے کہ میرے بعد ایک ایسا رسول آئے گا کہ جس کے نعلین کے تسمے کھولنے کی قابلیت بھی میں نہیں رکھتا وہ اس لئے آئے گا کہ

ہر چیز کو جس طور سے میری کتاب میں خراب کر دیا گیا ہے اس کو پاک کرے اور میرے اوپر گواہی دے
جب بعد مسیح کے ہر طرف بلا استثنا گمراہی و عصیان کے گھٹا ٹوپ بادل چھا گئے اور
مطلع البیانتیرہ و تاریک ہو گیا کہ بادئ النظر میں کوئی صورت نجات کی نہ رہی اس وقت رحمت حق کو
جنبش ہوئی اور پہلوئے آمنہ سے دعائے خلیل و نوید مسیحا ہویدا ہوئی۔ یہ مسیحائی کی روح پیغام
صداقت القیام لے کر کل عالم کے لئے رحمۃ للعالمین ہو کر اس پیغام کے ساتھ بھیجی گئی۔
قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ کَافَّۃً لِّلنَّاسِ الٰخرہ یہی وہ آفتاب عالمتاب تھا
جس نے دنیا کے اندھیرے کو اُجلا کر دیا۔ خواتین! اس کو آپ جوش محبت نہ سمجھیں اگر میں یہ کہوں
کہ حقا وہ وہی آفتاب تہذیب (Civilization) تھا جس پر مغرب فخر کرتا ہے لیکن افسوس ہے کہ
مغرب کی آنکھوں پر ایک خاص فرقہ اور ایک خاص عامیانہ تحریک کی پیروی نے تعصب کے پردے
ڈال رکھے ہیں جس کی وجہ سے وہ آفتاب پر خاک ڈالنے کے عبث شغل میں صدیوں سے مشغول ہیں
اور کورانہ تہذیب کی جاہلانہ روش سے باوجود دعوئے علم و عمل باز نہیں آتے۔
جب یہ آفتاب قریش اوج کمال کو پہنچ گیا اس وقت زبور کی علامات مسیا کی تصدیق
ہو گئی۔ اس مقدس کتاب آسمانی میں یہ الفاظ ہیں کہ خداوند کریم فرماتا ہے کہ میرا محبوب نورانی
گندم گوں دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ مثل ایک لوائے حکومت کے استادہ ہو گا وہ خوبصورتی
میں رشک سرو ہو گا۔ وہ شیریں کلام ہو گا۔ تعریف کیا گیا یعنی محمدؐ اس کا نام ہو گا۔ اے یروشلم کی
بیٹیو! یہی میرا تعریف کیا گیا برگزیدہ اور پیارا محبوب ہو گا۔
تعصب نے لفظ محمدؐ کو گرچہ ان پیشین گویوں سے نکال دیا ہے اور حتی الوسع اس کو

مٹانا چاہا ہے مگر حق کبھی مٹتا نہیں۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

حالانکہ عقل وعلم و دعوئے تہذیب کا یہ فرض ہونا چاہیئے تھا کہ اس کی اصلیت کو دریافت کرکے حضرت کی ہدایت پر عمل کیا جاتا۔

حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک حواری برنابس Barnabas نامی جن کی انجیل کو نصاریٰ نے بوجہ تعصب پس پشت ڈال رکھا ہے حضرت عیسیٰ کی زبانِ حقیقت ترجمان سے یوں فرماتے ہیں کہ "بے شک رسول اللہ ایک روشنی ہے جو تقریباً تمام مصنوعات باری کو مسرور کرے گا کیونکہ وہ فہم اور مشورت کی روح سے، محبت اور رحمت کی روح سے، خوف اور محبت کی روح سے آراستہ ہے۔ عدل اور تقوے کی روح سے آراستہ ہے۔ لطف اور صبر کی روح سے آراستہ ہے۔ ایسی روحیں کہ منجملہ ان کے اس رسول نے اللہ سے سہ چند حصہ اس کا لیا ہے جو کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات کو عطا کی ہیں وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسول دنیا میں آئے گا تم اس کو سچا مانو ہر آئینہ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے سامنے عزت وحرمت کو پیش کیا اس کی تعظیم کی جیسا کہ اس کو ہر ایک نبی نے دیکھا ہے۔ کیونکہ اللہ نے ان نبیوں کو اس رسول کی روح بطور پیشین گوئی کے عطا کی ہے اور جب کہ میں نے اس کو دیکھا، میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا۔ اے محمد اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہو جاؤں گا۔" جب کہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب یہ مبارک زمانہ عیسیٰ سے چھ سو ستر سال بعد آیا اور حضرت محمد تولد ہوئے اس وقت

حضرت کے والد عبداللہ انتقال فرما چکے تھے چھ برس کی عمر میں والدہ سے بھی جدائی ہوگئی نو برس کی عمر میں دادا نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف ابو طالب آپ کے چاہنے والوں میں رہ گئے۔

حضرت محمدؐ کا گھر گویا حضرت ابو طالب کا گھر تھا اور ان کے بچے حضرت کے بھائی بہن تھے آپ اپنے چچا کے ساتھ اکثر سفر کرتے اثنائے سفر میں جو نصرانی تورات و انجیل سے واقف تھے حضرت کی نشانیوں کو دیکھ کر متاثر ہوتے۔ چنانچہ بحیرا راہب نے حضرت کے چچا سے کہا کہ ابو طالب یہ آپ کا بھتیجا بڑا پیغمبر ہوگا اس کا ذکر ہماری کتابوں میں آچکا ہے آپ اس کی حفاظت کیجئے۔ جب حضرت کی عمر پچیس کی ہوئی اس وقت آپ کا عقد حضرت خدیجۃ الطاہرہ کے ساتھ ہوا آپ کی باہمی زندگی اپنی عالی مرتبت ساتھی کے ساتھ اس اعلیٰ ترین ہوم لائف کا نمونہ ہے جو تاریخ کے صفحوں میں کہیں نہیں ملتا۔

جس وقت غارِ حرا میں فرشتۂ خدا نے حضرت کو فرمانِ الٰہی اِقْرَا کا سنایا اور حضرت اس سے متاثر ہوکر اپنی زوجۂ مطہرہ کے پاس ہمدردی کو آئے تو حضرت خدیجہ اس وقت آپ کی نبوت کی قائل ہوئیں اور اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاکر ان کے علم تورات و انجیل سے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کرائیں۔ اس کے بعد حضرت کو حکم وانذر عشیرتک الاقربین کا نازل ہوا اس وقت حضرت نے دعوتِ قریش فرمائی مگر قبل اس کے کہ حضور کچھ فرمائیں، ابوجہل نے محفل درہم برہم کردی۔ دوسری دفعہ حضور کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ اور بعد دعوت کے حضرت نے ابو طالب سے اپنا مدعا بیان فرمایا اور فرمایا کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس امر میں میرا ہاتھ بٹائے اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا اے میرے بھائی میں آپ کا فرمانبردار اور جاں نثار ساتھی ثابت ہونگا

اور آپ کے حکم کو ہر طرح بجالاؤں گا یہ سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور جناب امیر کے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمانے لگے دیکھو لوگو! یہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا وزیر ہے اس کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر سب اہلِ قریش اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابو طالب سے تمسخر کی راہ سے کہنے لگے تو حضرت مبارک بھتیجے کو پیغمبر سمجھو اور بیٹے کی فرمانبرداری کرو۔" یہ کہہ کر سب نے اپنا اپنا راستہ لیا مگر وہ ہادیٔ برحق اپنے کام میں اسی طرح مستقیم رہا اور ان کے تمسخر کی کچھ پروا نہ کی۔ اس کے بعد یاایہا المدثر نازل ہوا تو آپ نے معاشر قریش کو کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارا اور یوں بیان فرمایا "کہ اے میرے ہم قوم وہم وطن بھائیو سچ بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک بڑا لشکر دشمن کا پڑا ہوا ہے اور تمہارے اوپر حملہ آور ہونے والا ہے تو تم یقین کرو گے یا نہیں"۔ سب نے جواب دیا "کبھی آپ کی زبان سے ہم نے آج تک کوئی غلط لفظ ہنسی میں بھی نہیں سنا تو کیونکر ہم آپ کی بات کو نہ مانیں گے" دیکھئے دشمنوں نے بھی حضرت کی صداقت پر گواہی دی۔ اس وقت حضرت نے نہایت پُر درد لہجے میں اپنی قوم کی تنبیہہ فرمائی اور بت پرستی و افعالِ قبیح کے بدنتایج سے آگاہ کیا تو اسی وقت ابولہب نے بہت خفا ہو کر کہا واہ رے بھتیجے بس یہی خرافات سنانے کے لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا۔

حضرت اس دلشکن منظر کے بعد بھی اسی طرح وعظ فرمانے میں سرگرم رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ جو آزاد تھے ان کو تو حضرت نے حبش روانہ فرمایا جہاں کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر طیارؑ سے اس مذہب کے بارے میں یوں سوال کیا کہ "تمہارے لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تم نہ تو ہمارے مذہب کے ہو نہ ان کے مذہب کے پھر کونسا مذہب تم نے اختیار کیا ہے بتاؤ اور

م نے ہم کو ہمارے دستور کے موافق سجدہ کیوں نہ کیا" فرزند حضرت ابو طالب نے یوں فرمایا کہ
"اے نجاشی ہم سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی کی پرستش نہیں کرتے اور سب انسانوں کو
رابر سمجھتے ہیں ہم چوری اور جھوٹ سے پرہیز کرتے ہیں بت پرستی سے کنارہ کش ہیں۔ عورتوں کی عزت
رتے ہیں لڑکیوں کو زندہ نہیں گاڑتے ہمسائے اور دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، نماز
پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور اپنے مال میں سے چالیسواں حصہ فقرا کو دیتے ہیں، والدین کی فرمانبرداری
رتے ہیں اور عورتوں کا حق ادا کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں خلاف واقعہ الفاظ ان کی
ان میں نہیں کہتے، ہمارا پیغمبر راست گو اور عالی نسب ہے، امین اس کا لقب ہے کبھی
ئی غلط کلمہ آج تک اس کی زبان سے نہیں نکلا" نجاشی نے یہ سب سن کر کہا "یہ سب
نانیاں پیغمبر برحق کی ہیں" اور اپنے ملک میں مسلمانوں کو پناہ دی۔

جو لوگ آزاد تھے وہ تو اس طرح دوسرے ملک میں بھجوا دئے گئے مگر جو آزاد نہ تھے
ی کے غلام تھے ان پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈالی جاتی تھیں۔ مثل بلالؓ کے کہ یہ اُمیّہ بن خلف
غلام تھے یہ گرم ریت پر لٹائے جاتے تھے اور گرم پتھر ان کے سینہ پر رکھے جاتے تھے ترکِ اسلام
ور حضرت محمدؐ کو برا کہنے پر مجبور کئے جاتے تھے مگر ان کے منہ سے کوئی کلمہ خلافِ شانِ حضرت کے
کلا نہ آپ نے ترکِ اسلام کیا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کو رحم آیا اور انھوں نے خرید کر حضرت محمدؐ کو دیا
پ نے بلالؓ کو اذان دینے پر مقرر فرمایا۔

عمار بن یاسر کی ماں جن کا نام سمیہ تھا ان پر بہت ظلم ہوئے تھے ان کو ابوجہل نے نیزہ
ر شہید کیا یہ پہلی شہید عورت اسلام میں ہوئی ہیں۔

اسود بن عبد یغوث حضرت کے ماموں کا بیٹا تھا جب حضرت کو دیکھتا تو تمسخر کی راہ سے کہتا کہ بھائی آج کیا تم سے اور خدا سے باتیں ہوئیں اور جب فقراءِ مسلمین کو دیکھتا تو کہتا کہ یہی دنیا کے بادشاہ ہیں جو کسریٰ کی حکومت کے وارث ہوں گے۔ یہ کہیں باہر گیا ہوا تھا بادِ سموم میں پھنس گیا اس کا منہ ایسا کالا ہو گیا کہ جب واپس آیا تو کسی نے پہچانا نہیں اور حیران سرگردان پھر کر مر گیا

ابو فکیہ کی ٹانگ میں رسی باندھ کر پھرایا کرتے اور اس قدر مارتے کہ بے دم کر دیتے ایک روز ایک گوبر کا کیڑا نظر آیا تو ان سے کہا گیا کہ دیکھو یہی تمہارا خدا ہے۔ انھوں نے کہا یہ میرا خدا نہیں ہے مگر جس خدا نے مجھ کو پیدا کیا ہے اسی نے اس کو بھی پیدا کیا ہے اس پر ابو فکیہ کو خوب مارا گیا یہاں تک کہ بالکل بے ہوش ہو گئے اس وقت طنزاً ان سے کہا گیا کہ اپنے ساحر محمدؐ کو بلاؤ کہ تم کو زندہ کرے۔ کافر تو یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابو فکیہ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ آپ نے حضرت کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اور جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔

جب اہلِ قریش نے دیکھا کہ حضرت بتوں کے برا کہنے اور وعظ فرمانے سے باز نہیں آتے ہیں تو حضرت کے پاس اپنا ایک وفد بھیجا جس میں عتبہ بن ابیہ بھی تھے اور آپ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجیے اور جو چیز آپ چاہیں ہم آپ کے لیے موجود کر دیں گے۔ اگر بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم خوشی سے آپ کو بادشاہ بنالیں گے اگر مال و دولت چاہتے ہیں تو وہ بھی حاضر کریں گے۔ اگر کسی خوبصورت عورت کی خواہش ہے تو اس کو بھی لا دیں گے اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو اس کا علاج کرائیں گے مگر ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجیے۔

حضرت نے وہ جرأت دکھائی کہ کبھی سکندر اور سیزر Ceaser کے خواب و خیال میں بھی

نہ آئی ہوگی اور سب چیزوں سے انکار کرکے ختم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں جس کو سن کر وہ دنگ رہ گئے اور خائف و خاسر واپس گئے۔

اس کے بعد اہل مکہ خود حضرت ابو طالب کے پاس گئے اور حضرت سے کہا ہم آپ کو عمارہ بن ولید کو دیتے ہیں جو نہایت خوبصورت ہے آپ اس کو اپنا بھتیجا بنا لیجئے اور محمد کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ابوطالب نے فرمایا لوگو جانور بھی تو اپنے بچے کو پہچانتے ہیں آدمی ہو کر کیونکر دوسرے کے بچے کو لے کر اپنے بچے کو تمہارے حوالے کردوں۔ دوسرے مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تم میرے بچے کو قتل کرنا چاہتے ہو اور اپنے بچے کو مجھے دیتے ہو کہ میں اس کو کھلاؤں، پلاؤں، پالوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے اس وقت ان لوگوں نے بہت برافروختہ ہو کر کہا اگر آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے تو ہم آپ کو جماعت سے باہر کردیں گے اور آپ سے لڑیں گے۔ اگر محمد کو ہمارے حوالے نہیں کرتے تو اتنا کیجئے کہ ان کو ہمارے بتوں کے برا بھلا کہنے سے روک دیجئے اور اس طرح پر وعظ کہنے اور قرآن سنانے سے منع فرمائیے۔ ابوطالب نے ان کو سمجھا منا کر ٹال دیا اور حضرت محمدؐ کو بلا کر انہیں سمجھایا کہ اے پیارے بھتیجے مجھ میں اب طاقت نہیں ہے کہ ان سب سے لڑوں میں بڈھا ہو گیا ہوں تم اپنی باتوں سے باز آؤ۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر قریش سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں، اور مجھ سے کہیں کہ میں اپنے کام سے رک جاؤں تو کبھی میں رک نہیں سکتا میں اپنے خدا کا حکم جب تک دم میں دم ہے بجا لاؤں گا یا اسی کی کوشش میں فنا ہو جاؤں گا"

یہ کہہ کر حضرت آبدیدہ ہوئے اور چچا سے رخصت ہو کر اس خیال میں چلے کہ ایک چچا تھے ان سے بھی جیتے جی جدائی ہو گئی۔ مگر چچا کی محبت کب مانتی تھی۔ حضرت ابوطالب نے پکار کر کہا پیارے بھتیجے

یہاں آؤ اور جو تمہارا جی چاہے کرو جب تک میں زندہ ہوں تم کو نہ چھوڑوں گا اس کے بعد کفار مکہ نے بنو عبد المطلب پر حقہ پانی بند کر دیا یعنی میل جول، شادی بیاہ، لین دین سب موقوف کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جو کوئی کسی بنی ہاشم کو قتل کرے گا اس سے باز پرس نہ ہو گی۔ حضرت خود و حضرت خدیجہ و حضرت فاطمہ ابو طالب اور کل بنو عبد المطلب، شعب ابو طالب میں پناہ گزیں ہوئے اور تین برس تک سخت مصیبتیں جھیلتے رہے۔ اس پر بھی جب ایام حج میں امن ہو جاتا تو حضرت شعب سے نکل کر وعظ فرمایا کرتے۔ بعد تین برس کے اہل شعب کی سخت تکلیفیں دیکھ کر کفار کے دل بھی پگھل گئے اور اس عرصہ میں عہد نامہ جو خانۂ کعبہ کے دروازے پر لگا ہوا تھا اس کو دیمک کھا گئی صرف ایک نام پاک محمد باقی رہ گیا۔ اس کو دیکھ کر کفار متاثر ہوئے اور سختی اہل شعب پر سے اٹھا دی۔ مگر اس تین برس کی شدید قید و تکلیف نے ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے اوپر اتنا اثر کیا کہ اسی سال ان دونوں کا انتقال ہو گیا اور مسلمانوں میں یہ سال عام الحزن کے نام سے مشہور ہے اب جو حضرت کے سر پر کوئی سرپرست نہ رہا تو کفار نے حضرت کو اور بھی تکلیف دینی شروع کی اور مشہور کر دیا کہ ایک ساحر محمد نام ہمارے یہاں ہے اس کا کلام کوئی نہ سنے۔ یہ دیکھ کر حضرت نے مکہ سے طائف کا سفر اختیار کیا وہاں بھی لوگوں نے حضرت کی بات کو نہ سنا اور پتھر مارے یہاں تک کہ آپ کی پنڈلیاں زخمی ہو گئیں۔ اس وقت بھی حضرت نے اپنے ظلم کرنے والوں کو بد دعا نہ دی بلکہ یہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ہ

طائف سے واپس آنے کے بعد حضرتؐ انہی لوگوں کو وعظ فرماتے رہے جو حج کے لئے باہر سے آیا کرتے اس میں کچھ لوگ مدینے سے بھی آئے تھے انھوں نے حضرتؐ سے بمقام عقبہ بیعت کی

اس لئے یہ عقبہ کی بیعتِ اولیٰ کہلاتی ہے دوسرے سال عقبہ پر ایک کثیر جماعت نے بیعت کی اور مدینہ آنے کی ترغیب دی۔ جب اہل مکہ نے دیکھا کہ اسلام مدینہ تک پہنچ گیا تو ان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور انھوں نے ارادہ کرلیا کہ اب تو محمدؐ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ حضرت کو بھی یہ خبر ہوگئی آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹادیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غارِ ثور میں تین دن تک چھپے رہے بعد اس کے مدینہ تشریف لے گئے اسی سے ہمارا سنہ ہجری گنا جاتا ہے۔ مدینہ میں حضرت نے مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت قائم کی جس کی طرف قرآن میں ان آیات مطہرات سے اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ مدینہ پہنچ کر بھی کفارِ مکہ نے حضرت کی دشمنی سے ہاتھ نہ اٹھایا "بدر" میں تو حضرت کو بڑی فتح ہوئی مگر احد میں مسلمانوں نے شکست کھائی ہندہ نے حضرت حمزہ عم رسولؐ کا کلیجہ چبایا اور خوش ہو کر تالیاں بجاتی اور ناچتی گاتی پھری نحن بنات طارق۔

ان سب آفتوں نے حضرت کی ہمت کو پست نہ کیا مدینہ سے حضرت نے شہنشاہانِ ہفت اقلیم کسریٰ و قیصر، فارس و روم کے بادشاہوں کو اور مصر کے بادشاہ کو اسلام کی دعوت دی :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ من محمد عبد اللّٰه و رسوله الی هرقل عظیم الروم اسلم علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوک بداعیة الاسلام اسلم تسلم یوتک اللّٰه اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الاریسیین یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰه و لا نشرک به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔ محمد رسول اللّٰه

جب ہرقل کو یہ خط ملا اس وقت وہ حمص میں تھا اس نے ایک دربار منعقد کیا جس میں امراو نصاریٰ کے پادری سب جمع ہوئے ابوسفیان جو تجارت کے لئے آیا ہوا تھا اور اس وقت حضرتؐ کے سخت مخالفین اور دشمنوں میں سے تھا وہ بھی بلایا گیا۔ ہرقل نے کل حال پیغمبر عرب کا دریافت کر کے بے ساختہ کہا کہ بے شک پیغمبر برحق ہے جس کی پیشین گوئی ہماری کتابوں میں ہے اور نامہ مبارک کو پڑھوا کر سب کو سنایا اور کہا کہ تم اس پیغمبر برحق کی اطاعت اختیار کرو یہ ترت موضع قدس یہ فرور ایک روز اس ملک کا مالک ہوگا یہ سنتے ہی تمام پادریوں نے اپنی صلیبیں بلند کیں اور ایسے چلائے جیسے جنگلی گدھے چلائیں بخاری میں لکھا ہے کہ:۔

"اس وقت ہرقل نے بات بناتے کی طور پر کہہ دیا کہ میں نے تو تمہارا امتحان کیا تھا"

کسریٰ نے حضرتؐ کے نامہ کو چاک کر کے پھینک دیا اور بقول فردوسی یہ کہا۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

خدا کی قدرت ہے ایک دن کسریٰ و قیصر کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

پھر وہ دن آگیا جس دن تورات و انجیل کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور حضرتؐ دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کو فتح کر کے خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور حضرت علیؓ کو اپنے شانہ پر چڑھا کر کل بت تڑوا ڈالے اور اس آبائی خانۂ خدا کو پھر خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کے لئے مخصوص کر دیا جو تیرہ سو برس سے اس کے لئے مخصوص ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا فتح مکہ کے دن حضور انورؐ نے اپنے کل دشمنوں کو یہاں تک کہ ہندہ تک کو معاف کر دیا

لاتثریب علیکم الیوم - آج تم سے کچھ باز پرس نہ ہوگی

کہتے ہیں کہ اس قسم کا فاتحانہ داخلہ کبھی کسی فوج کا نہیں ہوا نہ ایسا رحم عام کسی فاتح نے مفتوح کو دکھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا آخری حج ادا کیا جس کو حجتہ الوداع کہتے ہیں اور اپنی امت کو اس بات کی نصیحت کی کہ اپنی عورتوں سے اچھا سلوک کریں اور غلام کے ساتھ نیکی کریں۔ اسی وقت یہ فرمان خداوندی نازل ہوا۔ الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی۔

یہ ایک مختصر سا نقشہ حضرت کی پاک زندگی کا آپ لوگوں کے روبرو اس لئے میں نے کھینچا ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کی اشاعت میں ہمارے ہادیٔ برحق نے کس قدر مصائب برداشت کئے ہیں اور کس قدر صعوبات کا سامنا ہوا ہے جب کہیں حضرت کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوئی

یہاں پر میں آپ سے ایک بات بیان کرتی ہوں جو اس ہفتہ کا واقعہ ہے۔ انجمن خواتین اسلام کی دعوت میں ایک بی بی آئی تھیں جو ایک نہایت عمدہ ہاتھ کی کام کی ہوئی ساڑی پہنے ہوئے تھیں میں نے ان سے پوچھا کہ یہ ساڑی نہایت اچھی ہے آپ نے کہاں سے بنوائی انھوں نے کہا یہ میری نانی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے انھوں نے میری ماں کو دی تھی میری ماں نے نہایت حفاظت سے اس کو رکھا اس لئے کہ ان کی ماں کی ہاتھ کی بنی ہوئی تھی اور میں نے بھی جان کے برابر اس کو سمجھا اس لئے اب وہ ہاتھ کہاں سے آئیں گے جنھوں نے اس کو بنایا تھا۔ اس قدر دانی کو غور فرمائیے اور ہمارے حال سے اس کا مقابلہ کیجئے۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

یہاں پر غور فرمائیے کہ کیا کیا مصیبتیں اور تکلیفیں ہمارے پیغمبر برحق نے اسلام کی خاطر نہ برداشت کیں اور

جب باغ اسلام سرسبز ہوا تو ایک وقت اس پر ایسا آیا کہ قریب تھا اس کو بڑا صدمہ پہنچے وہ کوئیں اور نہریں خشک ہو چکی تھیں جن سے اس چمن کی آبیاری ہوئی تھی۔ اس وقت وہ کونسی نہریں تھیں جن کے آب حیات نے اس پژمردہ باغ کو پھر سرسبز کر دیا آیا دجلہ نے اس کو پانی پہنچایا یا فرات نے یقین ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ کس منبع فضل سے اسلام کی کھیتی دوبارہ لہلہا اٹھی۔ آب فرات سے نہیں بلکہ تشنۂ فرات کے خون سے یہ امت دوبارہ جی اٹھی۔

کبھی کسی پیغمبر کے آل واولاد و گھر پر یہ مصیبتیں نازل نہیں ہوئی ہیں جیسے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے اوپر ہوئی ہیں۔ تین پہر میں بمقام کربلا آپ کا کل کنبہ مقتول ہوگیا اور وہ خاتون برگزیدہ .... لے

لے یہ تقریر یہیں تک دستیاب ہوئی ہے

مصنفۂ مسز شلی

والدہ مرحومہ نے اس دلچسپ ناول کا ترجمہ بڑے اچھے اسلوب میں شروع کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ مکمل نہ ہو سکا۔ ان کے مسودات میں صرف چار باب کا ترجمہ ملا ہے جو آئندہ صفحات میں درج ہے۔

شہر جینوا میں

شہر جینوا GENEVA میں ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا نام فرانکن سٹائین FRANKEN STIEN۔
تھا یہ ایک بڑے معزز خاندان کا آدمی تھا۔ اس کے آبا و اجداد اس جمہوری سلطنت میں دار الشوریٰ
کے ذی اقتدار اور ذی عزت رکن رہ چکے تھے خود یہ بھی بہت سے اعلیٰ عہدوں اور معتبر خدمتوں
سے ممتاز تھا اور اس کی دیانت و خیر خواہی مشہور تھی لوگ اس کو بڑی عزت کی نگاہوں سے
دیکھتے تھے۔ اس کی جوانی ملک کی خدمت میں زیادہ تر بسر ہوئی تھی۔ عین شباب میں اس نے
شادی نہ کی۔ جب زوال کے دن آئے تو خیال شادی کا آیا۔ اور خوبیٔ قسمت نے صاحب عیال و
اطفال بنایا۔ اس کی شادی کے واقعہ سے اس شخص کی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے
اس کو بیان کرنا ضرور ہے۔ جس شہر میں فرانکن اسٹین تھا اسی شہر میں ایک بڑا متمول سوداگر
بوفرٹ BEAUFORT نامی رہتا تھا شومئی قسمت سے اس کی تجارت میں ٹوٹا پڑا اور دولت
و حشمت سب خاک میں مل گئی محتاجی کا سامنا ہوا۔ بوفرٹ ایک بڑا ایماندار اور صاحب غیرت آدمی تھا
اس نے جہاں تک ہو سکا قرض خواہوں کو جو کچھ سرمایہ اس کے پاس باقی رہ گیا تھا سب بانٹ دیا
اور خود اپنی اکلوتی بیٹی کارولین CAROLINE کے ساتھ روپوش ہو کر شہر لوسرن LUCERINE

میں بود و باش اختیار کی۔ اس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جس شہر میں ایک رئیس کی طرح سب کی ہمسری اور برابری سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا اس میں فقیر اور محتاج کی حیثیت سے گذارا کرے اور ہم نشینوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو۔ فرانکن اسٹین کو اپنے دوست بوفرٹ کی اس حرکت سے بڑا رنج ہوا اور اس نے حتی الامکان کوشش کی کہ اس کا پتہ لگائے اور اس کی مدد کرکے پھر تجارت کو بڑھائے۔ مگر بوفرٹ نے اپنی بود و باش کی جائے کو ایسا پوشیدہ رکھا تھا اور اپنا نام بھی بدل دیا تھا کہ پتہ لگنا آسان امر نہ تھا۔ دس مہینے کی جستجو کے بعد فرانکن اسٹین کو اپنے دوست کا پتہ لگا۔ اس اثنا میں بوفرٹ جو کچھ بچی ہوئی پونجی اپنے تباہ شدہ مال میں سے ساتھ لایا تھا وہ بھی خرچ ہو چکی تھی۔ بوفرٹ کو یہ خیال تھا کہ اس پونجی سے چند دن بسر اوقات ہوگی بعد اس کے کسی تجارتی کارخانہ میں نوکری ڈھونڈوں گا۔ مگر بدبختی سے تین ہی مہینے گذرے تھے کہ بوفرٹ اپنے حال پریشان کے فکر میں آٹھ پہر رہ رہ کر سخت بیمار پڑ گیا اور اس کی غمزدہ بیٹی کارولین اس کی خدمت گذاری و بیمارداری میں ہمہ تن مصروف ہو گئی۔ ایک اور بڑی مصیبت کا سامنا کارولین کو یہ ہوا کہ جو کچھ نقد اس کا والد ہمراہ لایا تھا وہ بھی ختم ہو چکا۔ بیچاری کارولین کی ہمت مردانہ نے اس کا ساتھ دیا۔ اور اس نے تیمارداری کے ساتھ مزدوری بھی کرنی شروع کی۔ مزدوری پر سلائی کرتی اور چٹائی کی ٹوکریاں بُن بُن کر کچھ پیدا کر لیتی جو صرف بیمار باپ کے سدرمق کو کفایت کرتا اسی طرح کئی مہینے گذرے یہاں تک کہ بدنصیب کارولین کے باپ کی حالت اور بھی بدتر ہوتی گئی اب اس کا کل وقت باپ کی تیمارداری میں صرف ہو جاتا مزدوری کرنے تک کی فرصت نہ ملتی اسی طرح فاقہ اور فقر میں اس کے شفیق باپ نے وہاں آنے کے

ٹھیک دس مہینے کے بعد اپنی پیاری بیٹی کے گود میں دم توڑا اور سرائے فانی سے ملک جاودانی کی طرف منہ موڑا جس وقت بے چاری کارولین پر یہ حادثۂ جانکاہ گذر رہا تھا اور مصیبت کا فلک اس پر ٹوٹ رہا تھا اور یہ اپنے باپ کی لاش گود میں لئے رو رہی تھی فرانکن اسٹین اس آفت کدہ میں جس میں یہ دس مہینے سے مقیم تھی داخل ہوا۔ اور اپنے دوست کی لاش غمزدہ بیٹی کے گود میں دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور رو پیٹ کر اپنے دوست کو دفن کروایا اور اس کی بیٹی کو جنیوا میں لا کر ایک قرابت دار عورت کے گھر میں دو برس کے لئے چھوڑ دیا بعد دو برس کے فرانکن اسٹین نے کارولین سے شادی کر لی۔

کارولین اور فرانکن اسٹین کی عمر میں بڑا فرق تھا مگر اس فرق نے ان کی باہمی الفت کی گرہ کو اور بھی مضبوط کر دیا تھا اور اس کی محبت اپنی بی بی کے ساتھ ایسی نہ تھی جیسے مسن لوگ کمسن بی بیوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور ان کے بس میں آجاتے ہیں۔ اس کی محبت کارولین کے ساتھ صرف اس کی خوبیوں اور نیک خصلتوں پر مبنی تھی اور اس کو ہر وقت بی بی کا دل بہلانے اور خاطر کرنے کا دھیان رہتا تھا۔ جو کچھ مصیبت کارولین پر گذری تھی اس کے خیال کو اس کے دل سے مٹانے اور اس کی صحت کو درست کرنے کے خیال سے شادی کے دو برس آگے ہی سے فرانکن اسٹین کل معاملات سے دست بردار ہو گیا تھا اور اب شادی کے بعد اپنی بیوی کارولین کے دل بہلانے کو اٹلی (ITALY) کے عجائبات دکھانے کے لئے لے گیا۔ اٹلی سے دونوں جرمنی اور فرانس گئے نیپلس NAPLES میں کارولین کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور بچے کو ہمراہ لے کر دونوں میاں بی بی پھر سیر و سیاحت میں مصروف ہو گئے اور کوئی بچہ ایک مدت تک

کارولین کے یہاں نہ ہوا اگرچہ اسے آرزو تھی کہ ایک بیٹی خدا اسے دے۔ جب یہ لڑکا جس کا نام
وکٹر VICTOR رکھا گیا تھا پانچ برس کا ہوا تو ایک دفعہ سب مل کر کومو جھیل LAKE COMO کے
کنارے ایک ہفتے کے لئے گئے۔ یہاں فرانکن سٹین اور اس کی بی بی اکثر غریب و غرباء کے جھونپڑوں
میں جا کر حال احوال پوچھتے اور ان کی مدد کرتے۔ خصوصاً کارولین تو غرباء کی مدد کو فرض سمجھتی تھی
اس کو اپنی حالت ہمیشہ پیش نظر رہتی تھی۔ ایک دفعہ دونوں ایک غریب کے جھونپڑے میں گئے
جہاں کے رہنے والے نہایت فلاکت و مصیبت کی حالت میں تھے اور بہت سے بچے بھی اس کے
تھے نہ تن کو کپڑا تھا نہ پیٹ کو روٹی۔ ایک روز جب فرانکن سٹین میلان (MILAN) کو گیا ہوا تھا
تو کارولین اپنے بچے وکٹر کو لے کر اسی جھونپڑے میں گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بے چارہ غریب دہقان
اور اس کی عورت جن کی کمریں محنت سے جھک گئی تھیں پانچ بھوکے بچوں کو کھانا تقسیم کر رہے تھے
ان میں سے چار تو دہقان کے بچے موٹے بھدے کالی آنکھوں والے معلوم ہوتے تھے مگر پانچویں
لڑکی ان میں کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ یہ لڑکی بڑی خوبصورت دبلی پتلی نازک تھی۔ اس کے
بال سنہری تھے جو اس کے منہ کے گرد ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے جیسے چاند کے گرد ہالا۔
آنکھیں دو نیلوفر کے پھول پیشانی کشادہ ہونٹ نازک جیسے گلاب کی پنکھڑی۔ اس پر
نظر پڑتے ہی صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ کسی معزز خاندان کی ہے۔ دہقان کی عورت نے جب
کارولین کو دیکھا کہ وہ اس لڑکی کی طرف تعجب کی لگاہوں سے دیکھ رہی ہے تو جلدی
سے.......... کہنے لگی بی بی یہ لڑکی ہماری نہیں ہے یہ میلان کے ایک امیر کی
لڑکی ہے۔ اس کی ماں جرمنی کی تھی۔ اس کی پیدائش کے وقت فوت ہو گئی باپ نے بچی کو

ہارے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت ہماری شادی کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اور ہمارا ایک ہی
بچہ تھا۔ اس لڑکی کا والد اٹلی کو آزادی دلانے کی خواہش میں مبتلا تھا اور اس جرم پر آسٹریا
(AUSTRIA) کے قید خانہ میں رکھا گیا پھر وہاں مر گیا یا جیا ہے کچھ حال نہ کھلا اور اس کی
ل جائداد ضبط ہوگئی اور اس کی یہ لڑکی غریب جب سے ہمارے ساتھ ہے۔ کارولین نے اس
ورت سے لڑکی کو مانگ لیا وہ عورت اگرچہ لڑکی سے بہت مانوس تھی مگر دینے پر راضی ہوگئی۔
س خیال سے کہ لڑکی کے لئے بہتری ہوگی۔ لڑکی کے گھر لے جانے کے ایک دن آگے کارولین
نے اپنے بیٹے وکٹر سے کہا میں تمہارے لئے ایک نادر تحفہ لائی ہوں کل تم کو دوں گی۔ دوسرے روز
جب کارولین نے لڑکی کو لاکر اپنے بیٹے وکٹر کے سامنے کھڑا کر دیا تو وہ مارے خوشی کے پھولوں
سمایا اور اس کا عاشق زار ہوگیا وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ میری ہی ملک ہے جو کوئی اس کی تعریف
رتا تو یہ بہت خوش ہوتا اور سمجھتا کہ اسی کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔

جب فرانکن اسٹین میلان سے واپس آیا تو اس نے اپنے بیٹے وکٹر کے ساتھ کھیلتے
ہوئے اس حور کو دیکھا جس کا نام الزبتھ (ELISABETH) تھا اسے دیکھ کر تعجب ہوا۔ پھر
کارولین نے اپنے شوہر سے لڑکی کا سارا حال بیان کیا۔

دوسرا باب

الزبتھ اور وکٹر ساتھ ہی پڑھتے تھے ان دونوں کے سِن میں ایک برس سے کبھی کچھ
م فرق تھا۔ مگر باہم بڑے میل جول سے رہتے کبھی لڑائی جھگڑا دونوں میں نہ ہوتا۔ اگرچہ الزبتھ
ر وکٹر کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ مگر یہ فرق ان دونوں میں زیادہ تر میل کا باعث تھا نہ کہ
اتفاقی کا۔ الزبتھ نہایت سنجیدہ اور بردبار طبیعت رکھتی تھی اور وکٹر نہایت شوخ و چالاک تھا
س پر بھی محبت کا سچا اور تحصیلِ علم میں ضرورت سے زیادہ سرگرم تھا۔ الزبتھ شاعروں کی
ز خیالی و بلند پروازی پر محو تھی اور ان کے کلام کے مطالعہ میں زیادہ تر مصروف رہتی۔
سوئیزرلینڈ کے سے خوش فضا شہر میں جہاں یہ لوگ رہتے تھے الزبتھ کے واسطے
ے بڑا دل کا بہلاوا تھا کبھی طوفان کبھی سنسان جاڑوں کا ہو حق ہُو کا عالم اور گرمیوں کی
و بدل اور ان کے مکان کے اطراف و جوانب کا حسین و خوشنما منظر اس کے لئے ہمیشہ ایک
ش نظارا تھا۔ برعکس وکٹر کے کہ اس کو ہمیشہ ہر شے کی اصلیت دریافت کرنے کی فکر رہتی اور
بیعیات کے پڑھنے اور رموزِ فطرت کے معلوم ہونے سے اسے انتہا کی خوشی ہوتی اور فطرت
حالات کو دیکھ دیکھ کر اس کو بڑا تعجب ہوتا اور یہ خواہش ہوتی کہ کاش اس کے سب راز
کو معلوم ہو جائیں۔

جب وکٹر پورے سات برس کا ہوا تو کارولین کے یہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا
ارنسٹ ERNEST رکھا گیا اس بیٹے کے ہونے سے کارولین اور اس کے شوہر نے شہر بہ شہر

پھر نا ترک کر دیا اور اپنے وطن جینوا میں بود و باش پھر اختیار کر لی۔ جینوا میں ان کا ایک ذاتی مکان تھا۔ اور ایک بلریو BELRIVE میں جھیل کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ زیادہ تر اس میں رہتے کیونکہ شہر سے وہ دور تھا اور تنہائی کے دونوں میاں بی بی عادی ہو گئے تھے۔ یہاں مقیم ہونے کے کئی برس بعد کارولین کے یہاں ایک بیٹا اور ہوا جس کا نام ولیم رکھا گیا۔

وکٹر جب اسکول بھیجا گیا تو اس سے اور ہنری کلیروال (HENRY CLERVAL) جینوا کے ایک سوداگر کے بیٹے سے بڑی دوستی ہو گئی۔ وکٹر تنہا رہتے رہتے جلد لوگوں سے مانوس ہو جانے کا عادی نہ تھا۔ اس لئے اتنے لڑکوں میں صرف کلیروال CLERVAL ہی سے اس سے رابطۂ محبت پیدا ہوا اور روز بروز ان دونوں میں اتحاد بڑھتا گیا۔ کلیروال بڑا طبیعت دار لڑکا تھا اور ذہنِ رسا رکھتا تھا ہر معاملے میں پل پڑنے کو تیار رہتا تھا۔ اس کی دلیری اور شجاعت کے آگے کوئی کام اہم نہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اگلے زمانہ کے اولوالعزم لوگوں کا حال قصوں میں بہت پڑھا تھا اس لئے خود بھی ویسا ہی بننا چاہتا تھا۔ یہ اکثر رزمیہ قصیدے لکھا کرتا اور ان کی اولوالعزمیوں کے قصے اپنے دل سے بھی بناتا اور اکثر وکٹر کے ساتھ وکٹر کے گھر آتا۔ الزبتھ اور وکٹر اور آپ مل کر کنگ آرتھر ARTHUR اور ان کے امرا اور جنگ صلیب کے سپاہیوں کی نقل کرتا اور ناٹک بناتا۔ غرض کسی کا بچپن اس خوشی و مسرت و راحت و آرام سے کم گزرا ہو گا جیسا وکٹر اور الزبتھ کا گزرا تھا۔ ان کے ماں باپ ان کی خوشی اور خاطر ہمیشہ منظورِ نظر رکھتے۔ اور ماں باپ کی طرح سختی ان پر نہ کرتے اور معصوموں کو اپنے توہمات پر چلا کر اذیت نہ دیتے بلکہ ہر وقت ان کی خوشی کی فکر میں رہتے اور بچوں کے والدین کو دیکھ کر وکٹر اور الزبتھ اور بھی اپنے والدین کی قدر کرتے

اوران کی محبت اور عنایت کو سمجھتے اوران کے احسان مند ہو کر اور بھی ان کو زیادہ چاہتے۔
وکٹر کی پُرجوش طبیعت علم ادب صرف نحو علوم سیاست وتمدن کی طرف رجوع نہ تھی بلکہ زمین اور آسمان کے سربستہ رازوں کے انکشاف کا اس کو دھیان لگا رہتا اور فلسفہ وطبیعیات میں اس کا جی لگتا اوراس کی تحصیل میں یہ ہمیشہ مشغول و سرگرم رہتا کلیبر وال وکٹر کے دوست کا مذاق تاریخ اور سوانح عمری وغیرہ کے طرف مائل تھا اوراس کی آرزو تھی کہ ملک کے دلیر لوگوں میں جن کی اولوالعزمی سے ملک کو فائدہ پہونچا ہے اس کا نام بھی لکھا جائے۔ الزبتھ کی پاکیزہ اور فرشتہ خو طبیعت کا نور گھر میں ایک گوہر شب چراغ کی طرح چمکتا تھا اور وہ ہمیشہ سب کی ہمدرد تھی اس کی خندہ روئی اس کی نرم آواز اس کی میٹھی نظر ہمیشہ ابر رحمت کی طرح سایہ افگن تھی اور دونوں لڑکوں کے ارادوں اور حوصلوں کو بلند رکھتی۔ الزبتھ گویا خود محبت کی جان تھی اور سب کو بھی نرم دل اور صاحب محبت بنالیتی۔ اسی کی بدولت وکٹر کی افسردہ طبیعت جو زیادہ محنت کی وجہ سے رکھائی اور ترشروئی کے طرف مائل تھی ہمیشہ محبت کی خوگر اور ملنسار رہی اور اسی کے پرتو نے کلیبر وال کی بلند پرواز طبیعت پر اپنا اثر ڈالا جو اپنی بلند پردازی میں خدا جانے کہاں تک بھٹک گیا ہوتا۔ اگر الزبتھ اس کو سچائی اور نیکی کا گرویدہ نہ بناتی اوراس کو یہ خیال نہ دلاتی کہ نیکی کل خوبیوں کی اصل ہے۔
وکٹر جب تیرہ برس کا تھا تو اس کے ماں باپ اور الزبتھ سب مل کر تھونان (THONON) کے باتھس (BAThS) کو ایک روز سیر کے لئے گئے مگر وہاں پانی اور طوفان سے ایسا گھبرا کہ جس سرا میں اترے تھے وہیں مقید ہو کر رہنا پڑا۔ اس سرا میں وکٹر کو ایک کتاب کرنیلیس اگرپا

(CORNELIUS AGRIPPA) اکی ملی ۔ اُس کتاب کا وکٹر کے ہاتھ آنا گویا ایک تقدیری امر تھا جس نے اس کی زندگی کو تلاطم میں ڈال دیا اور یہ اُس دردناک فسانہ کی پہلی بنا ہے۔

وکٹر نے پہلے تو یقیناً اس کتاب کے اوراق کو اِدھر اُدھر سے الٹا مگر تھوڑی ہی دیر میں مضمون کو دلچسپ اور حسب دلخواہ پاکر اس کے مطالعہ میں غرق ہو گیا۔ کرنیلیس اگرپا نے جو عجیب باتیں اس میں بیان کی تھیں وکٹر کے دل میں چبھ گئیں اور ایک نئی امید کی روشنی اس کے دل میں جھلملانے لگی اور خوشی کے مارے کودتا پھاندتا کتاب ہاتھ میں لئے باپ کے پاس گیا اور خوشی خوشی وہ کتاب اس کو دکھانے لگا۔ وکٹر کے والد نے کتاب کا نام پڑھ کر کہا "ہاں یہ تو کرنیلیس اگرپا ہے پیارے بیٹے اس کے دیکھنے سے اپنے اوقات نہ خراب کرو یہ خرافات ہے

اگر اس سرسری ایک بات کے کہہ دینے کے عوض میں وکٹر کے والد اپنے بیٹے سے مفصل بیان کر دیتے کہ یہ خیالات اب بالکل ناکارہ ثابت ہو چکے ہیں اور ایک نیا طریقہ سائنس میں ایجاد کیا گیا ہے اس میں بہت زیادہ استحکام ہے بہ نسبت پرانے طریقے کے جو صرف خیالی پلاؤ تھا اور توہمات پر مبنی تھا تو شاید وکٹر کا خیال اس طرف سے پھر جاتا اور اگرپا کو وہ پھینک دیتا اور موجودہ علوم جدیدہ کی طرف توجہ کرتا۔ مگر اس سرسری گفتگو سے وکٹر کو یہ ہرگز یقین نہ ہوا کہ یہ کتاب اس کے والد کے مطالعہ میں آچکی ہے اور اس لئے اس نے یہ نصیحت کی ، بلکہ وکٹر یہ سمجھا کہ سوائے اس کے بہت کم لوگوں کے ہاتھ یہ نعمتِ غیر مترقبہ لگی ہوگی اور اس کے ہر حرف کو راست بےکم وکاست سمجھ کر پڑھتا چلا گیا۔ اور جب سب لوگ گھر واپس آئے تو وکٹر نے پہلا کام یہ کیا کہ اس مصنف کی کل تصنیفات کو جستجو کرکے پیدا کیا اور سب کو دیکھ ڈالا

اور پھر پراسلیس PARACEILLUS اور البرٹ اگنس ALBURT MAGNUS کی کتابیں بھی پڑھیں اس کا دل ان مصنفوں کے خیالی پلاؤ سے باغ باغ ہو گیا دل میں سمجھا کہ اک نادر چیز اس کے ہاتھ لگی اور گھر بیٹھے مراد ہاتھ آئی ۔ وکٹر کے دل میں یہ ہوس بچپن سے سمائی ہوئی تھی کہ عالم طبعی یعنی فطرت کے سربستہ رازوں کو دریافت کرے اس لیے اپنے زمانہ کے عالموں کی تصنیفوں سے اسے کبھی تشفی نہ ہوتی تھی ۔ جب یہ سر آئزک نیوٹن (SIR ISAAC NEWTON) کے سے عالموں کے قول پر غور کرتا کہ جنھوں نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ میں اپنے کو مثل ایک بچے کے سمجھتا ہوں جو علم کے دریائے ذخار کے کنارے گھونگے چن رہا ہو تو اس کو اور ان کے بعد کے سب علماء بھی ایسے ہی کودکِ ناداں نظر آنے لگے اور ان کی علمی جستجو کو یہ یہی سمجھتا کہ عبث اور ہیچ ہے اور یہ بھی علم کے دریائے ذخار کے کنارے کے گھونگے چننے والوں میں سے ہیں ۔ اور یہ خیال کرتا کہ ان پڑھ دہقان بھی آب و باد و آتش کو دیکھتا ہے اور ان کی تاثیروں سے واقف ہے ۔ اور بڑے بڑے فلاسفہ بھی بس اسی قدر جانتے ہیں اور فطرت کا روئے زیبا جو سات نقابوں میں چھپا ہوا ہے اس میں سے یہ مبتدی فلسفہ میں سے صرف ایک یا دو ہی نقابیں اولٹنے پائے ہیں ۔ اور اس کی اصلی صورت کا ان کو ابھی تک اندازہ بھی نہیں ہوا ۔ ہرچند وہ تشریح و تفریق کریں اور اجزا کو جدا کریں اور بڑے بڑے نام رکھیں مگر درحقیقت وہ ابھی تک اسباب تغیر و تبدل جو حیوانات نباتات و جمادات وغیرہ میں پائے جاتے ہیں اس کی تہ کو نہیں پہونچے ۔ اور اصل اصول اور وجہ موجبہ ابھی تک ان کے احاطۂ ادراک سے بہت دور ہے ۔ ان مشکلات پر غور کرکے اور ان دقتوں کے پہاڑوں اور دشواریوں کو جو انسان کی دانست میں فطرت کے قلعہ میں داخل ہونے کے

سدِ راہ و مانع ہیں دیکھ دیکھ کر وکٹر سر پٹکتا اور مصمم ارادہ کرتا کہ کسی نہ کسی طرح سے اس طلسم کو توڑ دوں گا
اگریپا پاراسلیس اور البرٹس ماگنس کو پڑھ کر خیال کرتا کہ بے شک وہ لوگ اس زمانہ کے فلاسفہ سے زیادہ
جانتے تھے اور عالم طبعی یعنے فطرت کے رازوں سے زیادہ تر واقف تھے۔ جو کچھ ان کی کتابوں میں
پڑھتا سب کو ممکنات سے سمجھتا اور اپنے کو انہی کا پیرو تصور کرتا۔ اس بات سے لوگوں کو تعجب
ہوگا کہ اٹھارویں صدی میں لوگ اگریپا کے سے گرو کے چیلے ہوں مگر وکٹر بچہ تھا اور اس کے باپ
کو سائنس میں دخل نہ تھا کہ بیٹے کو سکھاتا اس لئے وہ جو کتابیں ہاتھ آتیں پڑھ پڑھ کر ان کا گرویدہ
ہو جاتا۔ اور مدرسے میں بھی ابھی تک اس کو صرف معمولی علوم سکھائے جاتے تھے اس لئے مدرسہ
کے استاد بھی اس کو راہِ راست نہ بتا سکے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے وکٹر کے دل میں پارس کا
پتھر پیدا کرنے اور اس کی جستجو میں وقت صرف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر اس کے مزاج میں زیادہ
حرص مال و متاعِ دنیوی کی نہ تھی بہت جلد اس کو چھوڑ کر آبِ حیات کی فکر میں پڑا اور یہ خیال
اس کو آٹھ پہر رہنے لگا کہ اگر میں آبِ حیات کو پا جاؤں اور علم کے زور سے اس راز کو پہونچ سکوں تو
اپنے ابنائے جنس کو کتنا فائدہ پہونچا سکوں گا۔ اس وقت تو اہلِ دنیا کل امراض سے بچ جائیں گے
اور ہمیشہ جئیں گے۔ کوئی نہ مرے گا جب تک کہ مار نہ ڈالا جائے۔

نہ صرف آبِ حیات کی فکر میں وکٹر کو شب و روز گھیری ہوئی تھیں بلکہ یہ بھی اس کی
تمنا تھی کہ ارواح و شیاطین کو جب چاہے بلا سکے اور یہ سب باتیں جو کتابوں میں پڑھتا رہتا تھا
اور ان میں ممکنات سے بتائی گئی تھیں یہ انہی پر دل و جان سے عمل کرتا اور اسی طریقہ سے ارواح
شیاطین کے بلانے کی فکر میں رہتا مگر ہمیشہ ناکامیابی ہوتی۔ یہ سمجھتا کہ یہ صرف اس کی اپنی

غلطی کا نتیجہ ہے اور اپنے دل میں سمجھتا کہ میں نے کوئی جزئی امر ضرور چھوڑ دیا ہوگا اور ہرگز اس کو یہ خیال نہ آتا کہ ان سب باتوں کو اس زمانہ کی روشنی نے معدوم ثابت کر دیا ہے۔

جس وقت وکٹر پندرہ برس کا تھا اور اپنے سارے خاندان کے ساتھ بلریو BELRIVE میں مقیم تھا تو ایک روز طوفان آیا۔ آسمان کے چاروں طرف سے ابر اٹھا اور کالی گھٹا چھا گئی خوب بجلی کڑکی اور پانی برسا۔ وکٹر تو ایسی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہی تھا دروازے پر جا کھڑا ہوا اور تماشا دیکھا کیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ سامنے بیس قدم کے فاصلہ پر جو ایک بڑا شاہ بلوط (OAK) کا درخت تھا اس میں ایک شعلہ اٹھا شعلہ کے بجھتے ہی درخت غائب ہو گیا اور سوائے ایک جلی ہوئی ٹھوٹھ کے کچھ نہ رہا۔ صبح کو سب نے جا کر جلے ہوئے درخت کا تماشا دیکھا تو صرف جلے ہوئے چند ریشے لکڑی کے نظر آئے وکٹر کو اس بات سے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے پہلے کبھی کسی چیز پر بجلی گرتے نہیں دیکھی تھی۔ اس موقع پر ایک شخص جو نیچر اور فلسفہ کا ماہر تھا ان کے ہاں مہمان تھا۔ اس نے برقی تاثیرات نہایت خوبی کے ساتھ سب کے سامنے بیان کئے جس کے سننے سے وکٹر کو بڑا تعجب ہوا اور اس کی نظروں سے کرنیلیس اگریپا، البرٹس ماگنس اور پیاراسلیس گر گئے مگر اس کے ساتھ ہی اس کا دل سائنس کی طرف سے بھی ہٹ گیا۔ اس نے خیال کیا کہ سائنس ایک بے کار چیز ہے اس سے کچھ حاصل نہیں اس کے سیکھنے والے کبھی اصل کو نہیں پہنچتے اور اس نے اپنا دل علم ریاضی کی طرف لگانا شروع کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ سب علوم میں علم ریاضی البتہ ایک قابل قدر علم ہے کہ اس کی بنیاد مستحکم ہے۔

انسان کا نفس اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے خیال کے بال برابر تغیرو

تبدل سے تمام عمر کی راحت یا تمام عمر کی مصیبت کی بنا پڑ جاتی ہے۔ یہ ارادہ کی تبدیلی اور وکٹر کا اپنے اصل شوق سے یعنے سائنس اور طبیعیات سے منحرف و بد دل ہو کر ریاضی کی طرف راغب ہونا گویا اس کے رہنما اور نیکی کے فرشتے کی اخیر کوشش تھی کہ اس کو تمام عمر کی مصیبت و آفت سے بچالے اور اس طوفان بلا خیز کو جو آسمان پر اس کے نحوست طالع نے برپا کر رکھا تھا پراگندہ کر دے اور اس پرانے خیال کی پیروی چھوڑنے سے جو وکٹر کے چہرہ پر بحالی سی آگئی اور دل میں اطمینان اور خوشی پیدا ہوئی یہ گویا اک سبق تھا جس سے یہ سکھانا مقصود تھا کہ ان پیچیدہ خیالوں سے اور راز دہر کے دریافت کی لاحاصل محنت و پریشانی سے ریاضی کی طرف رغبت کرنا بہتر تھا۔ اگرچہ وکٹر کے بچانے کے لئے نیکی کے فرشتے کی یہ ایک آخری اور پُر زور کوشش تھی۔ مگر کیا ہو سکتا تھا کاتبِ تقدیر نے اور ہی کچھ لکھ چکا تھا۔ اس کا مٹنا کہاں ممکن تھا۔
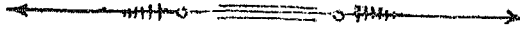
تیسرا باب

جب وکٹر سترہ برس کا ہوا تو اس کے والد نے ارادہ کیا کہ اسس کو انگوسٹاٹ
ای یونیورسٹی UNIVERSITY OF INGOLSTADT میں بھجوائے تاکہ اپنے شہر کے علاوہ اور شہروں
کے قواعد سے بھی وقفیت حاصل کرلے اور روانگی کی تاریخ بھی جلدی سے مقرر کردی گئی مگر تاریخ
نے کے پیشتر ایک بڑی مصیبت بے چارے وکٹر پر پڑی - یہ گویا کہ بہت ہی بُرا شگون ہوا
س سے اس سفر کے انجام بد کی پیش بینی ہوتی تھی الزبتھ کو SCARLET FEVER ہوگیا - کارولین
ٹر کی والدہ الزبتھ کی خدمت اور تیمارداری کرنے لگی مگر میاں اور بیٹے کے سمجھانے سے کہ یہ بخار
ہایت متعدی ہے کچھ دن باز رہی - مگر جب لڑکی کی حالت جس کو بیٹی سے زیادہ عزیز رکھتی
ھی ابتر ہونے لگی تو پھر اس کو تاب نہ رہی اور اپنی جان پر کھیل کر اس کی تیمارداری پھر
شروع کردی - تھوڑے دنوں میں کارولین کی تیمارداری اور توجہ سے الزبتھ کو تو صحت کلی
حاصل ہوگئی - مگر وہ خود بے چاری الزبتھ کے شفا پانے کے تیسرے ہی دن اسی مرض مہلک میں
مبتلا ہوگئی - اور اول ہی دن سے ڈاکٹر نے مایوسی ظاہر کی - مرنے کے پہلے اس نے وکٹر اور
لزبتھ کو بلا کر دونوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا "میری آرزو تھی کہ تم دونوں کو دلہا دلہن بنا
یکھتی اور تمہاری شادی سے اپنی خانہ آبادی کرتی لیکن میری قسمت میں خوشی دیکھنا بدا نہ تھا میں
م کو چھوڑے جاتی ہوں اور مجھے تمہاری الفت اور محبت سے تمہاری جدائی ناگوار ہے مگر مشیت ایزدی
سے چارہ نہیں مجھے اسس کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے اور ایسے وقت مایوسی کے عوض تم

سب سے دوسرے عالم میں ملنے کی امید پر قانع رہنا چاہیئے"۔ پھر وکٹر کی طرف متوجہ ہو کر کہا "خبردار میری اس نصیحت کو دل سے نہ بھلانا اور الزبتھ کے ساتھ شادی کر کے اپنے باپ کے دل کو خوش کرنا" اور پھر الزبتھ سے کہنے لگی "بیٹی میرے بچوں کے ساتھ ہمیشہ شغف اور ہمدردی سے پیش آنا اور میری طرح ان کی خبر گیری کرتی رہنا"۔ یہ کہہ کر کارولین نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی پاکیزہ روح عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف پرواز کر گئی۔ مرنے کے بعد بھی اس کے چہرہ سے محبت اور نیکی کے آثار نمایاں تھے۔

وکٹر کا یونیورسٹی جانا اس حادثہ کی وجہ سے رک گیا تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کے والد نے پھر جانے کی تیاری شروع کی مگر وکٹر نے کئی ہفتہ اور رہنے کی اجازت چاہی اس لئے کہ اس کو اتنی جلد اپنی والدہ کے انتقال کے بعد گھر چھوڑنا اچھا نہ معلوم ہوا اپنے باقی ماندہ عزیزوں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کو الزبتھ کے دل بہلانے کا خیال تھا۔

الزبتھ اپنے غم والم کو حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ کرتی اور سارے گھر کی غمخواری کرتی اور سب کے دل بہلانے کی فکر میں رہتی اور گھر بار کا سب کاروبار پورا کرتی۔ وکٹر کے والد کو یہ چچا کہا کرتی تھی اور بچوں کو بھائی کہتی تھی۔ اور ان کی ہمدردی و غمخواری سگی بھتیجی اور بہن سے بھی بڑھ کر کرتی تھی اور ان کے سامنے اپنے چہرہ کو بشاش رکھتی تھی اور اپنے غم کو ان سے چھپاتی تھی۔ اس سبب سے ان دنوں الزبتھ کا حسن دلفریب اور بھی بڑھ گیا تھا اور وہ ہمیشہ سے بھی زیادہ اچھی معلوم ہوتی تھی وکٹر کو اس کے خیال نے قدم گھر سے باہر رکھنے کی اجازت نہ دی۔

آخر جب کئی ہفتے گذر گئے اور پھر وکٹر کی روانگی کی تاریخ مقرر ہوئی تو کلیہ وال اخیر روز

پنے دلی دوست کے ساتھ بسر کرنے کو آیا - کلیروال نے بھی اپنے والد سے بہت بہت کہا کہ
ں کو بھی وکٹر کے ساتھ جانے دے مگر وہ ایک کوتاہ نظر تاجر تھا - اپنے بیٹے کے اعلیٰ خیالوں کو
ہی تباہی خیال کرتا تھا - کسی طرح جانے کی اجازت نہ دی - کلیروال بہت رنجیدہ ہوا مگر اس کے
رہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے ارادہ سے کسی طرح نہ رکے گا - اور تجارت کی چھوٹی چھوٹی ادنیٰ ادنیٰ
ں میں اپنی اوقات نہ خراب کرے گا - وکٹر اور کلیروال دونوں دیر تک بیٹھے رہے اور ادھر ادھر کی
ں کرتے رہے - خدا حافظ کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی اور دونوں اپنے اپنے دل کے قلق
یک دوسرے سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے - آخر کو سونے کا وقت آگیا اور دونوں اپنی اپنی
بگاہ میں اٹھ کر چلے گئے - صبح کو تڑکے جب وکٹر گاڑی میں سوار ہو رہا تھا سب اس کے گرد
ہو گئے - . . . . اس کے والد نے اس کو دعائے خیر دے کر رخصت کیا -
روال بھی موجود تھا اور اپنے دوست سے ہاتھ ملایا - اور الزبتھ ساتھ ساتھ گاڑی تک
خط لکھنے کی تاکید کرتی گئی - گاڑی میں بیٹھنے کے وقت تک اس کے آرام کے سامان کی
بھال کرتی رہی آخر کو گاڑی تک گئی - وکٹر روانہ ہوتے وقت بہت افسردہ خاطر تھا مگر
ے دور نکل گیا تو پھر اس کا خیال دوسری طرف رجوع ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں تو
و کرتا تھا کہ ایسی جگہ پہنچوں جہاں نام پیدا کروں اور اب جو آرزو پوری ہوئی تو پھر افسوس کرتا
- دو روز سفر کرنے کے بعد منزلِ مقصود پر پہنچا - رہنے کے لئے اس کی جگہ اس کو دکھا دی گئی
رات اس نے آرام لیا صبح ہوتے ہی تعارفی کئی ایک خط لے کر پروفیسر کریمپ KREMPE
س گیا - یا یوں کہنا چاہئے کہ شومئی قسمت جو باپ کا گھر خود عاد کر رہا چھوڑنے کے وقت سے

اس کے ہمراہ تھی وہی اس کو پروفیسر کرمپ کے پاس لے گئی جو علم طبیعیات کے پروفیسر تھے یہ شخص ایک بھدا سا کم رو آدمی تھا مگر اپنے فن کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے وکٹر سے پوچھا تم نے کون کون سی کتابیں نیچرل فلاسفی کی پڑھی ہیں۔ وکٹر نے کہا کہ میں نے کرنیلیس اگرپا اور پیرا اسیلس وغیرہ پڑھی ہیں۔ یہ سن کر پروفیسر کرمپ کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگا میاں تم کس جنگل بیابان میں آج رہا کئے جو کرنیلیس اگرپا پڑھنے میں تم نے اپنا وقت بے کار خراب کیا وہ کیمیا بنانے والے اس زمانے میں شعبدہ باز سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تو کوئی ہزار برس کے پرانے مصنف ہیں مجھے کبھی امید نہ تھی کہ اس زمانے میں البرٹس میگنس (ĀLBERTUS MAGNUS) اور پیرا اسیلس کا کوئی پیرو ملے۔ تم کو پھر نئے سرے سے پڑھنا شروع کرنا پڑے گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی میز کے پاس گیا اور کتابوں کی ایک فہرست لکھ کر وکٹر کو دے دی اور کہا یہ کتابیں ضروری ہیں تم ان کو فوراً خرید لو۔ اس کے بعد اس نے وکٹر کو رخصت کیا اور جاتے وقت کہہ دیا اگلے ہفتے کے شروع سے ایک دن میں طبیعیات پر لکچر دوں گا اور ایک روز پروفیسر والڈمان (WALD MAN) کمسٹری پر لکچر دیں گے۔

وکٹر پروفیسر کی ملاقات کے بعد اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اگرچہ پروفیسر کرمپ کے ان مصنفوں کو برا کہنے سے جن کا یہ معتقد تھا اس پر کچھ اثر نہ ہوا تاہم اس کو برا معلوم ہوا۔ اس لئے کہ یہ جانتا تھا کہ جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اس پر اس زمانہ والوں کا اعتقاد تھا اور اس کو غیر ممکن ثابت کرنے کی وہ کوشش کرتے تھے۔ مگر علوم مبتدیہ کی کچھ حقیقت اس کی نگاہوں میں نہ تھی۔ یہ خیال کرتا تھا کہ اگلے زمانے کے لوگوں کے خیالات غلط بھی ہوں پھر بھی ان کے حوصلے بہت بلند تھے اور حیات جاوید و دولت لازوال کے متفحص تھے برعکس اس زمانے کے

فلاسفہ PHILOSOPHERS کے کہ وہ صرف پرانے زمانے کے لوگوں کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اوران کے حوصلے اسی پر محدود ہیں ۔ اسس بلند پروازی سے اس بادیہ پیمائی پر آنا اس کو گوارا نہ تھا اوراسس کا دل بالکل علوم جدیدہ سے ہٹ گیا تھا ۔ کئی دن تک یونیورسٹی میں پہونچنے کے بعد یہ ادھرادھراس جگہ کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے پھرا کیا مگرجب دوسرا ہفتہ شروع ہوا تواسس کو پروفیسر کرمپ کا کہنا یاد آیا کہ ایک دن وہ اور ایک دن پروفیسر والڈمان لکچر دیں گے ۔ ان کے لکچر میں جانے کو تو اس کا جی نہ چاہا مگر اس خیال سے کہ دیکھیں پروفیسر والڈمان کس قسم کے آدمی ہیں ۔ یہ ان کا لکچر سننے گیا یہ شخص اپنے ساتھی سے بالکل مختلف قسم کا آدمی تھا ۔ کوئی پچاس برس کا اس کا سن معلوم ہوتا تھا سامنے کچھ بال سفید تھے مگر پیچھے کے سب بال اب تک سیاہ تھے قد چھوٹا مگر سڈول کمر میں خم نہ تھا سیدھا کھڑا ہوتا تھا چہرے سے نیکی اور خوش مزاجی پائی جاتی تھی اس کی آواز نہایت لطیف اور شیریں تھی ۔ اس نے لکچر میں پہلے کمسٹری کی ابتدائی حالت چند لفظوں میں بیان کی اوران لوگوں کے نام جنھوں نے اس سائنس میں نئے نئے ایجاد و اجتہاد کئے تھے بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ لیا ۔ پھر انھوں نے جدید کمسٹری کی حالت بھی مختصر طور پر بیان کردی اوراس کے چند اصطلاحات بتائے پھر کچھ ابتدائی امتحانات اوراس کے بعد ایک بہت بڑا فصیح و بلیغ خطبہ اس پروفیسر نے کمسٹری کی تعریف میں پڑھا جس کی فصاحت و بلاغت وکٹر کے دلنشین ہوگئی ۔ اس نے بیان کیا کہ اگلے لوگوں میں جو اس علم کے سکھانے والے گزرے وہ بڑے بڑے حوصلے رکھتے تھے اور بہت بڑے بڑے وعدے

آب حیات کے تلاش کرنے اور پارس کا پتھر ڈھونڈنے اور کیمیا بنانے کا کرتے تھے۔ مگر فی الحقیقت یہ کچھ نہ کر سکے۔ برعکس اس زمانے والوں کے کہ جن کے دماغ آسمان پر آب حیات اڑا لانے کی فکر میں پراگندہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاتھ خس و خاشاک و خاک و خون میں آلودہ رہتے ہیں اور ان کی آنکھیں میکرا اسکوپ MICROSCOPE (خردبین) پر اور دوسرے آلات کسٹری پر لگے رہتے ہیں مگر انھوں نے وہ معجزے کر دکھائے ہیں کہ اگلے لوگوں کے قیاس و گمان میں بھی کبھی نہ آئے تھے، اور عالم طبعی یعنی فطرت کے بڑے بڑے رازوں تک پہنچ گئے ہیں، اور بتا سکتے ہیں کہ کیونکر وہ اپنا کام کرتے ہیں اور وہ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور نظام شمسی کے دوران سے لے کر خون کے دوران تک کا کامل حال ان کو معلوم ہے۔ اور ہوا جس سے ہم سانس لیتے ہیں اس کے اجزا کیا ہیں اور وہ کیونکر جدا ہو سکتے ہیں یہ سب ان کے ادراک کے دائرہ میں آچکا ہے۔ ان کا غلبہ فطرت پر بے انتہا ہے یہ بجلی گرجا سکتے ہیں، پانی برسا سکتے ہیں اور زلزلہ لا سکتے ہیں غرض کہ نیچر کی نقل کر کے اس کا عکس اتار کر اس کے سامنے کھڑا کر دے سکتے ہیں۔

یہ پروفیسر کے الفاظ نہ تھے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہاتف غیبی کی ندا تھی اور قسمت کا دکھڑا تھا جو وکٹر کی بربادی لکھ گئی تھی اس مقناطیسی آواز نے اس کے دل کے قفل سر اسر کھول دیئے اور وکٹر فرانکن اسٹین کی روح پکار اٹھی کہ اس قدر تو ہو چکا ہے اور لوگ کر چکے ہیں لیکن دیکھنا میں کیا کر کے دکھاتی ہوں اور دنیا کی نگاہوں سے ان اسرار تمیز راز دہر کا پردہ اٹھا دوں گی جو آج تک آدمی کے امکان سے باہر شمار کئے جاتے تھے۔

اس رات کو وکٹر کے دماغ میں ان نئے خیالوں نے وہ شورشیں مچائیں کہ رات بھر

...یٹیا رہا کسی طرح نیند نہ آتی تھی مگر پھر آنکھ لگ گئی اور صبح کو جب بیدار ہوا تو رات کی باتیں سب
...اب و خیال نظر آنے لگیں۔ صرف ایک خیال اس کے دل میں باقی رہ گیا کہ علم طبیعیات
...طرف جس میں خدا نے خاص ملکہ اسے دیا تھا رجوع ہو اور اس میں کمال حاصل کرے۔
...س دن شام کو یہ پروفیسر والڈمان کی ملاقات کو گیا۔ گھر پر تو والڈمان اور بھی اچھی طرح اور
...ے اخلاق سے اس سے ملا۔ لیکچر دیتے وقت جو متانت اس کے چہرہ پر تھی وہ اب ملنساری
...ے بدل گئی تھی۔ وکٹر نے والڈمان سے بھی اپنے مطالعہ کا حال بیان کیا۔ والڈمان نے
...ی تعجب ظاہر کیا مگر پروفیسر کرمپ کی طرح تمسخر اس نے نہیں کیا اور کہنے لگا کہ بے شک
...نیلیس اگرپا اور پار اسیلس بڑے شخص تھے اور انھوں نے ہم لوگوں کے کام کو آسان کر دیا۔
...ارے لئے زیادہ تر نام رکھنا اور اقسام کا الگ الگ کر دینا باقی رہا۔ ایسے بڑے شخصوں کی
...نت و مشقت کبھی رائیگاں نہیں جاتی اگرچہ ایک خاص خیال پر کیوں نہ کی گئی ہو اس سے
...تیجہ مفید نکلتا ہے۔

وکٹر نے پھر کہا کہ آپ کی کل کی تقریر نے میرے دل میں اس زمانہ کے علوم کی قدر
...بٹھا دی۔ اور جو کچھ کہ خیال خام اس کے بارے میں میرے تھے سب جاتے رہے۔ اب میں
...ہتا ہوں کہ آپ مجھے ایسی کتابوں کی فہرست دیں جو اس فن کے مفید مطلب ہوں۔ پروفیسر
...لڈمان نے جواب دیا میں بہت خوش ہوا کہ مجھ کو ایک شاگرد رشید مل گیا۔ اگر تمہاری محنت
...ا تمہارے شوق کی سی ہو گئی تو یقینی تم تھوڑے دنوں میں بہت ترقی کر و گے۔ اگر اس فن میں
...ال حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اس پر کل فنون مثل ریاضی وغیرہ کے سیکھو۔ پھر اس نے اپنی

لیبرٹری میں لے جا کر وکٹر کو آلات دکھائے۔ اور کہا جب تم کو اس کا استعمال آجائے گا تو تم میری لیبرٹری میں کام کر سکوگے اور وکٹر کو کتابوں کی فہرست بھی لکھ دی اس طرح پر یہ پہلا دن تمام ہوا جس نے وکٹر کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔
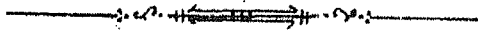
چوتھا باب

اس دن سے نیچرل فلاسفی اور کمسٹری میں وکٹر ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ بڑے شوق و
ذوق سے اس زمانے کی نامی کیمسٹس کی کتابیں یکے بعد دیگرے سب دیکھ ڈالیں اور کالج میں
جتنے عالم تھے سب سے دوستی پیدا کی۔ پروفیسر کرمپ بھی بعد تجربے کے معلوم ہوا کہ بڑے عالم
آدمی تھے۔ اگرچہ ان کی صورت اور شکل اور ان کے ملنے کا طریقہ اس کو پسند نہ تھا مگر ان کے
علم میں کسی طرح کا کلام نہ تھا۔ پروفیسر والڈمان سے اور اس سے بڑی دوستی ہو گئی۔ اس کو
بہت دلچسپی سے پڑھاتے اور مشکل مسئلوں کو آسان کر کے سمجھا دیتے۔ پہلے پہلے تو وکٹر کا جی
کچھ اکتایا مگر پھر ایسا دل لگ گیا کہ لیبرٹری (LABORATORY) میں کام کرتے کرتے اس کو صبح
ہو جاتی تھوڑے دنوں میں اس نے اتنی ترقی کی کہ وہاں کے اور طلبہ کو تعجب ہونے لگا اور
اس کی لیاقت سے معلموں کو بھی حیرت ہونے لگی۔ پروفیسر کرمپ اکثر تمسخر سے پوچھتے کہ کیوں
اب کارنیلیس اگرپا کے مطالعہ کا کیا حال ہے؟ پروفیسر والڈمان کو نہایت خوشی اور حیرت وکٹر
کی اس حیرت انگیز ترقی سے ہوتی۔ دو برس اسی طرح گزر گئے اور وکٹر کا جنیوا جانا بھی نہ ہوا
وہ چند چیزوں کی جستجو اور دریافت میں مشغول رہا۔ دیگر علوم میں یہ دستور ہے کہ جہاں تک اور
لوگوں نے حاصل کیا ہے وہاں تک ہر شخص کر سکتا ہے اور ہر علم کی انتہا ہے۔ لیکن سائنس
میں اس قدر گنجائش دریافت و جستجو یعنی (DISCOVERY) کی ہے کہ آدمی اس میں محو ہو جاتا ہے

۲ دو برس میں وکٹر نے کئی نئی ایجادیں بہ شکل آلات کے کیں کہ اس کی عزت یونیورسٹی میں ہونے لگی اور اس نے اس قدر علم حاصل کر لیا کہ اس یونیورسٹی کے پروفیسروں سے وہ اس سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس کا وہاں رہنا لاحاصل ہو گیا۔ اس لئے اس نے جینوا جانے کا ارادہ کیا اگر اس درمیان میں ایک ایسا امر واقع ہوا جو اِس کے گھر جانے کا مانع ہوا اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ وکٹر کو سب علم سائینس میں (PHYSIOLOGY) کا بڑا شوق ہو گیا یعنی علم تشریح کا۔ انسان وحیوان کا ڈھانچہ اور اس کی ساخت اور بناوٹ، دوران خون، دماغ و دل، گردوں کا فعل، ان سب کے طریقے اور ان کا رشتہ اور ان سب کے فعل سے انسان وحیوان کا نبض جاری رہنا اور نبض کے جاری رہنے سے انسان وحیوان کا جیتا رہنا، چلنے، پھرنے، بولنے کی قوت رکھنا۔ بھوک پیاس وغیرہ خواہشات کا محسوس ہونا ان سب کو وہ خوب غور و فکر سے اور بار بار تشریح و تقسیم و آزمائش کر کے حیران ہوتا کہ یہ زندگی کا رشتہ کیا چیز ہے اور کیونکر قائم رہتا ہے اس کو دریافت کرنا چاہیئے۔ یہ اپنے دل میں کہتا کہ لوگ کتنے ہی راز فطرت کے دریافت نہ کرلیں جو ناممکن سمجھے جاتے ہیں۔ اگر بزدلی اور سستی چھوڑ دیں اور ہمت و محنت کو کام میں لائیں۔ وکٹر نے زندگی کی وجہ دریافت کرنے کے لئے مردوں کی چیر پھاڑ کرنا شروع کیا۔ چونکہ اس کے والد نے اس کی پرورش بہت احتیاط سے کی تھی، کسی چیز سے اس کو ڈرایا نہ تھا، نہ کسی بھوت پلید کی کہانی اس کے آگے کہی گئی تھی، وہ کسی چیز سے نہ ڈرتا تھا نہ اندھیرے یا رات میں قبرستان جانے خوف کرتا۔

انسان کے اجزاء کے گلنے اور متغیر ہونے کے اسباب دریافت کرنے کے لئے وہ دن رات قبرستانوں میں صرف کرتا۔ انسان کی ہستی، اس کی خرابی و بربادی کے اسباب پر غور کرتا۔ وہ گل رخوں کے رخساروں کو موت کی درازدستی سے پائمال، نرگسی آنکھوں کو کیڑوں، مکوڑوں کی خوراک اور

نازک اور بلند دماغوں کو تہہ خاک یوں خراب و خستہ دیکھنا ۔مردے سے جاندار کیڑے بنتے اور جینے سے مردہ ہوتے دیکھنا۔ ان چیزوں کو دیکھتے دیکھتے اور غور کرتے کرتے دفعتاً ایک خیال اس کے دماغ میں آگیا اور وہ اس راز سربستہ کو جو ازل سے ناممکن سمجھا جاتا تھا سمجھ گیا۔ اور اس خیال کے ذہن میں آتے ہی وہ خوشی سے بےخود ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس قدر اہم جو چیز سمجھی جاتی تھی وہ کس قدر آسان نکلی! تعجب ہے کہ اتنے لوگوں میں سے جنھوں نے اس علم کی طرف کوشش کی ہے میری ہی قسمت میں اس معمہ کا حل لکھا تھا۔ اس کے زور سے انسان کیا کچھ نہیں کرسکتا ہے۔

وکٹر کا یہ خیال ایک دیوانے کا خبطی خیال یا کسی مجذوب کی بڑ نہ تھی بلکہ اس کا یہ خیال اتنا ہی درست اور صحیح تھا جیسے آسمان پر درخشاں آفتاب و مہتاب کا وجود۔

کسی معجزے سے شاید یہ راز وکٹر کے ہاتھ آیا ہو۔ مگر اس نے اس کو قدم بہ قدم تلاش کیا تھا اور بےانتہا محنت اور جانفشانی سے اس کی جستجو کی تھی ۔رات دن کی ان تھک کوششوں کا ثمر اسے ملا اور اس نے جان ڈالنے کا راز دریافت کرہی لیا۔ اس عقدہ کے حل کرنے کے بعد اس کو یہ ملکہ ہوگیا تھا کہ خود جس بے جان چیز میں چاہے جان ڈال سکتا تھا۔ اس کی حیرت اب انتہائی خوشی سے مبدل ہوگئی۔

اس قدر قوت حاصل ہوجانے کے بعد وکٹر مدتوں تک اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ کس طرح اس کو کام میں لائے۔ جان تو اب وہ ڈال سکتا تھا۔ مگر وہ یہ خیال کرتا تھا کہ آیا وہ اپنا سا ایک پتلا بنا کر اس میں جان ڈالے یا اس سے آسان اور کم تر بناوٹ کا بنائے۔

اس کے خیالات اس راز کے انکشاف سے ایسے بلند ہوگئے تھے کہ اس نے ارادہ کیا کہ ایک

پتلا آٹھ فیٹ کا بنائے اور اس کے قد کی مناسبت سے ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی بڑے بڑے ہیں۔ اس خیال کے پختہ ہوتے ہی وہ اس کام میں مشغول ہو گیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میں ایک ایسی قوم کا خالق ہوں گا جو انسان سے بڑھ کر قوی اور توانا ہوں اور مجھے اپنا پروردگار سمجھ کر پوجے گی اور دعا دے گی ان میں نہایت عمدہ لوگ ہوں گے۔ یہ اپنے ماں باپ کو بھی اتنا نہیں چاہیں گے جتنا کہ مجھے چاہیں گے اور میری قدر کریں گے۔ کبھی یہ بھی سوچتا کہ اس کے بعد عنقریب میں مردوں میں بھی جان ڈال سکوں گا۔

ایک فارسی تقریر

۱۹۰۳ء میں علی گڈھ کالج کی امداد کے سلسلے میں مرحومہ نے ایک تقریر کی تھی جو اس کتاب کے صفحہ ۷ اپر درج ہے۔ یہ اسی تقریر کے کچھ حصے کا آزاد فارسی ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

خواہران عزیزہ و دوستان یک دل!

بندہ از تشریف آوری شما ہا امروز بہ غریب خانہ و قدم رنجہ فرمودن بہ کنج حقیر خیلے ممنون و مشکور شدم۔ خوش آمدید و صفا آوردید لطف شما زیاد۔ بندہ را شاداں ساختید۔ حالا ایں امید از فضل و کرم شما ہا دارم کہ ایں معروضۂ حقیر را بہ گوش حق شنو و چشم حق بیں خواہید شنید و خواہید دید۔

خانم ہائے معززہ و مکرمہ و ہمشیرہائے عزیزہ۔ شما ہا ہمہ بہ فضل خدا از نوشت و خواند و تعلیم مغربی بہرہ ورہستید و درہر معاملہ کہ متعلق بہبودیٔ ما یا قوم ما باشد، می توانید بہ فہمید و غور بہ فرمائید۔ ایجوکیشنل کانفرنس کہ سال گذشتہ در شہر دہلی قائم شدہ بود و ہز ہائی نس آغاخاں کہ سرکردۂ آں محفل بود و مضمون خوب کہ مشتمل بر ہمہ وجوہات تنزل اسلام و مکمل بر اکثر ضروریات کہ بہ رفع آں تنزل و ترفع احوال اہل اسلام بود خواند و آں مضمون بہ ہمہ اخبارات شہرت یافت۔ لابد از نظر شما ہا ہم گذشتہ باشد۔

دل ایں حقیر از خواندنش خیلے افسردہ گشت و بر احوال اہل ایمان بہ سوخت۔

پس افسوس اینست کہ امیدے کہ برائے قوم ما است ہم بہ سبب بے ہمتیٔ ما برباد و منہدم بشود۔ مدرسۂ جز علی گڑھ کالج برائے ما نیست کہ آن جا تعلیم نوجوانان ما بشود و ہمراہ تعلیم انگریزی، تعلیم عربی و فارسی ہم بشود۔ بنا بریں بر ہر متنفس لازم است کہ امداد کالج کماحقہ بکند۔ چرا کہ برائے بہبودی و کامیابی ہمہ، زر ضرور است۔ اگر زر نہ باشد آدم بے پر است۔ چنان کہ کلام حقانی و آیت ایمانی برایں برہان مبیّن است۔ لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ یعنی تا آن کہ از آن چیزے کہ عزیز دارید خرچ نہ کنید بر مطالب کامگار و فائز نہ خواہید شد۔

وچہ چیز است کہ قومی را بر سر ادبار و تنزل می آرد آن نا اتفاقی درمیان افراد قوم و جنگ نفسے با نفسے است، و ایضاً کمزوری و کم ہمتی ہر یک فرد نفساً نفساً است، و ہر چہ کہ بر قومے یا شخصے لاحق می شود از خود است۔ از ماست کہ بر ماست۔ و ہرگز خداوند عالم قومی را از فلاح بہ ادبار نمی آرد و حالتش متغیر نمی کند تا وقتے کہ آن قوم حالت خود را بہ خود غرضی و کاہلی و دیگر افعال ذمیمہ درہم نہ زند۔

بہ مضمون آیۂ کریمہ مَا اَصَابَکَ مِن سَیِّئَۃٍ فَمِن نَّفسِکَ وَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنفُسِھِم۔ فرعون باہمہ طغیانی و کفر از دو اوصاف پسندیدہ متصف بود یکی آنکہ سہل الباب بود و ارباب حاجات را وصول درباب او سہل بود دیگر آن کہ بہ خوانِ کرمِ او امرا و غربا ہمہ وظیفہ خور بودند و کرمش بمرتبۂ بود کہ می گویند روزے زنے از بنی اسرائیل بیمار بود و طعام کہ مناسب حال او باشد در مطبخ نہ بود پس فرعون وقتے کہ از آن ماجرا خبر یافت

مطبخیاں را گوشمالی بواجبی داد و حکم فرمود کہ از آن روز اغذیہ لایق صحا و مرضیٰ در مطبخ او شب و روز مہیا دارند و بہ ہرکس کہ مناسب حال او باشد، برسانند۔ وقتے کہ فرعون از آن دو او صاف حمیدہ گردن بتافت و آن را خیرباد گفت، حالتش با دبار رونمود، چنانکہ حضرت موسیٰ یک سال بدرگاہ او بود و قبل ازیں کہ مجال ملاقات یافت روز و شب پنہاں مے ماند۔ کسی را در حضرت او مجال رفتن و حرف زدن نہ بود۔ سخاوتش آن قدر تبدل بہ بخل شد کہ وقتے کہ عقب حضرت موسیٰ علیہ السلام می شتافت در مطبخش یک گوسفند گرگنی کشتہ بودند بہ جگر آن نہار درست کرد و باقی را برائے چاشت گزاشت و بر دستر خوان او کسی جز مگس حاضر نمی بود۔

مجموعۂ افراد کسانے کہ ہم مذہب و ہم وطن باشند آنہا را قوم می گویند، و وقتے کہ ہر یک فرد از افراد قوم خوب و بہ ہمہ صفت موصوف باشند آن قوم ہم خوب می شود۔ پس اگرچند نفر از قومے صاحب علم و ادب و حمیت و از دیگر اوصاف حمیدہ متصف باشند، ہیچ تغیر در آن قوم نمی شود و ہیچ فرقے پیدا نمی شود تا وقتے کہ یک گروہ کثیر از قومے لائق نہ شود و بہ حب الوطنی و حمیت مذہبی آراستہ و پیراستہ نہ باشد و غیرت و پاس خاطر اسم نیکوئے قوم خویش او را از ارتکاب افعال ناہنجار و کردار افعال ذمیمہ باز ندارد، امید فلاح و بہبودی آن قوم ہرگز صورت نہ خواہد بست و آن تعلیم موقوف و مبنی بر تعلیم و تربیت اطفال از ابتدائے زمانہ است و آن در ہیچ کدام مدرسے از مدارس سرکاری حاصل نمی شود الا علی گڑھ کالج۔ وہیں یک جائے است برائے ما کہ آن جا تعلیم اولاد ما بخوبی می تواند بشود و ہمراہ تعلیم دنیوی تعلیم دینی ہم می شود۔

پارسیان و ہندو وغیرہ اقوام از ہمت و مردانگی خویش متعدد مدرسہا برائے خویش قائم کردہ اند۔ برائے ما ہمیں یک مدرسۂ علی گڑھ کالج است۔ قیامش بر اتفاق و امداد ما منحصر است۔ پس آیا برائے ما لازم نیست کہ در قیام و بقائے آن حتی الوسع بکوشیم؟ ہز ہائی نس آغا خاں در اسپیچ خود شان فرمودہ اند کہ قیام اسلام برہمیں مبنی خواہد بود۔

در ابتدائے زمانۂ اسلام وقتیکہ اہل اسلام معدودے چند بودند و برائے قیام و استحکام اسلام ضرور شد کہ دشمنانش را دفع بکنند۔ پس ہمہ ہم دست و ہم دستان شدند و جان و دل را نثار بارگاہ آن نور خدا رسول اللہ کردند و بحکم قاتلوا فی سبیل اللہ کاربستند و ثمرۂ جانفشانی خود را در تسخیر ممالک و فرمانروائی ہفت اقلیم یافتند۔ پس اگر آن وقت در امداد اسلام یک دل نہ می شدند و در امداد ایمان بخل می کردند امروز نام اسلام از صفحۂ ہستی منہدم می شد۔

خدائے خواست کہ اسلام در حمایت او ز تیر حادثہ در بارۂ اماں ماند

حضرات! حالا ہم ہمان زمانہ باز آمدہ است و حالت اسلام پُر خطر و نازک است۔

آن زمانہ زمانۂ طفولیتِ اسلام بود۔ وقتیکہ اسلام مثل بچۂ شیرخوار برائے شیر در گہوارہ بے قرار بود و آن وقت موجد کلام ربانی بامداد او موجود بود و از سعی او چند صادق الایمان مسلمانان متفق شدند و مال و متاع خود را نثار اسلام کردند و گفتند۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ

حالا ہمان زمان پیش آمدہ است و حالت اسلام خیلے نازک و پرخطر معلوم می شود ۔ و این نقاہت بہ ضعف و پیرانہ سالی است پس آیا فرض ما نیست کہ امداد ایمان خود را حتی الامکان بکنیم و تغذیٔ او از خون دل بکنیم ۔ ایمانے کہ مارا از حیوانات و بہایم جامۂ انسانیت پوشانید و از صف بہائم فرو آوردہ بصف اہلِ معرفت و نور داخل کرد و از پرستش لات و منات خلاصی دادہ توحید و تمیز آموخت و مارا از گلہ بانی بہ ملک رانی رساند و از جہل مطلق بہ مرتبۂ معلم و ہادیٔ زمانہ رساند ۔ پس آیا اسم ہائے اہلِ اسلام این زمان بہ صف ناحق شناسان نوشتہ نخواہد شد اگر این وقت از امداد اسلام باز مانیم ؟

خطوط

اگرچہ مرحومہ کے بیسیوں خطوط دستیاب ہوئے ہیں لیکن
اس مجموعے میں صرف چند منتخب خطوط ہی شائع کئے گئے ہیں

بنام سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال

جناب سرکار عالیہ!

بعد تسلیم بصد تعظیم دست بستہ یہ عریضہ جناب عالیہ کے ملاحظے میں پیش کرتی ہوں۔ محض مذہبی و اسلامی غرض نے در دولت سے استدعا کرنے پر مجبور کیا ہے اور میں امید کرتی ہوں کہ آپ کے الطاف خسروانہ اس دلیری کو معاف فرمائیں گے۔ اس لئے کہ جناب عالیہ تمام خواتین ہند کی سرتاج ہیں۔ میرا فرض تھا کہ میں آپ کے ملاحظے کے لئے ان امور کو پیش کردں جو ہمارے مذہب کے لئے ایک بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

ضمیر منیر حضرت سے یہ امور مخفی نہیں کہ ہماری مذہبی بے پروائی بہت حد تک ہماری تنزل کی ذمہ دار ہے۔ ہمارے لئے بھی فرض تھا کہ ہم اپنے مذہب کے بڑھانے اور اس کی سچائی کو تمام عالم کے روبرو ثابت کرنے اور اس پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں ان کے رد کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ اور دوسرے مذاہب کے اشخاص اپنے مذہب کی اشاعت میں جس طرح جان توڑ کر کوشش کرتے ہیں اس کا عشر عشیر ہم بھی کریں۔ ہماری بے پروائی نے ہم کو اس کام کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہونے دیا۔

اب اس زمانے میں جو ہر طرف ادبار کی گھٹا اسلام پر چھا رہی ہے یہ رحمت از طرف خدا ہمارے لئے نازل ہوئی ہے۔ یعنی ایک صاحب جو عربی، فارسی، انگریزی، اردو میں کمال رکھتے ہیں جن کا اسم گرامی خواجہ کمال الدین ہے لندن میں اشاعت اسلام کی غرض سے گئے ہیں اور جو اپنے ماہواری پرچے میں ان اتہامات کا جو غیر مذہب نے اسلام پر لگائے ہیں خوب جواب دیتے ہیں۔ یہ پرچہ

بحقیقت قابلِ قدر ہے اور جناب عالیہ کے ملاحظے کے لائق ہے۔ ان صاحب کی کوشش سے
ے لارڈ صاحب نے اسلام قبول کیا ہے اور ایک خط بامیں عنوان خواجہ صاحب کے پرچہ اسلامک ریویو
ں شائع کروایا ہے کہ اسلام دنیا کا آئندہ مذہب ہوگا (آمین ثم آمین)

اور ایک انگریز بی بی نے بھی انہی کی کوشش سے اسلام قبول کیا ہے۔ ان بی بی نے بھی
ی خط لکھا ہے جس میں یہ فرماتی ہیں کہ سب مسلمانوں کو خواجہ صاحب کی مدد کرنا چاہیے
، وہ اس عمدہ کام کو انجام دے سکیں۔ اور ایسا نہ کرنا اسلام کے لئے قابلِ شرم بات ہوگی۔
جہ صاحب نو ہزار روپیہ لے کر لندن گئے تھے جو کل انھوں نے اسلامی کام میں خرچ کیا اب
اکے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔

میں التجا کرتی ہوں کہ جس طرح ہندوستان کی کل تعلیم گاہیں آپ کی سخاوت سے
ابستہ ہوئی ہیں اس بڑے اور عظیم الشان کام کو بھی آپ کی سخاوت معدوم نہ ہونے دے گی۔ کل
ہ صاحب کی اپیل خدمتِ عالی میں گزرانتی ہوں یہ میری استدعا ہے "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

طیبہ بیگم
(مسز حیدر یار جنگ)

— ۲ —

الی عالیجناب نواب بیگم صاحبہ

میں دست بستہ عرض پرداز ہوں کہ یہ انجمن جس کو چند نیک و ہمدردِ ملت خواتین نے
ا کوشش و جانفشانی سے کئی سال ہوئے آغاز کیا تھا اور جس کی غرض اس کام کو انجام

دینا تھا جو عیسائی قوموں میں وائی۔ ایم۔ سی (Y.M.C.A) نے اپنے ذمہ لیا ہے اور جس کو وہ نہایت کامیابی کے ساتھ پورا کرتی ہیں اس لئے کہ زرکثیر ان کو اپنے لوگوں سے وصول ہوتا رہتا ہے۔ ہر محلے میں ان کے ذاتی مکانات ہیں جہاں اخلاق و مذہب کی ترغیب میں لکچر ہوا کرتے ہیں اور غربا کو بھی تعلیم دی جاتی ہے اور اشاعت مذہب میں سعی بلیغ کی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اپنے بے حس و حرکت رہنے پر متاسف ہو کر ایسی خواتین اسلام نے جو اپنے مذہب کی شیدا ہیں یہ عزم بالجزم کیا کہ ممنون قوموں کی تقلید تو ہم بے سرمایہ نہیں کر سکتے لیکن حتی الامکان کچھ اس میدان میں قدم رکھ کر ہم بھی سعی کریں۔ اور یہ ذہن نشین کر کے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس کام کو چھوٹے سے پیمانہ پر چند سال ہوئے ہیں کہ آغاز کیا ۔ تائید ایزدی اور توفیق اہل ملت و دین و توجہ خواتین کرام سے امید ہے کہ اس نیک کام میں کامیابی حاصل ہو۔

بیگم صاحبہ کی ضرب المثل سخاوت سے امید ہے کہ اس طرف توجہ مبذول فرما کر ماہانہ رقم سے امداد فرمائیں۔

خدا بیگم صاحبہ و سرکار کی عمر و دولت میں برکت دے اور صاحبزادگان بلند اقبال کے سر پر سلامت رکھے۔ طیبہ بیگم

(۳)

بعز عرض ملازمان علیا حضرت خلد اللہ ملکہا

بعد تسلیم بصد تعظیم و شرف اندوزی آستاں بوسی

دست بستہ عرض پرداز ہوں کہ نواب برجیس جہاں بیگم صاحبہ جنت آشیاں کے سانحۂ ناگزیر نے

تمام خواتین اسلام کے دل دکھا دئیے۔

چہ بود ایں خبر ایں قاصد از کجا آمد ــــ کہ کاش نامدہ بود و نداد ہ بود خبر

اگرچہ جناب عالیہ کے شرف قدمبوسی سے ابھی تک محرومی ہے اس پر بھی دل کے اضطراب نے ایسے وقت میں خاموشی گوارا نہ کی اور ایسی خاتون عالی مقام و بزرگوار جو نہ صرف والیۂ ملک ہونے کی وجہ سے کل خواتین اسلام کی سرتاج ہیں بلکہ اس علم دوستی اور روشن خیالی کی وجہ سے جس نے علیا حضرت کو کل ہندوستانی خواتین کی تعلیم و رفاہ کا بانی بنا رکھا ہے ہر دل عزیز ہیں جب ایسا صدمۂ جان کاہ پہنچے اگرچہ ہم سب ظاہرا دور ہیں مگر روحانیت کے تعلق سے بہت قریب ہیں پھر کیونکر ممکن تھا کہ سب متاثر نہ ہوتے اور کیونکر اپنی دل کی حالت کو آپ تک پہنچائے بغیر رہ سکتے۔

بخدمت جناب عالیہ بیگم صاحبہ معظمہ و محتشمہ خلد اللہ ملکہا

میں اور کل خواتین انجمن اسلام اس حادثۂ جاں کاہ پر اظہار تاسف و ملال و رنج و غم کرتی ہیں اور قاآنی کے اشعار میں اپنے غم کا اعلان کرتی ہیں ؎

برفت از صدفِ خاک گوہرے بیروں ــــ کہ خلق را صدفِ دیدہ گشت پر گوہر

فتاد از فلکِ مجد اخترے بزمیں ــــ کہ جان خلق ازاں اختر است پر اخگر

شبیہ شمس و قمر بود در شمائل حسن ــــ چو او بمرد تو گفتی بمرد شمس و قمر

مدار عقل و ہنر بود در فصاحتِ نطق ــــ چو او بمرد تو گفتی برفت عقل و ہنر

بوقتِ زندگی از حسن و وقتِ مرگ از غم ــــ بہر دو حال جہاں را نمود زیر و زبر

گماں برم کہ جہاں را خدا عقوبت کرد　　چرا کہ ہجر وے از ہر عقوبت ست بتر

کشادہ بود رخش در جہاں درے زبہشت　　نہفت چہرہ و شد بستہ بر جہاں آں در

مشیت ایزدی سے چارہ نہیں سر تسلیم طوعاً و کرہاً اس بارگاہِ حقیقی کے سامنے خم ہے جس کے اسرارِ مصلحت ہماری بے بصیرت آنکھوں سے بہ مقتضائے حکمتِ بالغہ پنہاں ہیں۔ عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرّ لکم۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم واللہ اعلم وانتم لاتعلمون۔ کل ہی خواہ سلطنت و کل ہی خواہِ ذاتِ والاتبار اس امر کے سننے سے پریشان ہیں کہ سرکار نے کل دنیوی امورات سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور اس صدمے کی وجہ خواب و خور سب فراموش کر دیا ہے۔ سب خواتین انجمن آپ کی خدمت میں دست بستہ ملتجی ہیں کہ آپ بلحاظ بہبودیٔ عامۂ خلائق، کہ والیانِ ملک کی نظر میں وہ بھی بہ منزلہ اولاد ہیں، اپنی صحت و تندرستی و مایحتاج زندگی کی طرف متوجہ ہوں اور اس غم کے سبب سے عامۂ خلایق کو ہلاکت میں نہ ڈالیں ہم یہ عرض کرنے کی اس لئے جرأت کرتے ہیں کہ آپ کی ذاتِ خجستہ صفات کل ہندوستان کے لئے رحمتِ الٰہی ہے اور ہماری فلاح و بہبودی آپ کی ذات سے وابستہ ہے عریضہ گزار متوقع ہیں کہ اس عرصۂ امتحان و مصیبت و آفت میں۔ (ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع والاموال) آپ کی ذاتِ استقامت مدار ایسی ہی کامل و ثابت قدم ثابت ہوگی جیسے ایام راحت و خوشی میں رہی۔ جس طرح آپ کی ذاتِ بابرکت بیدار مغزی، تعلیم پسندی، عالی ہمتی، سادگی، ہمدردی، غربا پروری، ہر دل عزیزی کا نمونہ ہے اسی طرح وقتِ مصیبت و آزمایش میں استقلال، صبر جمیل اور تسلیم و رضا میں بھی سب کی پیشوا ثابت ہوں گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رضیً بقضاءہ و تسلیماً لامرہ۔

ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ایزدِ حقیقی آپ کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل عطا فرماوے
اور صد و سی سال بہ کمالِ شوکت و اقبال زینت افروزِ مسندِ شاہی رکھے۔ آمین یارب العالمین
طیبہ بیگم بلگرامی

۴

بملاحظہ گرامی سرکارِ عالیہ مد ظلہا العالی دام اقبالہا

بعد آداب و بندگی بسیار دست بستہ عرض خدمت گرامی ہے کہ تشریف آوری کا مژدۂ جان بخش سن کر ہم سب کو کمالِ خوشی و مسرت ہوئی۔ یہاں کی بیگمات خصوصاً وہ جو اراکین انجمن خواتینِ اسلام ہیں سرکارِ عالیہ کی قدم بوسی کی از حد شائق ہیں اور سرکارِ عالیہ کے اخلاقِ کریمانہ سے امیدوار ہیں کہ شرکت جلسہ و قبولیت اڈریس سے اس انجمن کو سرفراز فرمائیں گی۔

اگر پروگرام میں گنجائش شروع سے رکھی جائے گی تو یہ امید بر آسکتی ہے ورنہ دوسرے مشاغل میں انجمن خدانخواستہ اپنی دلی آرزو کے بر لانے میں ناکامیاب نہ ثابت ہو۔ اسی خوف سے یہ عریضہ قبل از وقت خدمت بابرکتِ سرکارِ عالیہ میں پیش کرنے کی جرأت کی گئی۔ نیز اس قدردانی و مہمان نوازی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جو ہمارے قیام بھوپال میں سرکارِ عالیہ دام اقبالہا کی عین نوازش سے ہمارے ساتھ برتی گئیں۔ خداوند کریم کی درگاہ میں ہم سب شب و روز دست بدعا ہیں کہ خدا حضورِ عالیہ کے سایۂ عاطفت کو خواتینِ ہند کے سر پر قائم و دائم رکھے اور حضور کی عمر و دولت و اقبال میں روز افزوں ترقی دے۔ آمین یارب العالمین۔

عریضہ گذار خاکسار۔ مسز حیدر جنگ صدر انجمن خواتینِ اسلام

۵

جناب سرکار عالیہ ایدہ اللہ بالعز والاقبال

بعد تسلیم بصد تعظیم دست بستہ عرض خدمت گرامی ہے کہ اڈریس ایک ہی ہے۔ اور ایک ہی انجمن کی طرف سے ہے جو انجمن خواتین اسلام کہلاتی ہے۔ اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ بی بیاں اس میں ملیں اس لئے ہر مہینے میں ایک دفعہ اس کا جلسہ کسی نہ کسی ممبر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس میں قرآن پڑھا یا جاتا ہے اور مضامین مذہبی یا معاشرتی پر لیکچر ہوتا ہے۔ اس انجمن میں جو فیس جمع ہوتی ہے وہ غربا پر خرچ کی جاتی ہے۔ مثل انگریزوں کی کرسچین اسوسیاشن کے۔

سرکار عالیہ کو نہایت تکلیف دی معاف فرمائیے گا۔ اڈریس قبول کرکے سرکار عالیہ نے انجمن کی بڑی عزت افزائی کی۔ خدا حضرت عالیہ کو صدو سی سال سلامت رکھے اور کل دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب کرے۔

عاجزہ آپ کی خادمہ
طیبہ

(۶)

بنام لیڈی سرآسماں جاہ بہادر

جناب بیگم صاحبہ معظمہ و محتشمہ دام عنایتہا و مدظلہا العالی۔

بعد تسلیم عرض خدمتِ گرامی ہے کہ اگر ۱۵ ماہ محرم کے لئے صرف وہ دربار ہال جو آپ نے
بس اِونس کو انعام کے جلسے کے لئے عنایت فرمایا تھا مجھے بھی عنایت ہو تو میں نہایت ممنون
ول گی صرف ہال اور اس کے اندر کے پانچ باقی سب کمرے بند رکھے جائیں مگر چودہ تاریخ
ے اجازت ہو جائے تو پردے کا انتظام کروا دیا جائے مولوی شبلی صاحب جو کہ ایک مشہور د
مروف لیکچر دینے والے ہیں اشاعتِ اسلام پر لیکچر دیں گے۔ سامنے کے اسٹیج پر وہ رہیں گے
راس کے مقابل کے دروں پر پردہ باندھ دیا جائے گا۔ اگر ہال کی اجازت دلوا دی جائے تو
ں نہایت ممنون ہوں گی ۱۵ محرم کو اتوار کا روز بھی پڑے گا دفتر بھی بند رہے گا۔

طیبہ بیگم

(۷)

بنام رشید فاطمہ بیگم صاحبہ (بیگم عبداللہ حسین)

جناب ہمشیرہ صاحبہ

خدا انور بے کو عمرِ نوح عطا فرمائے اور تمام مفتوح ممالک سلطان کے پھر مل جائیں۔ اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ مسلمانوں پر اپنی عنایت کرے اور کافروں سے ہمارا بدلہ لے۔ مگر پیاری بہن یورپ سے یہ امید نہیں کہ ترکوں کا حق اُن کو لینے دے خدا پر بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ کچھ بہتری مظلوم مسلمانوں کی کرے مگر ظالم یورپ سے تو کچھ امید نہیں۔ کتنے واقعے ایسے ہو چکے ہیں جہاں ان کی حق تلفی کی گئی۔

کل کونڈوں میں ضرور آپ وچچی اماں تشریف لائیے گا۔ اخبار واپس ہے۔

عزیز فاطمہ بیگم کو بھی رقعہ بھیجا ہے۔ فیس پہنچ گئی آٹھ روپے ہیں۔

طیبہ بیگم

(۸)

جناب ہمشیرہ صاحبہ۔

جس دن آپ کا اخبار اور خط آیا تھا میرے یہاں لوگ بیٹھے تھے اور اکثر ان دنوں بہت سے لوگ آیا کئے اسلئے میں نے جواب نہ دیا میرا مزاج اب بہتر ہے مگر بالکل صحت نہیں ہے کچھ کچھ شکایت باقی ہے۔ اخبار کے پڑھنے سے جی خوش ہوا خدا مسلمانوں پر رحم کرے

اور ظالموں کو برباد کرے۔ آپ سے پھر کب ملاقات ہو گی۔ بی بی کا مزاج کیسا ہے بنجی اماں
کی خدمت میں بندگی عرض کیجئے آپ کا مزاج اب کیسا ہے۔ فقط
طیبہ بیگم

۹

ہمشیرہ صاحبہ مزاج بہتر ہے آنکھیں بھی بہتر ہیں "انتخاب" ضرور بھیجئے "وطن" بہت دنوں سے
نہیں بھیجا اگر پرچہ آپ کو واپس چاہیئے تو میں بھجوا دوں۔ رکھے ہوئے ہیں۔ انور بیے کی
صحت کی خوش خبری سن کر دل بہت باغ باغ ہوا خدا اس شخص کی عمر سوا سو برس
کرے۔ اور یہ فاتح طرابلس کہلائے ہم سب مسلمانوں کو دعا کرنا چاہیئے آپ نے مولوی کو ہی
تجویز کیا اب تک یا نہیں۔ میں دس روپے ماہانہ اسی نام سے رکھتی جاؤں گی آپ ضرور
کوشش کیجئے۔ جاپان کی نو مسلمان بی بی کو بھی خط لکھتی ہوں آپ کو سناؤں گی جب کبھی
آپ سے ملاقات ہو۔

۱۰

جناب ہمشیرہ صاحبہ۔

آپ کا خط ملا جواب اس وقت نہ لکھ سکی اس لئے کہ میں اس وقت بہت
مصروف تھی لوگ آئے ہوئے تھے ان کے جانے کے بعد دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آدمی چلا گیا
پھر اسی روز میں اپنے گھر واپس آگئی یعنی اب امید منزل میں ہوں اگر ٹپہ پر آپ خط بھیجیں تو

یہ پتہ لکھئے - امید منزل عقب خانۂ حیدری صاحب خیریت آباد -

میرا مزاج کسی قدر بہتر ہے - آپ کب آئیں گی - محمد علی مرزا کا واقعہ سن کر بہت رنج ہوا - ضرور کسی روز آپ تشریف لائیے میں تو ہمیشہ گھر ہی میں ہوں سنا ہے کہ آپ کے یہاں میانہ ہے اگر مل سکے تو میں بھوئی بھجوانی ہوں تھوڑی دیر کے لئے بھجوا دیجئے اگر آپ کی نظر میں کوئی میانہ فروخت کے لئے ہو تو مجھے اطلاع دیجئے میں لینا چاہتی ہوں - امید ہے کہ مزاج اب آپ کا اچھا ہوگا -

طیبہ بیگم

۱۱

جناب ہمشیرہ صاحبہ -

آپ کے اخبار ساتھ شکریہ کے واپس کر رہی ہوں - جاپان میں اشاعت اسلام کا حال سن کر بہت خوشی ہوئی اس کام میں ہم سب کو مدد کرنا چاہئے آپ اگر دوشنبہ کے روز پانچ بجے شام کے تشریف لائیں تو میں جو کچھ اس کے متعلق کہنا چاہتی ہوں آپ سے کہوں چند اور بی بیوں کو بھی چہارشنبہ کو بلایا ہے فخر الحاجیہ بیگم اور عالیہ بیگم بھی ہوں گی - آپ ضرور تشریف لائیے گا - مجھے اس عرصے میں درد سے بے حد تکلیف رہی اور آنکھ بالکل کمزور ہو گئی ہے لکھنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس خط کو ختم کرتی ہوں اچھی جان کو بھی ضرور چہارشنبہ کے روز لائیے گا - اگر عزیزہ فاطمہ بیگم بھی آئیں تو میں ان کے لئے رقعہ بھجوا دوں -

طیبہ بیگم

(۱۲)

جناب ہمشیرہ صاحبہ

آپ کا مضمون ماشاء اللہ نہایت عمدہ ہے اردو تو آپ ہمیشہ سے پُرزور لکھتی ہیں مگر جہاں خدا کا ذکر ہو پھر وہاں کیا کہنا ہے اُبلا ہوا دل چھلک پڑتا ہے آپ تو عشق اللہ میں صوفیوں کا درجہ رکھتی ہیں صرف آپ کے مضمون میں جو بات کانوں کو ناگوار ہوتی ہے وہ میرا ذکر ہے۔ میں اس کے خلاف ہوں بہت سی وجوہ سے صرف اس کو انکسار نہ سمجھیئے عند الملاقات کہوں گی۔ خدا مجھ کو آپ کی دعوت میں شریک ہونا نصیب کرے۔ فقط

طیبہ بیگم

یہ انگریزی کاغذ جاپان سے آیا ہے اور ایک خط بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ اللہ صاحب، امریکہ تشریف لے گئے ہیں۔

(۱۳)

ہمشیرہ عزیزہ

آپ کا خط ملا اطمینان ہوا لیکن کل سے آج تک میں حالت تباہ ہوگئی ایک خاص صدمہ دل و دماغ پر ہوا جو ابھی تک رفع نہیں ہوا سخت کمزوری اور سر پر بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کہنا سچ ہے کل سے ایک آیت قرآن کی میں پڑھ رہی ہوں آپ بھی پڑھیئے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ بھائی جان کی عرضی ابا جان کے یہاں بھجوادی مگر اس کی کچھ خبر نہ معلوم ہوئی اگر آپ ڈو کا پیا لیا اسی عرضی کی اور نکھوا دیجئے تو میں اور ذرائع سے بھی پیش کروا سکتی ہوں یعنی مہدی حسین کے ذریعہ سے یا آپ کے بھائی خود مہدی کے یہاں جا کر مل لیں صبح کو وہ گھر میں ہوتے ہیں۔ طیبہ بیگم

۱۴

بنام رشید فاطمہ بیگم صاحبہ

ہمشیرہ عزیزہ

کرتی آپ کی بھیجی ہوئی پہنچی میں نے اسی وقت کہا خدا آپ کو اچھا رکھے اور دل میں جو ارادہ ہو اسں کو پورا کرے۔ دنیا میں چاہنے والے کم ملتے ہیں اور خالص دوستی و محبت دنیا کی کل نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ نے جو مژدہ ہمارے غریب طرابلس کے مصیبت زدہ بھائیوں کی نسبت سنایا ہے اس سے دل کو کمال خوشی ہوئی۔ خدا ہماری سن لے اور ان مظلوموں کی نجات اس طرح کرے کہ ان کا ملک ہاتھ سے نہ جائے اور دشمنوں سے ان کو نجات ہو جائے اور خدا ان کے ظالم دشمنوں کو برباد کرے۔ خدا کرے کم بخت اٹالین لوگوں کے جہاز سب ڈوب جائیں جس پر ان کو اتنا ناز ہے۔ آپ کے یہاں کوئی عمل پڑھنے والے ہوں تو ان غریب مسلمانوں کی فتح کے لئے پڑھوا یئے۔ ایرانیوں کو ان کا ملک جو گیا ہوا ہے وہ مل جائے۔ اور ترکوں کو ان کا مل جائے۔ اس بے جا ظلم کا میرے دل پر سخت صدمہ ہے۔ آپ ضرور ہدایت کیجئے سب کو کہ پانچ وقت کی نمازمیں ان غریبوں کے لئے دعا کریں۔

طیبہ بیگم

۱۵

جناب ہمشیرہ صاحبہ

بہت دنوں سے اخبار نہیں آئے خدا کرے اچھی خبر ملے۔ آپ کے اخبار ساتھ شکریہ کے واپس کرتی ہوں۔ امید ہے کہ آپ اور بی بی سب خیریت سے ہوں گی۔ آپ کا مزاج اگر اچھا ہے تو ضرور کسی روز مع چچی جان کے آئیے۔ آپ کس روز آسکتی ہیں اطلاع دیجئے تاکہ میں اسی روز چند اور بی بیوں کو بھی بلوالوں۔ آپ نے جو لکھا تھا کہ ترکوں کی خبروں کے بارے میں آپ کو شبہ ہونے لگا تو یہ خیال آپ کا غلط ہے انوریے کے ایسے بہادر لوگ جھوٹ نہیں بولتے یہ صفت یورپین لوگوں کو مبارک رہے اور ان ہی کی شان کے شایاں ہے

طیبہ بیگم

۱۶

جناب ہمشیرہ صاحبہ

آپ نے لکھا تھا کہ میں انگریزی اخبار بھیجتی ہوں جس میں جاپان کے لوگوں کے مسلمان ہونے کا حال ہے مگر وہ اخبار مجھے نہیں ملا۔ ضرور اگر ہو تو بھیجئے میں ان بی بی کو خط لکھوں گی۔ طرابلس کا حال سننے سے نہایت خوشی ہوئی۔ خدا ترکوں کو فتح نصیب کرے اور ایران کی آزادی قائم رہے اور ان کے دشمنوں پر بلائے آسمانی نازل ہو اور سب تباہ ہو جائیں۔ میری آنکھ میں بہت درد ہے اس لئے یہ رقعہ انکل پچو لکھ دیا ہے۔ ایک روز آپ اور عزیز فاطمہ بیگم آئیے میں فخر الحاجیہ کو بھی اسی روز بلا لوں گی۔ آپ کا مزاج کیسا ہے

طیبہ بیگم

۱۷

بنام لیڈی فاضل بھائی

جناب ہمشیرہ محترمہ و معظمہ دام عنایتکم

بعد تسلیم عرض خدمت ہے کہ آپ کی نند بائی خانم بائی کے انتقال کا حال سن کر بہت رنج ہوا میں اور تمام اراکین انجمن خواتین اسلام اس حادثۂ جانکاہ پر اظہار تاسف و ملال کرتی ہیں اور آپ کے ساتھ اس غم میں ہمدردی ظاہر کرتی ہیں۔ ایک سال کے اندر دو غم ایک آدم جی پیر بھائی صاحب اور ایک خانم بائی کا آپ کو اٹھانا پڑا۔ خدا آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ اور ان کے والد کو غریق رحمت کرے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ رَاضیاً بقضائہٖ و تسلیماً لامرہٖ۔ دنیا ایک گزرگاہ ہے جہاں کوئی رہنے کو نہیں آیا کوئی آگے کوئی پیچھے سبھی کا یہی راستہ ہے

کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مصلحت و مشیت ایزدی سے کوئی چارا نہیں ہے

عاشق ہے تو دلبر کو ہر ایک رنگ میں پہچان ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان

انسان کی ذات و ہستی مثل نقش بر آب ہے بلکہ خیال و خواب کے ہے اس کو کوئی فخر ذاتی حاصل کرنے کی اس دنیا میں مہلت نہیں ہر انسان کا فخر اس کی قوم و مذہب کی عزت و حالت پر ہے اگر آپ اس قوم کی رکن ہیں جو مذہب سے بے پروا اور جہالت میں غرق تفخر ذاتی و تنفر باطنی کی دلدادہ ہے تو کوئی ذاتی کمال آپ کو سربرآوردہ نہیں بنا سکتا

کسی شخص کی ذات ابدالآباد تک قائم نہیں رہ سکتی مگر اس شخص کا مذہب اور قوم قائم رہے گی اور کسی شخص کی سچی خوشی اپنے مذہب و قوم کا فروغ ہونا چاہئے۔ قوم تو ہماری کوئی خاص نہیں

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

مگر مذہب ہمارا بے شک وہ مذہب ہے جس نے گدڑیوں کو عالم کا سلطان بنایا۔ اور ہر ملک میں ہمارے بھائیوں کو بسایا۔ ؎

پراگندہ ہے گرچہ عالم میں سارا تلے آسماں کے ہے کنبہ ہمارا

کوئی تعلیم و تربیت مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ انسان کے دل میں حب قوم و مذہب نہ پیدا کرے۔ ہر مسلمان دوسرے کا بھائی۔ اور ہم سب فرقوں کو اب ایک ہو کر اس بات پر اکتفا کرنا چاہئے۔ تعالوا علی کلمہ سواء بیننا و بینکم یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اور یہی کلمہ ہمارا WATCH WORD. یعنی عصاد راہ و بدرقہ جان و تن ہونا چاہئے اور اس کے پھیلانے کی اور اس کی عظمت کے بڑھانے کی ہم کو تمنا ہوئی چاہئے غیر مذاہب کی حالت پر غور کیجئے کہ وہ کس طرح دامے درمے قلمے وسخنے بلکہ جان و دل بھی اس کام کے نذر کر کے دور دراز کا سفر اختیار کر کے بچوں بالوں کو چھوڑ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ انگلینڈ میں ایک متمول خاتون کا انتقال ہوا جنھوں نے اپنی کل املاک اڑھائی لاکھ روپے کی ملک چین میں عیسائیت پھیلانے کے لئے وقف کر دی۔ ع مرحبا بر ہمت مردانہ باد۔ اگرچہ ہم ایسی خبروں کو پڑھنے سے اور دیکھنے سے بغیر داد ہمت وسخاوت دئے نہیں رہ سکتے مگر تاہم اس کا صدمہ اور رنج بھی ہمارے دل کو ضرور ہوتا ہے کہ ہم اپنے مذہب کی تبلیغ میں

کوشش نہیں کرتے نہ ہماری کوئی توجہ اس کام کی طرف ہے۔ اسلام پر ادبار کی جو گھٹا چھائی ہوئی ہے وہ بہت حد تک ہماری مذہبی غفلت کی سزا ہے۔ خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے مگر ہم اس کی نعمت کی قدر نہیں کرتے اور اس مذہب کی قدر کماحقہ نہیں پہچانتے جس نے ہم کو حیوان سے انسان بنایا۔ آپ کو اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایک صاحب جن کا اسم گرامی خواجہ کمال الدین صاحب ہے اپنا ذاتی روپیہ لے کر انگلینڈ تبلیغ اسلام کے لئے گئے تھے اور وہاں کل روپیہ اپنا انھوں نے اس کام میں خرچ کر دیا اب ان کے کام کا جاری رکھنا اور جاری رہنا آپ ایسے متمول و ہمدرد و قدرشناس، مذہب پرست خدا ترس لوگوں کی امداد پر موقوف ہے ان صاحب کی کوشش سے ایک لارڈ صاحب نے مع اہل و عیال کے اسلام قبول کیا ہے بلکہ ایک کتاب "صبح کا ستارا" بھی لکھی ہے اور ایک مضمون بدیں عنوان شائع کیا ہے کہ "اسلام انشاء اللہ دنیا کا آئندہ مذہب ہوگا" آمین یارب العالمین۔

خواجہ صاحب موصوف نے ایک میم صاحبہ کو بھی مشرف با اسلام کیا ہے جن کا خط میرے نام کئی ہفتے ہوئے کہ آیا تھا۔ اس خط کو میں آپ کے اور برادر گرامی فاضل بھائی صاحب کے دیکھنے کو بھیجتی ہوں۔ آپ خود دیکھئے کہ یہ نومسلمہ خاتون اپنے خط میں کیا فرماتی ہیں کہ خواجہ صاحب کی مدد اس وقت میں نہ کرنا آپ سب مسلم خواتین کے لئے بہت شرم و ندامت کا باعث ہوگا۔ آپ یقین جانئے کہ یہ کام ایسا ہے کہ جو ہمارے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ کے دل میں اسلام کی وقعت پیدا کرنا ان تہمات کو جو اسلام پر باندھے گئے ہیں دور کرنا اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی ہدایت کرنا۔ ان ہی امور پر بہت حد تک ہماری آئندہ کی بہبودی

منحصر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اور آپ کے شوہر گرامی اس کام میں اپنی شان کے لائق مدد دے کر خدا و پیغمبر کو خوشنود فرمائیں گے اور نیز ان مرحومہ یعنی بائی خانم بائی اور ان کے والد کی یادگار اور ان کی ارواح کے ثواب کے لئے ان کے مال سے بھی اس کام کے لئے قابل قدر رقم عنایت فرمائیں گے۔ کوئی دنیوی موریل اس اخروی موریل سے زیادہ قابل قدر نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ خواجہ صاحب کے رسالہ اسلامک ریویو کو آپ کے نام جاری کرنے کی مجھے اجازت دیجیئے گا یہ رسالہ قابل دید ہے اور نیز لارڈ ہیڈلے جو نئے مسلمان ہوئے ہیں ان کی کتاب صبح کا ستارا جو صاحب موصوف نے اسلام پر لکھی ہے اور جس کی قیمت عوام کی خاطر سے کل بارہ آنے رکھی گئی ہے اس کی بھی بہت سی جلدیں لے کر انگلستان ہندستان و دیگر ممالک میں تقسیم کیا کریں گے۔ کوئی کام انسان کے لئے اس کی چھوٹی سی زندگی میں اس کام سے زیادہ نہیں کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت اور اس کی عزت وعظمت کے قائم رکھنے میں مدد کرے۔ اور نہ کوئی روپیہ اس سے بہتر کام میں خرچ ہو سکتا ہے۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری   تھمتا نہیں کسی سے سیل رواں ہمارا

آپ کے ملاحظہ کے لئے خواجہ صاحب کی اپیل اور ریویو کی ایک کاپی بھیجی ہے ضرور غور سے ملاحظہ فرمائیے اور میں اور سب خواتین انجمن اسلام آپ سے استدعا کرتی ہیں کہ آپ ضرور اس امر کی طرف اور متمول اراکین بمبئی کی توجہ کو مبذول کروا کر داخل حسنات ہوں گی۔

ہماری انجمن کی غرض یہ ہے کہ اس سے مسلمان خواتین میں میل جول بڑھے نہ صرف اسی شہر کی مسلمان بی بیوں بلکہ ہر شہر کی مسلمان خواتین اس میں شامل ہوں۔ اور ایک دوسرے کی

حالت سے دلچسپی ظاہر کریں اس انجمن کی کوئی فیس داخلہ نہیں۔ ماہانہ جس کا جو جی چاہے وہ حسب استطاعت دے دیتا ہے۔ یہ روپیہ غربا کی تعلیم میں خرچ ہوتا ہے دو اسکولوں میں نوکروں کی لڑکیوں کو مفت تعلیم دینے اور ان کو سینا پڑھنا سکھانے میں خرچ کیا جاتا ہے اور مہینے میں دو بار اس کا جلسہ ہوتا ہے ایک میرے گھر پر اور ایک کسی اور ممبر کے گھر پر باری باری سے۔ اور ہر جلسہ میں غدا و پیغمبر کا ذکر و ہدایت اور اسلام کی خوبی بیان ہوتی ہے اور کبھی قرآن کے کچھ حصے پڑھے جاتے ہیں یہ گویا

A mission for the depressed classes of mohamadans-

ہے۔ اور اشاعت اسلام بھی اس کے مقصدوں میں سے ہے۔ بہن آبرو بیگم جو بھوپال کی نواب بیگم صاحبہ کے کلب کی سکریٹری ہیں، وہ بھی اس میں شریک ہوئی ہیں۔ اور بنت نور الباقر جو ہندوستان میں ایک بڑی لایق و فایق مصنفہ ہیں وہ بھی شامل ہوئی ہیں اگر آپ بھی شامل ہوں تو ہماری نہایت خوشنودی کا باعث ہوگا۔ تمام عمر کے لئے باہر رہنے والوں کو بارہ روپے ایک دفعہ دینا کافی ہے پھر کچھ دینے کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ وہ کل اسلامی معاملات سے دلبستگی ظاہر کریں اور ہماری اخوت میں شامل ہو جائیں ہماری انجمن کی کل کاروائی اردو میں ہی ہوتی ہے اور جملہ ممبران ایک دوسرے کو بہن سمجھتی ہیں اور بالکل بے تعلقی سے آپس میں ملتی اور برتاؤ کرتی ہیں۔ یہ روحانی تعلق اگر آپ کی ایسی سر آور دہ خواتین سے اور ہماری خواتین سے قائم ہو جائے جیسے اور ہندوستان کی بزرگ خاتونوں سے ہو رہا ہے تو بہت فخر و خوشی کی بات ہو گی باقی السلام امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور سر فاضل بھائی صاحب کا مزاج اچھا ہو گا۔

صدر انجمن طیبہ بیگم

۱۸

یہ خط غالباً آبرو بیگم صاحبہ بیگم صاحبہ بھوپال کی معتمد کو لکھا گیا تھا۔

جناب ہمشیرہ صاحبہ معظمہ و مکرمہ

آپ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور اس بات کے سننے سے خوشی ہوئی کہ اب آپ سب خیریت سے ہیں۔ اور یہ بھی خوشخبری ملی کہ ایسا لائق شخص کوئی غیر نہیں ہیں نے اس کے قبل بھی آپ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا تھا تعجب ہے کہ نہ پہنچا اس لئے اس اخیر خط کو میں نے رجسٹری کروا دیا تھا خواجہ صاحب آپ کے یہاں آنے والے تھے غالباً آگئے ہوں گے از برائے خدا و رسول کچھ قرار واقعی ان کی رد کروا دیجئے پھر یہ وقت ہاتھ نہ آئے گا کہ بیگم صاحبہ کا ایسا سخی اور علم و مذہب دوست کہاں ملے گا اس وقت ان کے قبضہ قدرت میں ہے کہ قرار واقعی مدد خواجہ صاحب کی کر دیں۔ اس لئے کہ ایسے ہزار دو ہزار کے چندے سے کہاں تک ٹھہرا یا رہو گا اب تو اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ کان و کان خبر نہ ہو اگر خبر ہو بھی تو کیا یہ تو نہیں سکتا۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ اس امر میں آپ سعی فرمائیں۔ میرا مضمون امید ہے کہ اب کی دفعہ کے "ظل سلطان" میں نکلے گا کچھ مضائقہ نہیں اگر دو دو دفعہ کر کے نکلے مگر علیحدہ علیحدہ چھپنے سے اس کا مزا جاتا رہے گا تعجب ہے کہ ایڈیٹر صاحب اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اس مضمون کی خوبی تو سب ایک دفعہ دیکھنے پر ہے اگر ایک مہینہ تک دوسرے حصے کے لئے ٹھہرنا ہو تو اس کی خوبی جاتی رہتی ہے تاہم میں اس پر بھی راضی ہوں کہ دو پرچوں میں چھپے لیکن صحیح ہو غلطیوں سے احتیاط کی جائے۔ آج کل مزاج تو بالکل اچھا نہیں ہے۔ کچھ عرصے سے یہی حال ہے پڑھنا، لکھنا سب موقوف ہے وہ مضمون بھی پلنگ پر پڑے پڑے لکھا تھا۔ کاش آپ سے ملاقات ہوتی تو کچھ وقت تو خوشی سے گزر جاتا فقط طیبہ بیگم

(۱۹)

بنام عزیز فاطمہ بیگم صاحبہ (بیگم نواب عزیز جنگ ولاؔ)

پیاری بہن عزیز فاطمہ بیگم۔

آپ نے حقیقت میں بڑی تکلیف اٹھائی اور مہربانی کی کہ ان پرچوں کو اس قدر جلد چھپوا کر لے آئیں۔ چہارشنبہ کے روز آپ کے آنے سے میں بہت خوش ہوئی کاش کہ آپ ہمیشہ آیا کریں اور ایسوسی ایشن کی ممبر بن جائیں۔ بچی کا مزاج کیسا ہے۔

طیبہ بیگم

(۲۰)

جناب ہمشیرہ صاحبہ۔

کل میرے یہاں جزیرہ کی بیگم صاحبہ آئیں گی آپ ضرور تشریف لاکر ان سے ملاقات کیجئے۔ آپ کی بھیجی ہوئی دوا کی ڈبیا آپ کی رکھی ہوئی ہے کل جس وقت آپ تشریف لائیں گی واپس دوں گی مہربانی کا شکریہ ادا کرتی ہوں ضرور آئیے گا ساڑھے چار بجے۔

طیبہ بیگم

(۲۱)

ہمشیرہ عزیزہ۔

بعد سلام کے معلوم ہو کہ خیریت آپ کی بہت دن سے معلوم نہیں ہوئی۔ امید قوی ہے کہ

آپ مع متعلقین کے خیریت سے ہوں گی - ہمایون مرزا کے مکان پر ہیں آپ کی منتظر رہی مگر آپ عنقا صفت وہاں بھی موجود نہ تھیں - اب کب تک آپ نکل سکتی ہیں تحریر فرمائیے تاکہ اسی حساب سے دوسری کمیٹی کی تاریخ ٹھرائی جائے کرتے اگر کچھ سل گئے ہوں تو بھجوا دیجئے -

طیبہ بیگم

(۲۳)

پیاری بہن -

خدا آپ کو سلامت رکھے آپ نے ایسا مژدہ سنایا کہ تنِ بے جان میں جان آگئی خدا اس خبر کو بالکل صحیح کرے یہ صرف خدا کی مہربانی ہے ہم لوگ اس قابل نہ تھے جتنا اس کا شکر کیا جائے کم ہے سب سے بڑا اس کا شکریہ ہے کہ اب سے ہم نفاق چھوڑ دیں اور اپنے مذہب کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں پہلے کل مذہبی سنتوں سے ادا ہو کر انشاء اللہ پھر جلسہ کرنا ہم کو نصیب ہو - اس وقت دل میں تو یہ آتا ہے کہ گاڑی پر بیٹھ کر آپ کے یہاں چلی آؤں خدا اس خبر کو بالکل صحیح کرے اس وقت خداوند کریم نے اپنی مہربانی سے چودہ مہینے کے رنج کے بعد ہم کو خوشی کرنا نصیب کیا ہے -

طیبہ بیگم

(۲۴)

پیاری بہن عزیز -

میرے یہاں تھوڑے سے لوگ پانچویں جمادی الثانی کو آئیں گے اور جائے بھی پئیں گے

چار بجے شام کے وقت علی گڑھ کالج اور اصلاح تمدن کی امداد کے لئے چند بی بیاں جمع ہوں گی اگر آپ ایسی علم دوست بھی تشریف لائیں تو محفل کو رونق ہو گی۔

طیبہ بیگم

(۲۴)

بنام صغریٰ بیگم صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا)

عزیزی صغریٰ بیگم
تمہاری کہانی میں نے کل دیکھ لی بہت اچھی ہے۔ ضرور چھپوا دو۔ تمہارا مزاج اگر بالکل اچھا ہے تو کسی روز شام کو چلی آؤ۔ اگر معلوم ہو کہ تم کب آؤ گی تو میں رشید فاطمہ کو بھی بلالوں گی۔

طیبہ بیگم

(۲۵)

عزیزی صغریٰ بیگم۔
مجھے معلوم نہیں کون سے مکان میں تم مولا کے پہاڑ پر اتری ہو ورنہ میں یہ خط آدمی کے ہاتھ سے بھجواتی اب ٹپہ پر بھیج رہی ہوں مہربانی کر کے اسکول کے خرچ کے لئے سنو روپے بھجوادو، اور ہر مہینہ جو دیا جاتا تھا اس کا حساب بھی بھجوادو۔ استانیوں کا بہت تقاضہ ہے خواجہ صاحب کے سوا سو روپے تمہارے پاس ہیں وہ بھی بھجوا دو میں ہزار روپے بھیج رہی ہوں اس کے ساتھ بھجوادو نگی آج کل ان کو روپیہ کی ضرورت ہے یہ سن کر دل خوش ہوا کہ تمہاری طبیعت بفضل خدا اچھی ہے۔ ایک اسکول ترپ بازار میں بھی کھولا جارہا ہے امید ہے کہ ماہانہ آمدنی انجمن کی کافی ہوگی۔ مجھے کتاب چندے کی بھجوانا

تاکہ میں اپنی فیس دے دوں - تم کب تک واپس آؤ گی اور کہاں اتری ہو اور اب کیا
حالت ہے امید ہے کہ وہاں کی صاف ہوا سے فائدہ ہو گا -

طیبہ بیگم

(۴۶)

اسکول کے بارے میں تم کو اختیار ہے جو مناسب سمجھو کرو - علی کا مزاج تو ابھی
قابل اطمینان نہیں اس لئے میں تو کچھ کر نہیں سکتی تم کو اختیار ہے - آمنہ بیگم کی تنخواہ کچھ
باقی نہیں ہے تم نے جو حمانی اماں کے ذریعہ سے بھجوائی تھی وہی پہلے مہینے کی ان کی تنخواہ تھی -
حاکم الدولہ بہادر کی بی بی سے ہر چیز میں صلاح لے لیا کرو مکان 'کوٹلے والا اور یہ' دونوں
اُن کو دکھا لو جو اُن کو اور تم کو پسند آئے لے لو صرف اتنی بات ہے کہ مولوی صاحب سے
ایک برس کا میں نے اقرار کیا تھا اور یہ بھی سنا تھا کہ اس محلے میں لڑکیاں بہت ہیں -
حاکم الدولہ بہادر کی بی بی اور صدر النساء بیگم کو بلا کر کمیٹی کسی روز کر لو - اور شکرم کے
بارے میں اگر ممکن ہو تو مول لے لو اگر تم سمجھتی ہو کہ اس میں آسانی ہو گی اگر بھوئی اور
میانہ رکھو تو بہتر ہو گا کہ بھوئی اسکول کی نگرانی بھی کریں گے - مجھے کوٹلے کے مکان میں اس کا
خیال ہے کہ تمہارا ہے اس لئے اسکا لینا میں سمجھتی ہوں کہ مناسب نہیں اس لئے کہ تم یہاں کے
لوگوں کو جانتی ہو وہ باتیں بنائیں گے بہر حال چند روز جہاں ہے وہیں رکھو انشاء اللہ جب
سب ممبروں کی رائے ہو اس وقت انتظام بدلنا مسز حاکم الدولہ و صدر النساء بیگم کو بلا کر
جو کچھ کہنا ہو کہہ لو تو بہتر ہو گا - میں تو بہت دن تک کچھ نہیں کر سکتی شیر جنگ کی بی بی مہدی حسین کی

بی بی کے پاس ہے روپیہ منگوالو میں بھی اپنی تنخواہ دیتی ہوں ۔
طیبہ بیگم

۲۷

عزیزی صغریٰ بیگم
میں اس مہینے کا چندہ اپنا پانچ روپے بھجواتی ہوں گذشتہ مہینے کا عقیل کے گھر میں "خوبصورتہ" کے ہاتھ سے میں نے تم کو دے دیا تھا جس روز تم وہاں آئی تھیں ۔ امید ہے کہ کوئی پارٹی ہوئی ہوگی کوٹلہ کے مکان میں ابھی اسکول لے جانا کچھ دنوں ملتوی رکھو تو بہتر ہوگا میں عنقریب شہر میں آنے والی ہوں تمہارے ساتھ جا کر مکان دیکھ لوں گی ۔ میں نے سنا ہے تمہاری چھوٹی بہن کی شادی ہونے والی ہے کب ہوگی اور بھائی کی شادی کہاں ٹھیری ۔ توپ کے سانچہ والے اسکول میں لڑکیاں بہت ہوگئی ہیں استانی کی تنخواہ تین روپے اضافہ کردو تو بہتر ہوگا وہ کام بہت اچھا کرتی ہیں اور آدمی بہت اچھی ہیں ۔ آٹھ روپے تنخواہ ان کی ہو جاتی ہے اور مردانہ اسکول کا کرایہ ایک روپیہ بڑھا دو یعنی اس اسکول کے خرچ میں چار روپے اضافہ کردو عبدالغفور صاحب کی بہو کب پارٹی کرتی ہیں ۔ میں آج کل کریم آباد پر ہوں یہاں سے عقیل کے مکان میں جاؤں گی ۔ یہاں بالکل گرمی نہیں ہے تمہاری طرف تو آج کل بہت گرمی ہوگی ۔ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے فخر الحاجیہ بیگم کو تو تم نے ضرور شامل کرلیا ہوگا ۔ ان کے یہاں میں سنتی ہوں لڑکی پیدا ہوئی ہے سب انجمن والوں کو میری طرف سے سلام کہہ دینا ۔ طیبہ بیگم

۴۸

عزیزی صغریٰ بیگم ۔

تمہارا کہنا ٹھیک ہے میں چندے کی تین فہرستیں الگ الگ کر دینا بہتر سمجھتی ہوں
اس میں حساب ٹھیک رہے گا اس وقت کتاب میرے پاس بھجوا دو تو مجھ سے جتنا وصول ہوا ہے
اس کا حساب میں ٹھیک کروا دوں دو بجے سے تین تک میں گھر میں رہتی ہوں جس وقت چاہو
چلی آؤ اسکول جو کوئی دیکھنا چاہے آگے سے مجھے اطلاع دو میں انتظام کروا دوں گی ۔
بشیر الدولہ بہادر کی بی بی اور دوسرے لوگوں کو لکھو بہتر ہے مگر میرے نزدیک تھوڑا
صبر کرنا بہتر ہوگا شبلی صاحب سے اب لکچر دلوا سکتی ہو ۔ کانپور کا تصفیہ ہو چکا میرا ارادہ ہے
کہ بشیر باغ میں ایک عام جلسہ دے کر شبلی صاحب سے لکچر دلوائیں یہ بہتر بھی ہوگا کہ بشیر باغ میں
بیگم صاحبہ بھی تشریف لا سکیں گی ۔ شاہ مرزا بیگ کی دعوت کب ہے ناموں کی فہرست ان کو
بھیج دی یا نہیں ۔

طیبہ بیگم

۴۹

عزیزی صغریٰ بیگم

تم نے بہت اچھا کیا جو مسز یاور علی خاں کو رقعہ بھجوا دیا ۔ میں بھی ان کو لکھ چکی تھی ۔
آج اگر ممکن ہو تو ذرا جلد آجانا اس لئے کہ میں کئی باتوں میں تم سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں دوسرے
یہ کہ مہربانی کر کے جو رقم و رقعہ مسز یاور علی تم کو دے گئی ہیں اس کو لیتی آنا اور پہلے کی رقم بھی لیتی آنا

میں یہ چاہتی ہوں کہ اس کمیٹی میں سب ممبروں کے سامنے رقم کا تصفیہ ہو جائے ۔ چونکہ
اس کی ذمہ داری میرے پر ہے اور رقم کی ذمہ داری بری ہوتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ پرائی رقم
زیادہ دن تک رکھنا اچھا نہیں ۔ جس جس نے رقم ادا کردی ہے اس کی فہرست علحٰدہ بنائی جائے گی
اور جنہوں نے ابھی تک رقم ادا نہیں کی ہے ان کی فہرست جدا کرلی جائے گی ۔ اور اس کی
کاروائی آئندہ ہوتی رہے گی مگر موجودہ رقم کا تصفیہ ہو جانا ضرور ہے ۔ آئندہ ہفتہ میں میرا ارادہ بمبئی
جانے کا بھی ہے ابا جان کے انشاءاللہ تشریف آوری کا وقت بھی قریب ہے ۔ اس لئے بھی مجھے
اس رقم کے تصفیہ کی جلدی ہے ۔ آج ڈومیم لوگوں کو بھی میں نے بلوایا ہے ۔ کپڑے وغیرہ کا حساب کتاب
بھی ہو جانا چاہئے ۔ ایک خط میں نے بڑی صاحبزادی صاحبہ کے واسطے بھی لکھا ہے جو آج دستخط ہو کر
چلا جانا چاہئے ۔ مسز قمرالدین نے ابھی روپیہ نہیں بھیجا شاید وہ آج لے کر آئیں گی ۔
طیبہ بیگم

(۳۰)

عزیزی صغریٰ بیگم ۔
احمدی بیگم صاحبہ درحقیقت نہایت صاحب لیاقت و شعور ہیں اور مدرسہ کی نظارت
کے لئے نہایت موزوں بھی ہیں مگر تم نے یہ نہیں لکھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لئے کس قدر
مشاہرہ ان کو دیا جائے گا اگر بالفرض ازراہ عنایت وہ اجرت قبول نہ بھی کریں تاہم بغیر گاڑی کے
وہ اسکول کیونکر پہنچ سکتی ہیں اور اس کا کرایہ ماہانہ کس قدر ہوگا ۔ ابھی چھوٹی بیگم کی عرضی آئی ہے کہ
وہ اپنی تنخواہ میں اضافہ کی خواستگار ہیں اور ایک اور استانی کی طلبگار ہیں یہ تو ضروری چیزیں ہیں

اگر لڑکیوں کی تعداد بڑھی تو ضرور استانی رکھنا پڑے گا۔ احمدی بیگم صاحبہ کی نسبت میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ ہم لوگوں کو ضرور ہے کہ ان کے حسب مرتبہ ان کی پڑھوائی ان کے نذر کر دیا کریں وہ تو مانگ نہیں سکتیں مگر جب ہم کو معلوم ہے کہ وہ حاجتمند ہیں تو ہم کو چاہئے کہ ان کی پڑھوائی ان کو دے دیں میری یہ خواہش ہے کہ جتنی دفعہ انھوں نے تمہارے یہاں پڑھا ہو اور جتنی دفعہ عالیہ بیگم کے عبدالجبار صاحب کے اور امیر حسن صاحب کے یہاں پڑھا ہو پندرہ روپے فی وقت کے حساب سے ہم سب ان کو دے دیں۔ میری نظر میں اسکول کا سرکاری ہو جانا مناسب ہوگا۔

طیبہ بیگم

۱۳۱

بنام مسعود فاطمہ بیگم صاحبہ (مسز منیر الزماں)

[ج]نابہ مکرمہ مسعود فاطمہ بیگم

میرا مزاج اچھا نہ تھا اس لئے میں نے نوٹس لکھ کر نہ بھیجا مجھے خیال تھا کہ آپ خود لکھ [ل]یں گی، اب میں لکھ کر بھجوا دیتی ہوں آپ کتاب لے کر جانے کے لئے ایک نوکر آٹھ روپے مہینہ پر [رک]ھ لیجئے آپ نے مجھے چھالوں کی دوا دینے کو کہا تھا بڑی مہربانی ہو گی اگر بھجوا دیجئے آپ کی اسپیچ تو [می]رے پاس ہے و دود احمد خاں صاحب کی بی بی کی اور صاحبزادی کی بھجوا دیجئے اور دود احمد خاں صاحب [کی] بی بی کے پہلے کے مضامین جو کچھ ہیں ان سے کہئے وہ بھی بھجوا دیں میں چاہتی ہوں انجمن میں [جت]نی اسپیچیں ہوں سب جمع کر لی جائیں۔

طیبہ بیگم

(۱۳۲)

[ع]زیز بہن!

امید ہے کہ دوا نے آپ کو فائدہ کیا ہو گا اور منیر الزماں صاحب کا مزاج بھی بخیریت [ہ]و گا۔ جمعہ کے روز ضرور آئیے گا اور نوٹس سب کے یہاں تقسیم کر دا دیجئے سوائے ہمایوں مرزا [کے] یہاں کے وہاں پرانا کپڑا زیادہ نہ ہو گا فخر النساء بیگم کے یہاں بچے ہیں وہاں ملے گا۔ ایک عرضی [م]علی ناظم تحط کے نام منیر الزماں صاحب سے لکھوا کر بھجوائیے بلکہ اگر منیر الزماں صاحب کا مزاج

اچھا ہے تو خود مل کر ہمارے نرپ بازار کے اسکول کے لئے غلہ کا بندوبست کروا دیں بچے وہاں
بہت غریب ہیں فاقہ کرتے ہیں اگر معصومین کو کچھ غلہ دیا جائے تو ثواب ہوگا آپ ضرور ایک عرضی
فوراً لکھوا کر بھجوا دیجئے اور منیر الزماں صاحب سے کہئے کہ خود مل لیں اگر مناسب ہو اور اسکول کے
بچوں کا حال کہیں تو مناسب ہوگا۔ نامپلی کی زمین کے لئے درخواست دلوا دیجئے میں نے
جو نوٹس لکھ کر بھیجی تھی یقینی ملی ہوگی

طیبہ بیگم

۳۴۳

جنابہ مکرمہ مسعود فاطمہ بیگم صاحبہ

آپ کی بھیجی ہوئی دوا پہنچی شکریہ قبول فرمائیے کسی قدر فائدہ بھی اس کے استعمال
سے ہوا۔ جواب فوراً اس لئے نہیں بھیجا کہ اس روز یہاں عوت تھی لوگ جمع تھے فرصت نہ ملی دوسرے
روز ڈاکٹر صاحب کو بخار آ گیا تھا۔ آپ مہربانی کر کے ایک دو روز کے واسطے کتاب مجھے بھجوائیے
تو میں شہزور جنگ وغیرہ کے یہاں بھیج کر چندہ منگواؤں اور کتاب پھر آپ کو واپس کر دوں گی۔
ضرور آپ محل ددو احمد خاں اور ان کی صاحبزادی کی نظم ان سے لے لیجئے اور ان کی پہلے کی
بھی تقریریں لے لیجئے تاکہ سب مضامین ایک جگہ ہو جائیں اور آئندہ انجمن کی یادگار رہیں۔ امید
ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا میرا مزاج آج کل اچھا نہیں ہے طبیعت بہتر ہونے کے بعد میں
آپ سے ملوں گی۔

طیبہ بیگم

۳۴

لرمہ و معظمہ مسعود فاطمہ بیگم صاحبہ

درخواست توپ کے سانچے کی زمین کے لئے ہرگز نہ دیجیئے اس کا سبب میں آپ سے
ِبر بیان کروں گی، وہ مل نہیں سکتی ہاں نام پلی کی زمین کی درخواست اپنے نام سے بھیجیئے اور
دریافت کر لیجیئے کہ پن تو زیادہ نہ ہوگا۔ آپ کی ہمشیرہ اگر ممکن ہو تو غریبوں اور بیواؤں کو اپنے
راہ لے جائیں میں نے صغریٰ بیگم سے وعدہ کیا تھا کہ میں بہت سی غریب عورتوں کو بھجواؤں گی۔
بس وقت اتنی دور سے بھیجنا ممکن نہیں آپ لوگ ضرور کوشش کرکے اپنی ہمشیرہ کے ساتھ
ن عورتوں کو بھجوا دیجیئے جو ایک دفعہ وہاں سے واپس کر دی گئی تھیں شاید اب اُن کو کچھ ملجائے
بچھ ماہانہ امداد ہو جائے یہاں بہت سی ایسی عورتیں ہیں مگر اس ہفتہ میں بھیجی جائینگی۔ اگر آپ
واسیئے گا تو ثواب آپ کو بھی ہوگا۔ فخر الحاجیہ بیگم کو لکھ کر پیاری بیگم ایک عورت جو اُن کے پاس
ہ اس کو بھی بلوا لیجیئے وہ خاندان کی اچھی ہے مگر بہت مفلس ہو گئی ہے اس کا کوئی نہیں ہے۔
ہے کہ چچا کی دوا سے آپ کو فائدہ ہوا ہوگا میں ایک کمیٹی چند لوگوں کی کیا چاہتی ہوں آپ کا
ج اچھا ہوتے ہی خبر دیجیئے۔ آپ کے نام سے ایک عرضی اسکول کی مدد کے لئے میں نے دی ہے۔
انگلر سے بھی میں ملی تھی انھوں نے فارم بھیجنے کو کہا ہے اور اسکول دیکھنے کو بھی کہا ہے اگر آپ
ارم بھر کر اور اسکول ان کو دکھا کر بندوبست کر لیجیئے تو مجھے آسانی ہوتی ہے یا محبوب علی صاحب
بی کو ان کے ہمراہ بھجوا کر اسکول کا معائنہ کروا دیجیئے اور فارم بھر کر میرے پاس بھجوائیے تو
سرکار میں بھجوا دوں۔ آپ سے کسی روز ملنے میں خود آجاؤں گی۔ اگر آپ کا مزاج اچھا نہیں ہے

تو تکلیف نہ کیجئے۔

طیبہ بیگم

۲۵

یہ خط نہیں معلوم کس کو لکھا گیا ہے۔

جناب ہمشیرہ صاحبہ

واہ واہ خوب ہماری دعوت کی قدر کی اور خوب رہی۔ آپ کے ماشاء اللہ بچے پڑھیں علی گڑھ میں اور مدد کریں ہم اور آپ کو بلائیں تو آپ نہ آئیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ خیر آپ سمجھتی ہوں گی کہ اس دن کے نہ آنے سے آپ چندہ دینے سے بچ جائیں گی تو یہ تو ہونے والا نہیں اب یہ کام آپ کے سپرد ہے کتاب میں آپ کو بھیج دیتی ہوں آپ اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں سے چندہ لیجئے۔ اور جناب بڑی صاحبزادی صاحبہ و چھوٹی صاحبزادی صاحبہ دام اقبالہا سے بھی عرض کیجئے میں قبل اس کے لکھ چکی ہوں وہ ضرور دیں گی میں کتاب بھیجتی ہوں آپ تکلیف فرما کر ان کی خدمت میں پیش کر دیجئے۔ بشیر الدولہ بہادر کی بیگم صاحبہ نے ۲ دو ہزار روپے دیئے۔ اور متوسط درجے کے لوگوں نے بھی اپنے حسب حوصلہ دیا ہے۔ کچھ زیادہ دینا ضرور نہیں جس کا جی چاہے ایک ہی روپیہ دے مگر دیں سب۔ امید ہے کہ بچے اور آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اب یہ تو فرمائیے کہ غریب خانہ پر کب تشریف لائیے گا تو میں اس دن آپ کی دعوت کروں یا چائے ہی نوش فرمانے آئیے۔ آپ تو بڑی بے وفا نکلیں آپ کی تو وہ مثل ہے ؎ تجھے قول کا دھیان ذرا نہ رہا مجھے تجھ سے یقینِ وفا نہ رہا

اب یہ فرمایئے کہ اس طرف مکان کب لیجیئے گا۔ آپ نے مجھے مجلس میں فرمایا تھا کہ اس طرف میں ایک مکان لینا چاہتی ہوں پھر اس کا کیا ہوا۔ اب بھی ارادہ ہے یا فسخ کردیا آپ نے مجلس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم بلاؤگی تو میں ضرور آؤں گی۔ اور خوب وعدہ وفا کیا۔

آپ کی خیر خواہ دوست
مسز خدیو جنگ

۳۶۶

بنام سکینہ بیگم

عزیز تر از جان سکینہ بیگم سلمہا

تمہارے دونوں خط ملے نہایت اچھے لکھے ہیں۔ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا شاباش شاباش، زندہ رہو عمر دراز ہو خدا عمر میں برکت دے اور بہت بڑے نصیب کرے۔ سونے کے تخت پر بیٹھو تم بڑی سعادت مند لڑکی ہو بھائی، بہن، ماں، باپ، نانا سب کو چاہتی ہو خدا تم کو خوش رکھے تمہارے پپا سب سے خوش ہیں میری معصومہ جانی کیسی ہے اس کے پاس سے کوئی خط نہیں آیا اس لئے میں پریشان ہوں۔ امید درگاہِ خدا سے ہے کہ اس کا مزاج اچھا ہوگا۔ اور میری پیاری چھوٹی سیدہ جانی بھی اچھی ہوگی اور رات کو آرام سے سوتی ہوگی اور میرا اعلٰو خیریت سے ہوگا اور ممی کو یاد کرتا ہوگا اور پپا بیچارے اچھے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ میرا خط تم لوگوں کو نہیں ملا میں تو روز بلا ناغہ لکھتی ہوں

تم سب کے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے خدا سب کو جلد ملائے رجب علی ممانی تم کو بہت پیار کہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بہت بُرا کیا بچوں کو چھوڑ کر آئیں ثریا خالہ سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔ میں ان کو بھی خط لکھتی ہوں۔

تمہاری چاہنے والی ممی
طیبہ بیگم

(۳۷)

خانم صحاف باشی

جناب خانم صاحبہ محترمہ

از مس ہارکنس شنیدم کہ احوال خانم ناخوش است خیلے متفکر گشتم اگر از احوال خود ذیجہا مطلع بفرمایند ممنون خواہم شد۔

طیبہ بیگم

۳۸

بنام سر سید علی امام صاحب

برادر عزیز خودم

نمیقہ احقر بخدمت والا بدیں غرض روانہ می کنم کہ جناب منتظر فہرست اشیا باشند کہ بندہ تعجیل تمام بخدمت والا انشاء اللہ تعالیٰ روانہ خواہم کرد و دیگر ملتمس ہستم کہ ان برادر گرامی زحمت خریدن چیزے برائے بندہ نفرمایند تا وقتے کہ فہرست اشیاء مطلوب بخدمت نرسد در تکمیل دو عدد فہرست مشغول ہستم کہ انشاء اللہ زود بخدمت عالی و بخدمت حضرت عمو گرامی یوسف علی صاحب روانہ خواہم کرد پس بہ کمال ادب ملتجی ہستم کہ قبل از رسیدن فہرست ہیچ چیزے برائے بندہ نگیرید مبادا چیزے باشد کہ دست نہ دارم یا ضرور ندارم۔

بخدمت والدہ صاحبہ و والد بزرگوار از طرف ما بندگی بسیار برسانید و بھابی صاحبہ عرض سلام بفرمانید دیگر چہ عرض بکنم بایں دعا ختم می کنم ۔

الٰہی بخت تو بیدار بادا ترا دولت ہمیشہ یار بادا
گل اقبال تو دائم شگفتہ بچشم دشمنانت خار بادا

طیبہ بیگم

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹	۱۱	حالت اسلام کی	حالت اسلام کی
۲۰	۹	فوا	فوراً
۲۱	۹	عورتوں کے	عورتوں کے۔
۲۱	۱۱	مرد آدمی بن لیں	مرد آدمی نہ بن لیں
۲۲	۷	طارم اعلی	طارم اعلیٰ
۲۲	۷	ملازم	لازم
۲۴	۱۴	وائی ہاسپٹل	دی ہاسپٹل
۲۷	۱۴	اسکاٹس	اسکاٹ
۲۸	۴	رامبولا	رامولا
۲۸	۷	برٹ اسپیر	رابرٹ اسپیر
۲۸	۱۱	مرحبا نکلی جاتا ہے	مرحبا نکل جاتا ہے
۲۹	۶ و ۷	برباد ہوتے رہتے ہیں	برباد ہوتے رہے ہیں)
۳۰	۶	بادشاہ فلک الخ	بادشاہ ہے
”	”	”	فلک پہ قوت قہر [illegible] خدا کا ابر رحمت ہے / بشر [illegible]
۴۰	۲	پڑھا کر	پڑھ کر
۴۵	۱۶	یہ سکتے ہیں	یہ کہہ سکتے ہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰	۳	اپنی	اپنے
۵۱	۲	حق کو داکریں	حق کو ادا کریں
۵۱	۱۴ (دوسرا شعر)	اسے بلاں	اے فلاں
۵۱	آخری سطر (آخری مصرعہ)	بہ تشکل جہاں	بہ تشکل جہاں
۵۲	نوٹ	جس میں آس نے	جس میں انہوں نے
۵۳	آخری سطر	اور اسلام مسلماناں درگور	اور مسلماناں در گور
۵۴	۱۰	برکت صاحب	برکت اللہ صاحب
۵۴	۱۱	حسن حناتو	حسن حنا تو
۵۶	۹	بان ومال	جان ومال
۶۱	آخری سطر کے نیچے		”مولوی صاحب کا پتہ یہ ہے“ اضافہ کریں
۶۴	۲	اصحاب کو	اصحاب کا
۶۴	۱۳	آرام و مہذب	آرام دہ و مہذب
۶۶	۱۶	دراں حالے	درآں حالے
۶۸	۲	سو ظن	سوء ظن
۷۳	۱۰	حالت یہ پہنچی	حالت یہ ہوئی
۷۴	۸	رنڈیوں کو	نقالوں کو

سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	عاجت نہیں	حاجت نہیں ۔	۱۴۲	۹	تحت	تخت
۴	تہذیب کی دائرے	تہذیب کے دائرے	۱۴۳	۶	علی گڑھ،	علی گڑھ
۳	غنمت شمرائے شمع	غنیمتی شمرائے شمع	۱۴۶	۷	داراد	دارا
۱	اس زمانے میں بہت	اس زمانے میں بھی بہت	۱۵۴	۹	رکھوادی گئی ہو	رکھوادی گئی ہوتی
۵	ہارہوگئی ہیں	ہارہوگئی ہیں	۱۵۶	۱۷	دیبی	دیوی
۱۰	ہمالہ پہاڑ	ہمالیہ پہاڑ	۱۶۲	۱۳	کھاری	کھارا
۱۰	نظر حق میں	نظر حق ہیں	۱۶۹	۲	نادی	عادی
۱۰	وبندراناتھ	ربندراناتھ	۱۷۴	۶	قابل نہیں	قابل ہنیں
۵	تعبات	تعصبات	۱۷۷	۷	ذلالت	ہلاکت
۴	اُس	اِس	۱۷۹	۲	منت پر	مفت پرچے
۱	Servant	Servants	۱۸۲	۲	اہل ہند پر بڑا	اہل ہند پر بڑا
۷	سوشل جج	سوشل جج	۱۸۳	۴	ہزہائی نس	ہزہائینس
۱۰	حصرت	حضرات	۱۸۹	۳	ایک رنگی	رنگ برنگی
۱۰	ڈوائی	دوائی	۱۹۰	۱	چینی کے کام	چینی کام
۶	سب بڑھ کر	سب سے بڑھ کر	۱۹۴	۷	تو مولود	جو مولود
۱	تنگ مایہ	تنک مایہ	۱۹۷	۱۶	ناقدری پر	ناقدری پر ۔
۵	ستمبر	ڈسمبر	۱۹۹	۱۳	اراکین انجمن کیطرف سے	اراکین انجمن کی طرف سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۲	۸	کام ہیں لانا	کام میں لانا
۲۰۲	۱۰	اور نہ بہتر سمجھے جاتے ہیں	اور وہ بہتر سمجھے جاتے ہیں
۲۱۲	۷	مقدسس	مقدس مذہب
۲۱۳	۳	یہ سب چیزیں سب بالذات	یہ چیزیں سب بالذات
۲۱۴	۱۷	یہ دنیا ایسی ہی	یہ دنیا ہی ایسی
۲۱۵	۱۰	خدا نہ چاہیے	خدا نہ چاہے۔
۲۲۲	۱	پارۂ چگر	پارۂ جگر
۲۲۹	۹	جزیرۂ نما	جزیرہ نما
۲۳۸	۱	ختم کی ابتدائی آیتیں	حٰم کی ابتدائی آیتیں
۲۴۸	۹	ڈھونڈوں گا	ڈھونڈھ لوں گا
۲۴۹	۱۶	بیلپس	نیلپس
۲۴۹	۱۷	مصروف ہو گئے	مصروف ہو گئے۔
۲۵۰	۱۰	نقسیم کر رہے تھے	تقسیم کر رہے ہیں
۲۵۳	۱۷	فکر میں رہتے	فکر میں رہتے۔
۲۵۵	۱۷	دیکھ ڈلا	دیکھ ڈالا
۲۶۱	۳	ہمیشہ شعقت	ہمیشہ شفقت
۲۶۱	۱۴	کرتی تھی اور ان کے سامنے	کرتی تھی۔ ان کے سامنے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۲	۱۰	ہاتھ ملایا۔ اور الزبتھ	ہاتھ ملایا۔ الزبتھ
۲۶۲	۱۲	گاڑی تک گئی	گاڑی ہنک گئی
۲۶۳	۴	آج رہا کئے	آج تک رہا گئے
۲۶۵	۱۵	ان اسرار تمیز راز دہر	ان اسرار نمیز راز دہر
۲۶۸	۷	اکتایا	اکتا گیا
۲۷۸	۲	بابیں عنواں	بابیں عنواں
۲۸۹	۸	جس	جن
۳۰۲	۱	پاس ہے	پاس سے
۳۰۴	۲	مرے پر ہے	میرے سر ہے
۳۰۶	۲	نہ بھیجا	نہ بھیجی
۳۱۱	۱۰	رجب علی	رجب علی
۳۱۲	۳	تعجیل	بہ تعجیل
"	۳	ان برادر	آن برادر
"	۷	دست ندارم	دوست نہ دارم
"	۸	بھابی صاحبہ	بہ بھابی صاحبہ